عظیم تر اسرائیل کے عالمی صیہونی منصوبے کی خفیہ دستاویزات کا اردو ترجمہ

THE PROTOCOLS OF THE LEARNED ELDERS OF ZION

وکٹر ای مارسڈن

مترجم: محمد یحییٰ خان

ناشر

اتحاد بک ڈپو دیوبند ۲۴۷۵۵۴ (یوپی)

سال اشاعت ۲۰۰۴ء

نام کتاب	:	وثائق یہودیت
مصنف	:	وکٹر ای مارسڈن
مترجم	:	محمد یحییٰ خان
باہتمام	:	ن ملک
معاون	:	اے خان
ناشر	:	

Rs. 100.00

ملنے کا پتہ

اتحاد بک ڈپو دیوبند ۲۴۷۵۵۴ (یوپی)

فون نمبر: 01336-223671 فیکس: 01336-220603

فہرست

تعارف

امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اور برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کا یہ کہنا کہ انہوں نے عراقی عوام کی حمایت میں ان کو آزاد کرانے کے لئے عراق پر قبضہ کیا ہے، انتہائی درجے کی غلط بیانی ہے۔ عظیم جنگوں میں شریک ہونے والی ہر قوم کا دعویٰ یہی تھا کہ وہ اپنے مقدس حقوق اور دنیا کی دوسری ضعیف اور کمزور قوموں کو آزادی دلانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اس کے بعد تمام جنگوں میں ان استعماری قوتوں نے یہی بات کہی۔ عراق کے معاملہ میں بھی انکے اس جھوٹ کی ایک تاریخ ہے۔ جنگ عظیم اول کے دوران برطانیہ نے ٹرکی سے اعلان جنگ کے 5 مہینے بعد فرانس سے ایک خفیہ معاہدہ کیا جس کی رو سے عرب کو خفیہ طور پر ان ملکوں نے آپس میں تقسیم کرلیا۔ اس خفیہ معاہدہ کی رو سے عراق کو برطانیہ کے تحت آنا تھا چنانچہ بعد میں برطانیہ نے عراق پر قبضہ کرلیا۔ ان عربوں سے بھی آزادی کا ہی وعدہ کیا گیا تھا لیکن جب مارچ 1920ء میں عراقی رہنماؤں نے شریف حسین کے دوسرے بیٹے عبداللہ کو عراق کا حکمراں منتخب کیا تو برطانیہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور عراق کو اپنے انتظام میں براہ راست لے لیا جس کے ردعمل کے طور پر عوامی بغاوت ہوئی لیکن برطانیہ نے دس ہزار سے زیادہ عربوں کو شہید کر کے اپنا تسلط جمالیا۔ انگریزوں نے فیصل جسے فرانس نے شام سے بے دخل کر دیا تھا اور جو انگریزوں کا آلہ کار تھا کو عراق کا کٹھ پتلی حکمراں بنادیا اور اصل حکمرانی برطانیہ ہی کرتا رہا۔ آخر کار 3 اکتوبر 1933 کو برطانیہ میں اپنے مفاد کا تحفظ کرتے ہوئے عراقی عوام کی آزادی تسلیم کی لیکن برطانیہ کی کٹھ پتلی حکومتیں ہی بنتی رہی۔ عراق جنگ عظیم دوم کے دوران غیر جانب دار تھا لیکن برطانیہ کو وہاں جو مراعات حاصل تھیں ان کا سہارا لے کر اس نے عراق کی غیر جانب داری کو مشکوک بنادیا ردعمل طور پر رشید علی گیلانی نے 1941 کے موسم بہار میں عراقی حکومت پر قبضے کرلیا۔ اس کے بعد برطانیہ نے براہ راست فوجی مداخلت کر کے سابقہ صورت حال بحال کی لیکن 17 جولائی 1958 کو کٹھ پتلی شہنشاہوں کے دور کا خاتمہ ہوگیا اور حکومت برطانوی اثر سے باہر آگئی۔ ہم تصور کرسکتے ہیں کہ حالیہ حملہ کے ذریعہ 1958 کے پہلے کی صورت حال پیدا کرنا مقصود ہے جیسا کہ وہ 1941 میں کرچکے ہیں۔

عراق پر تسلط کی کوشش صہیونی منصوبے تکمیل کی کوشش بھی ہے۔ عصر حاضر میں اکثر بلکہ تمام جنگیں صیہونی منصوبوں کے مطابق ہوتی رہی ہیں۔ جنگ عظیم اول کے بعد اسی طرح برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کیا اور جنگ عظیم دوم کے بعد برطانیہ نے فلسطین میں صہیونی ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔ فلسطین کے کثیر التعداد عوام کو جبراً وہاں سے بے دخل کر دیا گیا۔ روس اور امریکہ ایک دوسرے کے خلاف سرد جنگ لڑتے رہے لیکن صہیونی ریاست کو فوری طور پر روس اور امریکہ نے تسلیم کیا۔ صہیونی منصوبوں کی تکمیل میں عالمی استعمار بشمول اقوام متحدہ آلۂ کار بن کر کام کرتے رہے ہیں۔ اسی صہیونی ریاست کی پارلیامنٹ کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے۔ "اے اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے لیکر فرات تک ہیں۔"

امریکہ اور برطانیہ اسرائیل کو کسی خطرہ سے بچانا ہی نہیں چاہتے بلکہ صہیونی ریاست کی پارلیامنٹ کی پیشانی پر جو کچھ لکھا ہوا ہے اس جارحانہ اعلان کو عملی جامہ پہنانا مقصود ہے۔ یقیناً یہ جنگ صہیونی منصوبوں کے مطابق ہو رہی ہے۔ اس صیہونی منصوبہ کو انسانی حقوق و آزادی کے لئے فکر مند کسی بھی شخص کے لئے سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ 1896 میں سوئزرلینڈ کے شہر بال (Bale) میں صہیونی رہنما تھیوڈور ہرزل کی صدارت میں ایک خفیہ کانفرس منعقد ہوئی جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے 300 صہیونی رہنماؤں اور 30 خفیہ اور عوامی یہودی تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں انہوں نے تمام دنیا پر اپنی بالادستی مسلط کرنے کے لائحہ عمل پر غور کیا۔ انہوں نے zionist sages protocols کے نام سے 24 نکاتی تجاویز منظور کیں۔ یہ تجاویز نہایت خفیہ طریقہ سے ترتیب دی گئیں۔ اور کسی کو بھی جو کانفرنس میں شریک نہیں تھا ان تجاویز کی ہوا نہیں لگنے دی گئی۔ لیکن بال کانفرنس کے بعد ایک صہیونی لیڈر کے ساتھ ایک فرانسیسی عورت نے ایک میٹنگ میں رسائی حاصل کر لی۔ اس نے مذکورہ تجاویز کی دستاویز چرا کر مشرقی روس کے ایک لیڈر تک پہنچایا جس نے اپنے سائنسداں دوست نائلس (nylus) کو وہ دستاویز فراہم کیں۔ نائلس مشرق و مغرب کو مغلوب کرنے کے یہودیوں

کے اس سازشی منصوبہ کو دیکھ کر بہت زیادہ بے چین ہو گیا۔اس نے اس خفیہ صہیونی منصوبہ کو 1901 میں روسی زبان میں شائع کر دیا۔

نتیجتاً روس میں یہودیوں کے خلاف سخت ردعمل ہوا بہت سے یہودی مارے گئے لیکن بڑی ہوشاری سے یہودیوں نے تمام کاپیاں بازار سے غائب کر دیں اس کے بعد جب بھی کسی زبان میں صہیونی پروٹوکول (وثائق) کی اشاعت ہوئی ہے۔

یہودیوں نے اسے بازار سے غائب کر دیا ہے۔اس پروٹوکول (وثائق) کے تیسرے حصہ میں ایک علامتی اژدھا کے جسم پر سیدھے اور الٹے مثلث (△) نشان بنے ہوئے ہیں۔ یہ مثلث ایک یہودی علامت ہے۔اسے آنکھ کہا گیا ہے۔سیدھا مثلث (△) مادیت کی علامت ہے۔اور الٹا مثلث (▽) روحانیت کی علامت ہے لیکن اگر یہ دونوں آنکھیں اس طرح (✡) باہم مل جائیں تو اسے صہیونی ستارہ کی علامت قرار دیا گیا ہے۔علامتی اژدھا کا سر صہیونی اقتدار کی علامت ہے جسے یروشلم پر دکھا گیا ہے۔اس اژدھا کا جسم صہیونی عوام کی علامت ہے۔صیہونی حکومت کو فی الواقع خفیہ رکھا گیا ہے۔حتی کہ اصل صہیونی حکومت صہیونی قوم سے بھی مخفی رہتی ہے۔یہ اژدھا دیگر اقوام کے اندر داخل ہو گا اور تمام غیر یہودی اقوام ان کے اقتدار اور ان کی ریاستوں کو نگل لے گا۔یہ بتایا گیا ہے کہ صہیونی اژدھا کو اپنا کام مکمل کرنا ہے۔ جب تک نقشے کے مطابق اژدھا کا سر صہیون تک نہیں پہنچ جاتا ہے اور یہ اژدھا یورپ سمیت تمام دنیا کو اپنے حلقے میں جکڑ نہیں لیتا ہے۔پہلے مرحلے میں اسرائیلی ریاست کبریٰ کا قیام ضروری ہے۔

(نوٹ:۔ صیہونیوں کا علامتی اژدہا کتاب کے آخر میں دیکھیں)

اس پروٹوکول (وثائق) اور اسرائیلی پارلیامنٹ کے مطابق اس نقشے میں دریا نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ترکی کا جنوبی علاقہ اور مدینہ منورہ تک حجاز کا پورا بالائی علاقہ شامل ہے۔چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ عراق پر امریکی و برطانوی حملہ صہیونی ریاست کبری کے توسیع کی کوششوں کا ایک حصہ ہے اور اگر وہ یہاں کامیاب ہو گئے تو اگلے مرحلے پر ان خطوں

کے لئے حملے ہو سکتے ہیں جنہیں صہیونی پروٹوکول (وثائق) کے تیسرے حصے میں صہیونی علامتی اژدھے کے حلقے میں دکھایا گیا ہے لیکن ابھی تک صہیونی اژدھے کے حلقے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر جکڑے نہیں جا سکے ہیں تا کہ تمام دنیا پر اپنے تسلط کو وہ مکمل کر سکیں اور اپنے اس دعوے کو پورا کر سکیں کہ یہود تمام دنیا پر حکمرانی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں حالانکہ دنیا کو غلام بنانے کا یہ منصوبہ اور یہ جنگ لوگوں کو آزادی دلانے کے نام پر ہی لڑی جا رہی ہے۔ (ڈاکٹر محمد انس)

امید ہے کہ پروٹوکولز (وثائق یہودیت) کا ترجمہ جو بعض گراں قدر اضافہ کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے صیہونیوں کے ناپاک منصوبے کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

نون ملک

ڈائریکٹر سید ابراہیم (ملک بیا) اکیڈمی

مترجم کی بات

یہود کے نام سے تو ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے کہ اسکا ذکر مسیحی برادری میں بھی معروف ہے اور مسلمانوں کے یہاں تو بہت ہی جانا پہچانا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب ﷺ پر نازل کی گئی کتاب میں سب سے زیادہ ذکر اسی قوم کا ہے بلکہ اس قوم کو خود خالق نے قرآن کریم میں بڑی وضاحت اور بڑے دلائل کے ساتھ چارج شیٹ کیا ہے۔

ان کی عیّاری اور مکّاری کا کیا کہنا کہ اس پر تو یہ خود گواہ ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے اپنی اس صفت کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ یہ یہود ہی ہیں جنہوں نے نصرانیوں کو ان کے عقائد دیئے، جنہیں وہ آج تک سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اس کا دلائل کے ساتھ انکشاف بحر مردار (قمران) سے ۴۵ء میں ملنے والے مخطوطوں (Dead Sea Scrolls) سے ہوا ہے۔ اگر چہ دنیا بہت پہلے سے اس حقیقت سے آشنا تھی۔

اس عیّاری کی دوسری مثال یہ ہے کہ ملت مسلمہ کے بعض فرقوں کے عقائد بھی اسی گروہ کے مرتب کردہ ہیں اور انہوں ہر ملک ہر تنظیم اور ہر عقیدہ میں اپنے تربیت یافتہ پالتو داخل کرر کھے ہیں جو اس ملک اس تنظیم اور اس عقیدہ سے والہانہ محبت کے دعوے کے ساتھ آنکھوں میں دھول جھونک کر میٹھے زہر کی طرح زندگی کے لمحات کم کرتے ہیں یا دیمک کی طرح اندر ہی اندر چاٹ کر کھوکھلا کر دیتے ہیں۔

عیّاری مکّاری کی تیسری مثال یہ ہے کہ یہ ہر ملک میں سماجی خدمات کا لبادہ اوڑھے مؤثر شخصیات کو ملا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی ایسے ادارے موجود ہیں جو بظاہر اونچے طبقے کو ساتھ لیکر سماجی خدمات سرانجام دیتے ہیں مگر فری میسن تحریک انہیں میں سے اپنے ڈھب کے افراد منتخب کر کے ان سے اپنے خالص اور خصوصی

لاجوں کی رونق بڑھاتی ہے۔یعنی مذکورہ طرز کی سماجی تنظیموں کے بیشتر افراد کواس بات کاعلم بھی نہیں ہوتا کہ ہماری اس تنظیم کے زیرزمین مقاصد کیا ہیں۔وہ صرف ظاہری ایجنڈے پر اتفاق کرکے شامل ہوتے ہیں۔

انہی یہود کے بزرگوں نے سینۂ دھرتی پراپنے اقتدار اعلیٰ کیلئے صدیوں قبل جومنصوبہ بندی کی تھی اور جیسے ان کے بعدان کے ہر دور میں منتخب جانشیں سنبھالتے آگے منتقل کرتے آئے وہ وثائق آپ کے سامنے ہیں اوران وثائق پر یہود کے ان بزرگوں کوداد نہ دینا بخل ہوگا' جنہوں نے بڑی ذہانت، بڑی عرق ریزی سے انہیں مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ شرمناک جرأت کے ساتھ اپنے ظالم ہونے اوراپنے آپ کوبھیڑیا کہنے کا حوصلہ کیا۔

اقوام عالم کے ہاتھوں سے اقتدار چھین لینے کیلئے ان کی صدیوں قبل کی منصوبہ بندی بدلتے حالات کے ساتھ کس قدر خوبی کے ساتھ نبھ رہی ہے، یہ بھی داد دینے کی بات ہے۔آج وہ ہمہ جہت اس میں کامیاب ہیں کہ عالمی سطح پر سیاسی، سماجی، صنعتی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی معاملات ان کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔مثلاً

۱☆ سیاسی میدان میں اقوام متحدہ اوراس کی سیکورٹی کونسل ان کی لونڈی ہے کہ یہود کی اجازت کے بغیروہاں نہ کوئی قرارداد پاس ہوسکتی ہےاورنہ کسی قراداد پران کے بغیرعمل ہوسکتا ہے۔

۲☆ معاشی اور اقتصادی میدان میں ورلڈ بنک، آئی ایم ایف، لندن کلب اور پیرس کلب طرز کے قرض دہندگان فی الواقعہ صیہونیت کے مقاصد کی تکمیل کیلئے کام کرنے والے ادارے ہیں اورسودان کا جال ہے۔

۳☆ صحت کیلئے ورلڈہیلتھ آرگنائزیشن اور یونیسیف طرز کے ادارے ہیں جوغیر یہود کیلئے صحت برباد پالیسیاں ترتیب دیتے ہیں اوراقدامات تجویز کرتے ہیں جس کی عمدہ مثال ہرکس و ناکس کیلئے خاندانی منصوبہ بندی،آیوڈین ملانمک طرز کے کام ہیں جن سے ملک کا بچہ بچہ باخبر ہے۔

۴☆ صنعت کے حوالے سے سٹہ بازی کی لعنت کے ساتھ ساتھ صنعت کیلئے ناگزیر بنیادی ضرورت مزدورکوکنٹرول کرنے کی خاطرانہوں نے یواین او کے ذیلی ادارے

کے طور پر آئی ایل او (بین الاقوامی لیبر تنظیم) قائم کر کے مضبوط اور خوبصورت جال پوری دنیا میں پھیلایا کہ مزدور کے ذریعے جب چاہا جہاں چاہا صنعت کو پامال کرا دیا۔

۵☆ تجارت پر اجارہ داری کو (WTO) چاٹ رہی ہے جس کے پس پشت یہی یہود ہیں۔

۶☆ تعلیم پر بھی یونیسیف کے سامنے مقدور بھر چھائے رہتے ہیں یا شعبۂ تعلیم میں یہود کے گھس بیٹھیئے اسے ملک وملّت کے حقیقی تقاضوں سے کبھی ہم آہنگ نہیں ہونے دیتے۔ پاکستان اور عرب ممالک اس بات کا ثبوت ہیں۔

۷☆ سماجی اور معاشرتی شعبے کے لئے مقصد حیات سے قریب تر لے جانے والی چیز اقدار ہوتی ہیں اور صیہونیت کے زر خرید صحافی، دانشور اور فنکاران اقدار کی طرف جانے والے ہر راستے پر بیٹھے اژدہا ہیں۔ مثلاً ہلکے پھلکے ادب کے نام پر پھیلتی بے ادبی سے کون واقف نہیں ہے اور ریڈیو، ٹی وی کے ذریعے پھیلتی عیاشی وفحاشی اقدار کا جس طرح پر خچے اڑا رہی ہے اس سے کون نا آشنا ہے۔ ڈش اور بلیو فلموں نے جو کردار اپنایا ہے سب کے سامنے ہے۔

علماء کا طبقہ اس گمراہی کے مقابل سدّ سکندری ثابت ہو سکتا تھا مگر علماء کہلوانے والے (الا ماشاء اللہ) خرقوں کے خول بلکہ قلعوں میں بند دوسرے عقائد کے قلعوں پر سنگ باری میں مصروف دیکھے جا رہے ہیں اور اس عظیم آفت کا انہیں مکمل ادراک ہی نہیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی سیاست اپنی اپنی مسجد کے حصار میں مقید ہے اور بارگاہ رب العزت میں حاضری اور اس حاضری کے شعوری تقاضے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔

سماجی اور معاشرتی خدمات کے نام پر صیہونیت کے ذیلی ادارے لائنیز انٹرنیشنل، روٹری انٹرنیشنل، ڈائیزر کلب، رائیٹرز گلڈ وغیرہ کس لئے عوام کے دل جیت رہے ہیں کسی کو یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کی، برکات سے ملک میں پھیلتی فحاشی اور بے غیرتی کس کی نظر

ہے او جھل ہے؟ صحت اس سے تباہ ہوتی ہے کہ اس کا سامان جسمانی عوارض مثلاً فالج، کینسر کے علاوہ نفسیاتی عوارض سے انسان کو دوچار کرتا ہے۔ شرم وحیا کا قاتل یہ منصوبہ اربوں کی لاگت سے مسلسل پھیلایا جا رہا ہے۔ یہی اربوں روپے صحت اور تعلیم کے لئے کوئی دینے پر تیار نہیں ہے۔

نمونے کے طور پر چند باتیں آپکے سامنے رکھی ہیں ورنہ کہنے کو بہت کچھ ہے جس پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ یہود اگر ملت مسلمہ کے درد کا مداوا کرنے والی عالمی سطح کی دینی تنظیموں میں اپنے تربیت یافتہ زرخرید افراد علماء وصلحاء بنا کر شامل کردیں تو جہاں اس کی تدبیروں پر انہیں شاباشی دینے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے وہیں اپنے عقلمندوں کی عقل کا ماتم کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔

زیر نظر ''وثائق'' یہود کی ایسی ہی منصوبہ بندی کا ان کی زبانی تذکرہ ہیں۔ یہ ہر شخص کے کام کی کتاب نہیں ہے بلکہ صرف گنتی کے ان لوگوں کے کام کی چیز ہے جنہوں نے عقل وخرد اور شعور کو اب تک کسی کے پاس گروی نہیں رکھا اور جو ملت مسلمہ کے انحطاط پر کڑھتے ہیں، انحطاط کی وجوہات کی ٹوہ میں ہیں اور جن میں کچھ کرنے کا داعیہ بھی ہے۔

''وثائق یہودیت'' زیادہ عرصہ مارکیٹ میں رہنے والی کتاب نہیں کہ اس کے نسخے بہت جلد زیر زمین چلے جاتے ہیں، جس طرح یہود کی کوششوں سے انہیں مارکیٹ میں لانے والے زیر زمین چلے جاتے ہیں۔ جس کا ذکر انہوں نے خود انہی وثائق میں بڑی جرأت سے کیا بھی ہے۔

زندگی اللہ کی امانت ہے اور معینہ مدت کے اختتام تک اسے کوئی لے نہیں سکتا، معینہ مہلت کے بعد کوئی اسے بچا نہیں سکتا، بس آرزو ہے تو صرف یہ کہ مہلت میسر رہے تو رضائے الٰہی کے لئے اور بلاوا آئے تو اسی ہستی کے کام میں مصروفیت کے دوران، اسی کی مرضی ومنشاء کے مطابق اس کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہو۔ آمین

مترجم

پہلا باب

یہودی ذہن کو سمجھنے کے لیے ہمیں تاریخ کے ان واقعات کا از سرنو مطالعہ کرنا ہوگا جو قرونِ اولیٰ سے لے کر اب تک سلسلہ وار رونما ہوتے رہے ہیں۔ اس سے ان کی عیسائیت سے دشمنی کی تاریخ کی جھلک بھی دکھائی دے سکتی ہے اور مسلمانوں سے عناد کے اسباب بھی سمجھ میں آسکتے ہیں اور جدید تاریخ میں یورپ کے مختلف ممالک میں اٹھنے والی تحریکوں سے ان کے مثبت اور منفی علائق کا بھی اظہار ہوسکتا ہے۔

"اسرائیل" کے لفظی معنی خدا سے "کشتی کرنے والا" کے ہیں۔ یہ معنی یہودیوں کے جدید ترین ترجمہ کتب مقدسہ (The Holy Sepulchre) میں بتائے گئے ہیں۔ جو جیوش پبلی کیشنز سوسائٹی آف امریکہ (۱۹۵۴ء) نے شائع کی ہیں۔ اس کا ذکر کتاب پیدائش (Genesis) کے باب ۳۲ آیات ۲۵ تا ۲۹ میں آیا ہے۔ عیسائیوں کے ترجمہ بائبل میں بھی یہ مضمون اسی طرح بیان ہوا ہے۔ یہودی ترجمہ کے حاشیہ میں "اسرائیل" کے معنی یہ لکھے گئے ہیں (He Who Striveth With God) یعنی "جو خدا سے زور آزمائی کرے۔" انسائیکلوپیڈیا آف ببلیکل لٹریچر میں عیسائی علماء نے "اسرائیل" کے معنی (Wrestler With God) یعنی خدا سے کشتی لڑنے والا لکھے ہیں۔

پھر بائبل کی کتاب "ہوسیع" کے باب ۱۲ آیت ۴ میں حضرت یعقوبؑ کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ "وہ اپنی جوانی کے زمانے میں خدا سے کشتی لڑا، پھر فرشتے سے بھی کشتی کی اور غالب رہا۔" یہودی روایات میں آیا ہے کہ ہمارے مورث اعلیٰ حضرت یعقوبؑ سے اللہ تعالیٰ نے رات بھر کشتی لڑی جو صبح تک جاری رہی، اللہ تعالیٰ پھر بھی اسے پچھاڑ نہ سکا۔ جب صبح ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا— "اب مجھے جانے دے" تو انہوں نے جواب دیا "میں تجھے اس وقت تک نہ جانے دوں گا جب تک تو مجھے برکت (Blessings) نہ دے۔" اللہ تعالیٰ نے پوچھا— "تمہارا نام کیا ہے۔"

انہوں نے جواب دیا، "یعقوب۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آئندہ تیرا نام یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور ان پر غالب آیا" (آخر وہ کیسا خدا تھا جو اپنے مدمقابل کے نام تک سے بے خبر تھا اور پھر کشتی لڑ کر اپنے حریف سے شکست بھی کھا گیا؟۔۔ (مؤلف)

عام لوگ بنی اسرائیل کے عروج کی تاریخ حضرت موسیٰ سے شروع کرتے ہیں لیکن قرآن مجید (المائدہ آیت ۲۰) کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل زمانہ عروج حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے گزر چکا تھا جسے خود حضرت موسیٰ اپنی قوم کے سامنے اس کے شاندار ماضی کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔

یہودیت کی ابتداء اور وجہ تسمیہ

اصل دین جو حضرت موسیٰ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا اور نہ ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے "یہوداہ" کی نسل سے تھا۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد جب ان کی سلطنت دو ٹکڑے ہوگئی تو یہ خاندان اس ٹکڑے پر مشتمل ریاست کا مالک بن گیا جو "یہودیہ" کے نام سے موسوم ہوئی۔ جب کہ بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست "سامریہ" قائم کرلی۔ پھر "اسیریا" نے نہ صرف "سامریہ" کو تباہ و برباد کردیا بلکہ ان اسرائیلی قبیلوں کا بھی ملیامیٹ کردیا جو اس ریاست کے بانی تھے۔ اس کے بعد صرف "یہوداہ" اور اس کے ساتھ بنو یابین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہودی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد و رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدیوں میں تیار کیا تھا، اس کا نام یہودیت (Judaism) ہے۔ اس ڈھانچے کی تشکیل چوتھی صدی قبل مسیح سے ہونا شروع ہوئی اور پانچویں صدی عیسوی تک جاری رہی۔ اس میں اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی آسمانی ہدایت کا بھی کچھ حصہ شامل ہے مگر یہ بہت تھوڑا ہے اور اس کا حلیہ بھی بگڑ چکا ہے۔ اس بنا پر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان کو "الذین ھادوا" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے یعنی "اے لوگو جو صرف یہودی بن کر رہ گئے ہو۔" ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے بلکہ ایسے

غیراسرائیلی لوگ بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کرلی تھی۔ قرآن مجید میں جہاں بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور جہاں مذہب یہود کے پیروکاروں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں "الذین ھادوا" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

بنی اسرائیل کو مصر میں صدیوں فراعنہ کے ہاتھوں انتہائی ذلت اور رسوائی کے سلوک کا نشانہ بننا پڑا، اس حالت میں اللہ تعالیٰ کو ان پر ترس آیا۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ کو مبعوث فرما کر انہیں غلامی ونکبت سے نجات پانے کا وسیلہ پیدا کردیا۔ ان پر پھر ایک کتاب نازل ہوئی جس کے فیض سے یہ پسی ہوئی قوم ایک نامور قوم بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون مصر کے سامنے دو مطالبے رکھے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی (اسلام) قبول کرلے اور دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی قوم پر جو پہلے سے مسلمان تھی، مظالم کا سلسلہ فوراً بند کردے۔ دوسری جانب انہوں نے بنی اسرائیل کو یہ درس دیا کہ وہ اللہ سے مدد مانگیں اور صبر وضبط سے کام لیں۔ یہ زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ آخری کامیابی انہی کے لیے ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب رہیں۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی، اور ان کے پیش کردہ معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا مگر بنی اسرائیل نے بھی پیغمبر کی دعوت اور نصائح کو چنداں لائق توجہ نہ سمجھا کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی کھل کر حمایت کرنے اور اپنے محسن کا بھرپور ساتھ دینے میں انہیں سخت خطرات محسوس ہونے لگے۔ صرف چند جرأت مند نوجوانوں (لڑکوں اور لڑکیوں) نے حق کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ مگر ان کی ماؤں، باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں پر مصلحت پسندی اور دنیاوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی چھائی رہی۔ انہوں نے الٹا نوجوانوں کو یہ کہہ کر روکنا شروع کردیا کہ موسیٰ کے قریب نہ جاؤ ورنہ تم خود بھی فرعون کے غضب کا شکار ہوجاؤ گے، ساتھ ہمیں بھی مرواؤ گے۔

ان کے اس طرزِ عمل کی یہ وجہ نہ تھی کہ انہیں حضرت موسیٰؑ کے صادق ہونے اور ان کی دعوت کے برحق ہونے پر کوئی شبہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اور خصوصاً ان کے اکابر واشراف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو فرعون کی سخت گیری کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حالانکہ یہ لوگ نسلی اور مذہبی، دونوں حیثیتوں سے حضرات ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کے امتی تھے اور اس بناء پر ظاہر ہے کہ سب مسلمان تھے۔ لیکن

ایک طویل عرصہ کے اخلاقی انحطاط نے اور اس پستی نے جو غلامانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی ان میں اتنی جرأت اور اتنا بل بوتا نہ چھوڑا تھا کہ کفر وضلالت کی فرماں روائی کے مقابلے میں ایمان وہدایت کا پرچم لے کر خود اٹھتے یا جو اٹھا تھا اس کا ساتھ دیتے۔

واضح رہے کہ ایک دور ستم وہ تھا جو حضرت موسیٰ کی پیدائش سے قبل رعمیسس ثانی کے دور میں جاری ہوا تھا اور دوسرا دور ستم یہ تھا جو (فرعون منفتاح کے دور میں) موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد شروع ہوا، دونوں ادوار میں یہ بات مشترک تھی کہ بنی اسرئیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کر دیا جاتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کشمکش میں اسرائیلیوں کی اکثریت کا طرز عمل کیا تھا، اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے ہوسکتا ہے:

''جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آرہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارونؑ ملاقات کے لیے راستے میں کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا تمہیں خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے ہمیں فرعون اور اس کے اہلکاروں کی نگاہ میں اتنا قابل نفرت ٹھہرا دیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔'' (خروج ۶: ۲۰-۲۱)

تلمود میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارونؑ سے کہتے تھے:

''ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا، چرواہے نے اس کو بچانے کی کوشش کی، دونوں کی کشمکش میں بکری ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ بس اسی طرح فرعون کی اور تمہاری کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہوجائے گا۔''

اسرائیل کی مصر سے ہجرت

مصر سے نکلنے کی اللہ تعالیٰ نے آخر کار ایک تاریخ مقرر فرما دی۔ جس میں تمام اسرائیل اور غیر اسرائیلی مسلمانوں کو اس ملک کے ہر حصے سے ہجرت کرنا پڑی۔ سب لوگ ایک طے شدہ مقام پر جمع ہو کر ایک قافلہ کی صورت میں روانہ ہوگئے۔

حضرت موسیٰ نے بحر احمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ لیکن ادھر سے فرعون ایک لشکر عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا ٹھیک اس موقع پر آپہنچا جب یہ قافلہ ابھی ساحل سمندر پر ہی تھا۔ قرآن

مجید کی سورۃ الشعراء میں بتایا گیا ہے کہ مہاجرین کا قافلہ فرعونی لشکر اور سمندر کے درمیان بالکل گھر چکا تھا۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ "اپنا عصا سمندر پر مار" چنانچہ ان کا عصا مارنے سے سمندر فوراً پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے ٹیلے کی طرح کھڑا ہو گیا اور بیچ میں صرف یہی نہیں کہ قافلے کے گزرنے کے لیے راستہ نکل آیا بلکہ بیچ کا یہ حصہ خشک ہو کر سوکھی سڑک کی طرح بن گیا۔ اس سڑک سے مہاجرین کے گزرتے ہی فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر کے اس درمیانی راستے میں اتر آیا اور سمندر نے اس کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا۔

ناشکری اور نافرمانی پر سزا

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جزیرہ نمائے سینا میں مارہ، ایلیم، اور رفیدیم کے راستے کوہ سینا کی طرف آئے اور ایک سال سے کچھ زیادہ مدت تک اس مقام پر ٹھہرے رہے۔ تورات کے بیشتر احکامات یہیں آپؑ پر نازل ہوئے۔ انہی احکام میں ایک حکم یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین کی طرف جاؤ اور اسے فتح کر لو کہ وہ تمہاری میراث میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپؑ بنی اسرائیل کو لیے ہوئے تبعیر اور حصیرات کے راستے دشت فاران میں پہنچے جہاں سے آپ نے ایک بارہ رکنی وفد فلسطین کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ اس وفد نے ۴۰ روزہ دورہ سے واپس آ کر قادس کے مقام پر آپ کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ حضرت یوشع اور کالب کے سوا پورے وفد کی رپورٹ بڑی حوصلہ شکن تھی جسے سن کر بنی اسرائیل چیخ اٹھے اور انہوں نے فلسطین کی مہم پر جانے سے انکار کر دیا (قرآن مجید کے الفاظ میں انہوں نے کہا۔ **انا لن ندخلها ابداً ما داموا فيها فاذهب انت وربک فقاتلا انا ههنا قاعدون.** "ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ پس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔" (المائدہ آیت: ۲۴)

تب اللہ تعالیٰ نے بطور سزا یہ حکم دیا کہ اب چالیس برس تک اس علاقے میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کی موجودہ نسل حضرت یوشع اور کالب کے سوا فلسطین کی شکل نہ دیکھنے پائے گی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل دشت فاران، بیابان شور اور دشت صین کے درمیان مارے مارے پھرتے رہے اور عمالقہ، اموریوں، ادومیوں، مدیانیوں اور موآب کے لوگوں سے لڑتے بھڑتے رہے۔

فلسطین کی فتح

جب سزا کے چالیس سال پورے ہونے لگے تو ادوم کی سرحد کے قریب کوہ ہور پر حضرت ہارونؑ وفات پا گئے۔ پھر حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیے ہوئے موآب کے علاقے میں داخل ہوئے۔ اس علاقے کو فتح کرنے کے بعد حسبون اور شطیم تک پہنچ گئے۔ یہاں کوہ عباریم پر حضرت موسیٰ انتقال فرما گئے۔ ان کے بعد حضرت یوشع ان کے خلیفہ اول بنے جنہوں نے دریائے اردن کو پار کر کے شہر یریحو (اریحا) کو فتح کیا۔ یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔ پھر قلیل مدت ہی میں پورا فلسطین فتح ہو گیا۔ اس فتح سے پہلے بنی اسرائیل طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا ہو گئے اور بعد از فتح ان میں پھر شر اور فساد نے مختلف شکلوں میں سر اٹھایا، جس پر خدا نے انہیں کڑی سزائیں دیں۔

حضرت موسیٰ کا انتباہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات سے چند روز قبل بنی اسرائیل کو ایک وصیت کی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۷ میں آیا ہے۔

''اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم پر اور زیادہ نوازشات کروں گا، اگر ناشکری کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔''

اس وصیت کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ کی تقریر بائبل کی کتاب استثنا میں بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ جس میں انہوں نے بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے سارے اہم واقعات یاد دلائے اور تورات کے وہ تمام احکامات دوہرائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ بنی اسرائیل کو بھیجے تھے۔ اس تقریر کے بعض مقامات کمال درجہ مؤثر اور عبرت انگیز ہیں۔ مثال کے طور پر:

''...... اور اگر تو خدا کی بات کو خلوص دل سے مان کر اس کے احکامات پر عمل کرے گا تو تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا ـــ لیکن اگر تو ایسا نہ کرے، خدا کی بات سن کر اس اثر کے سب احکامات پر عمل نہ کرے گا تو یہ سب کی لعنتیں تجھ پر ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔ شہر میں بھی تو لعنتی ہوگا اور کھیت میں بھی لعنتی۔ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی ـــ آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا، اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی۔ خدا تجھے

تیرے دشمنوں کے سامنے زیر کرے گا، زبردست شکست دلائے گا—
عورت سے منگنی تو تو کرے گا مگر اس سے مباشرت دوسرا کرے گا— تو گھر بنائے گا مگر اس میں بس نہ پائے گا— تو تاکستان لگائے گا لیکن اس کا پھل نہ کھا سکے گا۔ تیرا بیل تیرے سامنے ذبح کیا جائے گا— تو بھوکا پیاسا، ننگا اور سب چیزوں کا محتاج ہو کر اپنے ان دشمنوں کی خدمت کرنے پر مجبور ہو جائے گا جن کو خدا تیرے برخلاف بھیجے گا اور غنیم تیری گردن پر لوہے کا جوا رکھے گا جب تک وہ تیرا ستیاناس نہ کر دے۔ خدا تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کرے گا۔"

حضرت یوشع کا آخری انتباہ

اہل مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل کی ذہنیت کو جیسا بگاڑ دیا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے بہ آسانی کیا جا سکتا ہے کہ مصر سے نکل آنے کے ۷۰ برس کے بعد (جبکہ بنی اسرائیل نے بت پرستی شروع کر دی تھی۔ حضرت موسیٰ کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون نے ایک مجمع عام میں بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"تم خدا کا خوف رکھو اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اس کی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں سے دور ہٹو جن کی پرستش تمہارے باپ دادا دریا کے پار مصر میں کرتے رہتے تھے اور صرف خدا کی پرستش کرو۔ اگر اس کی پرستش تمہیں بری معلوم ہوتی ہے تو آج ہی تم اسے جس کی پرستش کرو گے، چن لو— اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سو ہم تو خداوند ہی کی پرستش کرتے رہیں گے۔"

اس تقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۴۰ سال تک حضرت موسیٰ اور ۲۸ سال تک حضرت یوشع کی تربیت و رہنمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے اندر سے ان اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنہ مصر کی بندگی اور غلامی کے دور میں اس کی رگ رگ کے اندر اتر گئے تھے۔

فتح فلسطین کے بعد

حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں متعدد

مشرک قومیں آباد تھیں۔ حتی، اموری، کنعانی، فرزی، حوی، یبوسی، فلستی وغیرہ۔ ان میں بدترین قسم کا شرک پایا جاتا تھا۔ ساری خدائی بہت سے معبودوں میں بٹ کر رہ گئی تھی۔ ان دیوتاؤں اور دیویوں کی طرف ایسے ایسے ذلیل اوصاف اور اعمال منسوب تھے کہ اخلاقی لحاظ سے انتہائی بدکردار انسان بھی ان کے ساتھ مشتہر ہونا پسند نہ کرے۔ ان کے ہاں بچوں کی قربانی کرنے کا عام رواج تھا۔ ان کی عبادت گاہیں فحاشی اور زنا کاری کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ عورتوں کو دیوداسیاں بنا کر عبادت گاہوں میں رکھنا اور ان سے بدکاریاں کرنا عبادت میں شامل تھا۔

تورات میں حضرت موسیٰ کے ذریعہ ان قوموں کے سلسلہ میں جو ہدایات بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں ان میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ یہ قومیں چونکہ نا قابل اصلاح ہو چکی ہیں اس لیے تم ان کو ہلاک کر کے ان کے قبضہ سے فلسطین کی سرزمین چھین لینا اور ان کے ساتھ رہنے بسنے اور ان کی اخلاقی و اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرنا۔ لیکن بنی اسرائیل نے فلسطین میں داخل ہونے کے بعد ان ہدایات کو پس پشت ڈال دیا۔ انہوں نے اپنی کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کی۔ اپنی اپنی قبائلی عصبیت کے باعث ہر قبیلے نے اس بات کو پسند کیا کہ مفتوحہ علاقوں کا ایک ایک حصہ لے کر الگ ہو جائے۔ اس طرح فلسطین کا مختصر سا علاقہ بنی اسرائیل کے جن بارہ قبائل میں تقسیم ہو گیا وہ یہ تھے:
(i) بنی یہوداہ (ii) بنی شمعون (iii) بنی دانی (iv) بنی یمین (v) بنی افرائیم (vi) بنی روبن (vii) بنی جد (viii) بنی منسی (ix) بنی اشکار (x) بنی زبولون (xi) بنی نفتالی اور (xii) بنی آشر۔

اس تفرقے اور باہمی انتشار کی وجہ سے ان کا کوئی قبیلہ بھی اتنا طاقتور نہ ہوسکا کہ اپنے علاقے کو مشرکین (Pagans) سے پاک کر دیتا۔ آخر کار انہیں یہ گوارہ کرنا پڑا کہ مشرکین ان کے ساتھ رہیں اور ان میں رچ بس جائیں۔ اس کا پہلا خمیازہ بنی اسرائیل کو یہ بھگتنا پڑا کہ ان قوموں کو اندر کے تمام اخلاقی مفاسد، فحاشی و عیاشی کے طور طریقے اور شرک و بدعت کی رسمیں ان کے اندر گھس آئیں۔ دوسرا خمیازہ انہیں یہ بھگتنا پڑا کہ جن قوموں کی شہری ریاستیں انہوں نے چھوڑ دی تھیں انہوں نے اور فلستیوں نے جن کا علاقہ غیر مغلوب رہ گیا تھا مل کر بنی اسرائیل کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا اور پے در پے حملے کر کے فلسطین کے بڑے حصے سے ان کو بے دخل کر دیا۔ حتی کہ ان سے خداوند کے عہد کا صندوق (تابوت سکینہ) تک چھین لیا۔ آخر کار بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ کی ہدایت یاد آ ہی گئی اور انہیں ایک فرمان روا کے تحت اپنی متحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ اس

متحدہ سلطنت کے تین فرماں روا ہوئے۔ حضرت طالوت، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ۔ ان فرماں رواؤں نے اس کام کو مکمل کیا جسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا۔

بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ طالوت کے عہد تک صیدا، صور، دور، مجدہ، بیت شان، جزر اور یروشلم (موجودہ بیت المقدس) مسلسل مشرکوں کے قبضے میں رہے اور ان شہروں کی مشرکانہ تہذیب کا بنی اسرائیل پر گہرا اثر پڑتا رہا۔ مزید برآں اسرائیلی قبائل کی سرحدوں پر فلسطیوں، ادومیوں، موآبیوں اور عمونیوں کی طاقتور ریاستیں بھی بدستور قائم رہیں اور انہوں نے بعد میں پے در پے حملے کر کے بہت سا علاقہ اسرائیلیوں سے چھین لیا۔ حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ فلسطین سے بنی اسرائیل کو کان سے پکڑ کر نکال دیے جانے کی نوبت آگئی۔ اگر عین وقت پر اللہ تعالیٰ طالوت کی قیادت میں اسرائیلیوں کو جمع نہ کر دیتا تو وہ ایک بار پھر دنیا کی ذلیل ترین اور پست ترین قوم بن کر رہ جاتے۔

اسرائیل کا پہلا بڑا دورِ فساد

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر زر پرستی کا پھر شدید غلبہ ہوا اور انہوں نے زیادہ سے زیادہ دولت اور علاقے ہتھیانے کے لیے آپس میں لڑ لڑ کر اپنی دو الگ سلطنتیں قائم کر لیں۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں ''سلطنت اسرائیل'' اور جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں ''سلطنت یہود'' قائم کر دی گئیں، اول الذکر کا دارالحکومت ''سامریہ'' قرار پایا اور مؤخر الذکر ریاست کا پایہ تخت ''یروشلم'' بنا۔ اب دونوں سلطنتوں میں شدید رقابت اور خونی کشمکش شروع ہوگئی۔ جو روز اول سے آخری تک جاری رہی۔

''اسرائیلی ریاست'' کے فرمانرواں اور باشندے ہمسایہ قوموں کے مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فساد سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ حضرت الیاسؑ اور حضرت الیسعؑ نے فحاشی اور بدمعاشی کے اس سیلاب کو روکنے کی انتہائی کوشش کی مگر یہ قوم جس تنزل کی طرف بڑھ رہی تھی اس سے باز نہ آئی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے غضب سے انہیں آشوریوں (Assyrians) کی صورت میں اپنی گرفت میں لیا۔ نویں صدی قبل مسیح سے فلسطین آشوری فاتحین کے پے در پے حملوں کا نشانہ بنتا رہا۔ بالآخر ۷۲۰ قبل مسیح میں آشور کے سخت گیر فرمانروا سارگون نے سامریہ کو فتح کر کے ''سلطنت اسرائیل'' کا خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح ''سلطنت یہود'' بھی آشوریوں کے مسلسل حملوں کی زد میں آنا شروع ہوگئی۔

اس کے کئی شہر تباہ کردیے گئے۔ حملہ آوروں نے اسے مکمل طور پر تہس نہس تو نہ کیا لیکن باجگزار بننے پر مجبور کردیا۔

آخر کار ۵۸۷ قبل مسیح میں بابل (Babylonia) کے بادشاہ بخت نصر نے ایک سخت حملہ کرکے سلطنت یہودیہ کے تمام بڑے چھوٹے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند خاک کیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ پر کھڑی نہ رہ سکی۔ یہودیوں کی بہت بڑی تعداد کو ان کے علاقے سے نکال کر ملک ملک میں تتر بتر کردیا۔

خدا کی طرف سے آخری موقع

سلطنت اسرائیل اور سلطنت یہود، آشوریوں کی فتح اور بخت نصر کے زوردار حملے کے بعد نابود تو ہوگئیں اور انہیں قائم کرنے والے بھی اپنی شامت اعمال کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ مگر یہودیہ کے عام باشندوں میں سے باقی بچ جانے والوں میں کچھ لوگ خیر پر قائم اور خیر کی دعوت دینے والے موجود تھے، جنہوں نے لوگوں میں اصلاح کا کام جاری رکھا اور انہیں توبہ و انابت کی ترغیب دی جو دوسرے علاقوں میں جلاوطن کردیے گئے تھے۔ آخر کار رحمت الٰہی ان کی مددگار بنی۔ بابل کی سلطنت کو زوال ہوا۔ ۵۳۹ قبل مسیح میں ایرانی فاتح سائرس (خورس یا خسرو) نے بابل کو فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال اس نے فرمان جاری کرکے بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی انہیں ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کی اجازت بھی مل گئی۔

یہودی واپس آتو گئے مگر ایک عرصہ تک یہاں مسلسل آباد ہونے والی ہمسایہ قوموں نے ان کے خلاف مزاحمت شروع کردی۔ آخر دارایوس یا دارا اول (Darius-1) ۵۲۲ قبل مسیح میں ''یہود'' کے آخری بادشاہ کے پوتے ''زروبابل'' کو ''یہودیہ'' کا گورنر مقرر کیا جس نے حجی نبی، زکریاہ نبی اور سردار کاہن کی زیرنگرانی ہیکل مقدس کی نئے سرے سے تعمیر کرادی۔

اس زمانے میں حضرت عزیز نے دین موسیٰ کی تجدید کا بہت بڑا کام انجام دیا۔ انہوں نے یہودی قوم کے تمام اہل خیر و صلاح لوگوں کو ہر طرف سے جمع کرکے ایک مضبوط نظام قائم کیا۔ بائبل کی کتب مقدسہ کو جن میں تورات تھی مرتب کرکے شائع کیا۔ یہودیوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا۔ قوانین شریعت کو نافذ کرکے ان کی اعتقادی اور اخلاقی برائیوں کو دور کرنا شروع کیا جو غیر قوموں سے

میل جول کے اثر سے گھس آئی تھیں۔ ان مشرک عورتوں کو طلاق دلوائی جن سے یہودیوں نے بیاہ کر رکھے تھے اور بنی اسرائیل سے از سر نو خدا کی بندگی اور اس کے آئین کی پابندی کرنے کا میثاق لیا۔ یوں ڈیڑھ سو سال بعد بیت المقدس نئے سرے سے آباد ہوا اور یہودی مذہب اور تہذیب کا مرکز بن گیا۔

یونانی تسلط اور مکابی تحریک

شام کی سلوقی (Seleucid) سلطنت کے فرمانروا اینٹیوکس ثالث (AntiochusIII) نے ۹۸ قبل مسیح میں فلسطین پر حملہ کر دیا اور خوں ریز جھڑپوں کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ یونانی فاتح جو مذہبا مشرک اور اخلاقاً بے راہ رو تھے۔ یہودی مذہب و تہذیب سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ انہوں نے اس کے مقابلے میں سیاسی اور معاشی دباؤ کے تحت یونانی تہذیب و تمدن کو فروغ دینا شروع کر دیا، خود یہودیوں میں سے ایک اچھا خاصا طبقہ ان کا آلہ کار بن گیا۔ اس خارجی مداخلت نے یہودی قوم میں تفرقہ ڈال دیا۔ ایک گروہ نے یونانی لباس، یونانی زبان، یونانی طرز معاشرت اور یونانی کھیلوں کو اپنا لیا، جب کہ دوسرا گروہ اپنی تہذیب پر سختی سے قائم رہا۔

اینٹیوکس ثالث کے جانشین، اینٹیوکس چہارم نے جو ''اپی فینیز'' (Epihanes) بمعنی مظہر نور خدا کہلاتا تھا تخت نشین ہوا تو اس نے پوری جابرانہ قوت سے یہودی مذہب و تہذیب کی بیخ کنی شروع کر دی لیکن یہودی اس سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندر شدید رد عمل پیدا ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں مکابی بغاوت (Maccabean Revolt: 164-175 B.C.) کے نام سے مشہور ہوئی۔ اگرچہ اس کشمکش میں یونانیت زدہ یہودیوں کی ساری ہمدردیاں (غیر ملکی) یونانیوں کے ساتھ تھیں اور انہوں نے عملاً مکابی بغاوت کو کچلنے میں انطاکیہ والوں کا پورا پورا ساتھ دیا لیکن عام یہودیوں میں حضرت عزیز کی تعلیمات کا اتنا زبردست اثر تھا کہ وہ سب مکابیوں کے ساتھ ہو گئے اور آخر کار انہوں نے یونانیوں کو نکال کر اپنی آزاد دینی ریاست قائم کر لی جو ۶۷ قبل مسیح تک قائم رہی۔ اس ریاست کی حدود پھیلتے پھیلتے اس پورے رقبے پر حاوی ہو گئیں جو کبھی ''یہودیہ'' اور ''اسرئیل'' کی دونوں سلطنتوں کے زیر نگیں تھا۔ بلکہ فلستیہ کا بھی ایک بڑا حصہ اس کے قبضے میں آ گیا جو حضرت سلیمان اور داؤد علیہم السلام کے زمانے میں بھی مسخر نہ ہو سکا تھا۔

آخری موقع بھی کھو گیا

یہ صورت حال زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ مکابیوں کی تحریک جس اخلاقی اور دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی رفتہ رفتہ فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی، خواہشات نفسانی اور بے روح ظاہرداری نے لے لی۔ آخر کار ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے رومن فاتح، جنرل پومپی (Pompey) کو فلسطین پر حملے کی دعوت دے دی چنانچہ اس نے ۶۳ قبل مسیح میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن رومن فاتحین کی مستقل پالیسی تھی کہ وہ مفتوح علاقوں پر براہ راست اپنا نظم ونسق قائم کرنے کی بجائے مقامی حکمرانوں کے ذریعہ کام کرتے تھے، اس لیے انہوں نے ایک ایسی ویسی ریاست قائم کردی جو بالآخر ایک ہوشیار یہودی ہیرود اعظم (Herod, The Great) کے قبضے میں آئی۔ اس نے ایک طرف تو مذہبی پیشواؤں کی مالی سرپرستی کر کے یہودیوں کو خوش رکھا اور دوسری جانب رومن تہذیب و ثقافت کو فروغ دے کر بیرونی آقاؤں کی زیادہ سے زیادہ وفاداری کا مظاہرہ کیا اور قیصر (Caesar) کی خوشنودی حاصل کی۔ اس زمانے میں یہودیوں کی دینی اور اخلاقی حالت گرتے گرتے زوال کی آخری حد کو پہنچ چکی تھی۔ سنہ ۴۱ قبل مسیح میں رومنوں نے ہیرود اعظم کے پوتے ہیرود اگرپا (Herod Agrippa) کو ان تمام علاقوں کا فرمانرواں بنا دیا جن پر ہیرود اعظم اپنے زمانے میں حکمراں تھا۔ اس شخص نے اقتدار میں آنے کے بعد مسیح علیہ السلام کے پیروؤں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ اس زمانے میں عام یہودیوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی جو حالت تھی اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ان تنقیدوں کا مطالعہ کیا جانا چاہیے جو حضرت عیسیٰ نے اپنے خطبوں میں ان پر کی ہے۔

اس قوم کے سامنے حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے پاکیزہ انسان کا سر قلم کیا گیا مگر ایک آواز بھی اس ظلم عظیم کے خلاف نہ اٹھی اور پوری قوم کے مذہبی پیشواؤں نے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا — اور حد یہ ہے کہ جب پونٹس پیلاطس نے ان شانت زدہ لوگوں سے پوچھا کہ — بتاؤ یسوع کو چھوڑ دوں یا براباڈاکو کو، تو پورے مجمع نے بیک آواز کہا کہ براباکو چھوڑ دو۔ یہ گویا آخری حجت تھی جو اس قوم پر قائم کی تھی۔

بعدازاں زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ یہودیوں اور رومنوں کے درمیان سخت کشیدگی پیدا ہوگئی۔ ۶۴ء اور ۶۶ء کے درمیان یہودیوں نے رومنوں کے خلاف کھلم کھلا اعلان بغاوت کر دیا۔ رومی

سلطنت نے ایک سخت کارروائی کر کے اس بغاوت کو کچل دیا اور ۷۰ء میں ٹیٹس نے بزور شمشیر یروشلم کو فتح کرلیا۔ اس موقع پر ہونے والے قتل عام میں ایک لاکھ ۳۳ افراد مارے گئے۔ ۶۷ ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے غلام بنالیا گیا۔ ہزار ہا آدمی پکڑ پکڑ کر مصری کانوں میں بیگار کے لیے بھیج دیئے گئے۔ ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر ایمفی تھیٹروں اور کلوسیموں میں جنگلی درندوں سے بھڑوانے اور شمشیر زنی کے کھیل کا تختہ مشق بننے کے لیے چن لیا گیا۔ تمام دراز قامت اور حسین لڑکیاں فاتح فوج کے افسروں کے لیے منتخب کرلی گئیں اور یروشلم کے شہر اور ہیکل کو پیوند خاک کردیا گیا۔ اس کے بعد فلسطین سے یہودی اثر ایسا مٹا کہ دو ہزار برس تک اس کو پھر سر اٹھانے کا موقعہ نہ ملا۔

تورات میں تحریف

حضرت موسیٰ کی جو آخری تقریر کتاب استثناء میں نقل کی گئی ہے اس میں وہ اپنی قوم سے بار بار یہ وعدہ لیتے رہے کہ "میں نے جو احکامات تم تک پہنچائے ہیں اپنے دل پر نقش کرنا، اپنی آئندہ نسل کو سکھانا، گھر بیٹھے راہ چلتے، اٹھتے، لیٹتے ہر وقت ان کا ذکر کرتے رہنا اور اپنے گھر کی چوکھٹوں پر بھی ان کو لکھ دینا تا کہ ہر کسی کی ان پر نظر پڑتی رہے۔" پھر اپنی آخری وصیت میں انہوں نے یہ تاکید بھی کی کہ "کوہ عیبال پر بڑے بڑے پتھر نصب کر کے تورات کے احکام ان پر کندہ کردینا۔ ہر ساتویں برس عید خیام کے موقع پر قوم کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو جگہ جگہ جمع کر کے یہ پوری کتاب لفظ بہ لفظ ان کو سناتے رہنا۔"

حضرت موسیٰ کی اتنی پرزور تاکید کے باوجود بنی اسرائیل خدا کی کتاب سے غافل ہوتے چلے گئے۔ ان کی غفلت یہاں تک بڑھی کہ حضرت موسیٰ کے سات سو برس بعد ہیکل سلیمانی کے سجادہ نشین اور یروشلم کے یہودی فرمانرواں تک کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے ہاں تورات نامی کوئی کتاب موجود ہے۔ علمائے یہود کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے علم کی اشاعت کرنے کی بجائے اس کو ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود طبقے میں مقید کردیا تھا۔ خلائق عامہ تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دیتے تھے۔ پھر جب عام جہالت کی وجہ سے ان کے اندر گمراہیاں پھیلیں تو علماء نے نہ صرف یہ کہ ان کی اصلاح کی کوشش نہ کی بلکہ وہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لیے ہر اس گمراہی اور بدعت کو جس کا رواج عام ہو جاتا اسے اپنے قول وعمل سے سند

جواز عطا کرنے لگے۔ قرآن کے الفاظ میں علمائے یہود کا حال یہ تھا— ''اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں'' (سورۂ توبہ آیت ۳۴) ان لوگوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ کلام الٰہی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلا بلکہ یہ بھی کیا کہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو، اپنی قومی تاریخ کو، اپنے اوہام اور قیاسات کو، اپنے خیالی فلسفوں کو اور اپنے اجتہاد سے وضع کئے ہوئے قوانین کو کلام الٰہی کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور یہ ساری چیزیں لوگوں کے سامنے اس حیثیت سے پیش کیں کہ گویا یہ سب اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔ ہر تاریخی فلسفہ، ہر مفسر کی تاویل، ہر متکلم کا الٰہیاتی عقیدہ اور ہر فقیہ کا قانونی اجتہاد مجموعہ کتب مقدسہ (بائبل) میں جگہ پا گیا۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اس پر ایمان لانا فرض ہے، اس سے انحراف دین سے انحراف قرار دیا جانے لگا۔

یہ بات تحقیق سے سامنے آچکی ہے کہ ''عہد عتیق'' (Old Testament) پانچ کتابیں اصل تورات نہیں ہیں بلکہ اصل تورات دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔ اس نظریہ کی تائید خود ''عہد عتیق'' سے ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں حضرت یوشع کی مدد سے تورات کو مرتب کر کے ایک صندوق میں رکھوا دیا تھا (حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو، استثناء ۳۱: ۲۴-۲۷)۔ ان کے انتقال کے بعد 6ویں صدی قبل مسیح میں جب بخت نصر نے بیت المقدس کو آگ لگا دی تو وہ مقدس صندوق ان تمام کتابوں سمیت جل گیا جو حضرت موسیٰ کے بعد شریعت موسویہ کے مجددین نے مرتب کی تھیں۔

اس تباہی کے دو ڈھائی سو برس بعد حضرت عزیر نے خود بائبل کی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کے کاہنوں اور لادیوں کے ساتھ مل کر آسمانی الہام سے اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا۔ مگر حوادث زمانہ نے اس نئے نسخے کو بھی اپنی اصلی صورت میں نہ رہنے دیا۔ سکندر اعظم کی عالمگیر فتوحات کا سیلاب جب یونانی حکومت کے ساتھ علوم و آداب کو ساتھ لے کر شرق اوسط پر پھیل گیا تو ۲۸۰ قبل مسیح میں تورات کی تمام کتابیں یونانی زبان میں منتقل کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ اصل عبرانی نسخہ متروک ہو گیا اور اس کی جگہ یونانی ترجمہ رائج ہو گیا۔ پس آج جو تورات ہمارے سامنے ہے اس کی سند کسی طرح حضرت موسیٰ تک نہیں پہنچتی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موجودہ تورات میں اصل تورات کا کوئی جزو بھی شامل نہیں یا یہ سراسر جعلی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس تورات میں اصل تورات کے ساتھ بہت سی دوسری چیزیں مکس اَپ ہو گئی ہیں اور بعید نہیں کہ بعض چیزیں اس میں غائب بھی ہو گئی

ہوں۔ آج جو شخص بھی محققانہ نگاہ سے اس کتاب کو پڑھتا ہے وہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس میں خدا کے کلام کے ساتھ یہودی علماء کی تفسیریں، بنی اسرائیل کی قومی تاریخ، اسرائیلی فقہا کے قانونی اجتہادات اور دوسری بہت سی چیزیں خلط ملط ہو چکی ہیں جنہیں الگ کر کے کلام الٰہی کو چھانٹ نکالنا بیحد مشکل کام ہے۔

تورات کے جو احکامات حضرت موسیٰ پر چالیس سال میں نازل ہوئے ان میں سے دس (Ten Commandments) تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دیئے تھے۔ باقی ماندہ احکام حضرت موسیٰ نے لکھوا کر ان کی بارہ نقول، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دے دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالہ کی تھی تا کہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اسی کتاب کا نام تورات تھا۔ یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی کے وقت تک محفوظ تھی۔ اس کی ایک نقل جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی، پتھر کی لوحوں سمیت 'عہد' کے صندوق میں رکھ دی گئی تھی اور بنی اسرائیل اسی کو توریت کے نام سے جانتے تھے۔ اس سے ان کی غفلت اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ 'یوسیاہ' کے عہد میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اتفاق سے اس کے سجادہ نشین اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا (سردار کاہن) کو ایک جگہ توریت رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے اسے ایک عجوبے کی طرح شاہی منشی کے سامنے پیش کیا جس نے اسے فوراً لے جا کر بادشاہ کے حضور اس طرح رکھ دیا جیسے ایک عجیب انکشاف ہو گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر نے تورات کے وہ اصل نسخے جو ان کے ہاں طاق نسیاں میں رکھے ہوئے تھے اور بہت تھوڑی مقدار میں تھے ہمیشہ کے لیے غائب کر دیئے۔ پھر جب حضرت عزیز (عزرا کاہن) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کھچے لوگ بابل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزرا نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جو اب بائبل کی پہلی 17 کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس تاریخ کے چار ابواب یعنی خروج (Exodus)، احبار (Priestly Code)، گنتی (Numbers) اور استثناء (Dentronomic Code)، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں۔ اس سیرت ہی میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دی گئی ہیں جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہو سکیں۔

پس تورات ان منتشر اجزا ہی کا نام ہے جو سیرت موسیٰ کے اندر بکھرے ہوئے ہیں۔ اب

انہیں صرف اس علامت سے پہچانا جاسکتا ہے کہ اس تاریخی بیان کے دوران جہاں کہیں سیرت موسیٰ کا مصنف کہتا ہے ''خدا نے موسیٰ سے فرمایا'' ''یا موسیٰ نے کہا خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے'' وہاں سے تورات کا ایک جزو شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہوتی ہے۔ وہاں وہ جزو ختم ہوجاتا ہے۔ بیچ میں جہاں کہیں کوئی چیز بائبل کے مصنف نے بطور تفسیر وتشریح بڑھا دی ہے وہاں ایک عام آدمی کے لیے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل تورات کا حصہ ہے یا شرح وتفسیر ہے۔ یہی تحریف شدہ تورات یہودیت کا ماخذ (Source) بنی ہے۔ مگر عبرت ناک امر یہ ہے کہ جس شکل میں یہودی تورات کو مانتے تھے اس شکل میں بھی وہ نہ تو اس اقامت کے لیے کوشاں تھے اور نہ دیانت داری سے اس میں درج شدہ احکامات ہی کی تبلیغ وتعمیل کرتے تھے۔ اسی لیے قرآن کریم نے اعتراض کیا تھا — لستم علیٰ شیء حتی تقیموا التوراۃ

دوسرا باب

یہودیوں کا حضرت عیسیٰؑ سے سلوک

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کئی معجزات لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ پہلا معجزہ ان کی ولادت اور دوسرا گہوارے میں کلام کرنا تھا۔ یہ معجزات بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان کے لیے سخت آزمائش تھے۔ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۵۰ میں آیا ہے۔

"اور ابن مریم اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشان بنایا اور ان کو ایک سطح مرتفع پر رکھا جو اطمینان کی جگہ تھی اور اس میں چشمے جاری تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ابن مریم اور اس کی ماں کو دو نشانیاں بنایا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ دونوں مل کر ایک نشانی بنائے گئے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ بغیر باپ کے ابن مریم کا پیدا ہونا اور مرد کی صحبت کے بغیر حضرت مریمؑ کا حاملہ ہونا ہی وہ چیز ہے جو دونوں کو ایک نشانی بناتی ہے۔

پھر جب وہ نوزائیدہ بچے کو لیے ہوئے قوم کے پاس آئیں تو اپنے پرائے سب کے لیے شدید حیرت و استعجاب کا معاملہ تھا۔ انہیں سوالات کی ایک بوچھاڑ سے سابقہ پڑا، انہیں یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس خطرناک آزمائش میں انہیں ڈالا ہے اس سے کس طرح بخیریت عہدہ برآ ہوں۔ حمل کو تو اب تک انہوں نے کسی نہ کسی طرح چھپالیا، اب اس بچے کو کہاں لے جائیں۔ اس کیفیت کو قرآن مجید کی سورہ مریم کی آیت ۲۸ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"پس جب وہ بچے کو گود میں لیے ہوئے قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے پوچھا "اے مریم یہ چیز کہاں سے لے آئی؟ اے ہارون کی بہن، نہ تو تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں کوئی بدکارہ عورت تھی۔"

اس پر حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا، ہم اس سے کیا بات کریں جو

گہوارے میں پڑا ہوا ہے ایک بچہ ہے" اس پر وہ بچہ بول اٹھا:

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت بنایا جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک زندہ رہوں ــــ اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا سلام ہے مجھ پر جب کہ میں پیدا ہوا اور جب کہ میں مروں اور جب کہ زندہ کرکے اٹھایا جاؤں۔" (سورۂ مریم آیات ... ۳۳)

یہ ہیں وہ معجزات جو شروع ہی میں حضرت عیسیٰؑ کی ذات میں بنی اسرائیل کے سامنے پیش کردیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کی مسلسل بدکرداریوں پر عبرت ناک سزا دینے سے پہلے ان پر حجت تمام کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر فرمائی کہ بنی ہارون کی ایک ایسی عابدہ اور زاہدہ لڑکی کو جو بیت المقدس میں معتکف اور حضرت زکریاؑ کے زیر تربیت تھی، دوشیزگی کی حالت میں حاملہ کردیا تاکہ وہ بچہ لیے ہوئے آئے تو ساری قوم میں ہیجان برپا ہو جائے اور لوگوں کی توجہات یکلخت اس پر مرکوز ہو جائیں۔ پھر اس تدبیر کے نتیجے میں جب ایک ہجوم حضرت مریم پر ٹوٹ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے سے کلام کرا دیا تاکہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر نبوت کے منصب پر فائز ہو تو قوم میں ہزاروں آدمی اس امر کی شہادت دینے والے موجود ہوں کہ اس کی شخصیت میں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں۔ اس پر بھی جب، یہ قوم اس کی نبوت کا انکار کرے اور اس کی پیروی کرنے کی بجائے اسے مجرم بنا کر صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے تو پھر اس کو ایسی عبرت ناک سزا دی جائے جو دنیا کی کسی قوم کو نہیں دی گئی۔

مزید معجزات

سورۂ آل عمران کی ۴۹ ویں آیت میں حضرت عیسیٰؑ کے دیگر معجزات کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

"اور جب وہ بحیثیت رسول، بنی اسرائیل کے پاس آیا تو (اس نے کہا) میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرکے رکھتے ہو۔

اس میں تمہارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔"

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس زمانے میں یہود کسی ایسے مسیح کی آمد کے منتظر تھے جو انہیں محکومی کی ذلت اور زوال سلطنت کے عذاب سے نجات دلا سکے۔ شیاطین و دشمنان دین کا قلع قمع کر کے بیت المقدس کو از سر نو آباد کر سکے اور دنیا میں بادشاہت کی بنیاد رکھ سکے۔ اس عرصہ میں ایران سے میل جول بڑھنے کی وجہ سے ان کے عقائد میں جہاں بعض دوسری بہت سی بنیادی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہاں سے انہیں یہ تاثر بھی ملا کہ نیکیوں کے خالق "یزدان" اور برائیوں کے خالق "اہرمن" کے مابین ازلی آویزش میں آخری فتح یزداں ہی کی ہوگی اور وہ اپنی فتح کا اعلان کرنے کے لیے ایک نمائندہ بھیجے گا جس کے ظہور کے وقت آسمان سے تارے گریں گے، قحط اور دوسری مصیبتیں نازل ہوں گی اور آخر یہ ساری دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس ایرانی عقیدے کے زیر اثر یہودیوں کو بھی اپنی تمنائیں پوری ہوتی ہوئی دکھائی دیں۔ ان کے نبیوں نے انہیں بشارت دی کہ "یہوا (خدا) ایک مسیحا نازل فرمائے گا، دنیا کی بادشاہت اسی کی ہوگی۔ اس کے آنے سے حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت بحال ہو جائے گی اور یروشلم خدا کا دارالحکومت بن جائے گا۔" (یرمیاہ۔ باب ۱۲، آیت ۵)

اس پیشگوئی کے باعث علم نجوم میں یہودیوں کی دلچسپی دوچند ہوگئی اور واقعہ یہ ہے کہ یہود آج بھی ایسے ہی کسی مسیح کی آمد کے منتظر ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ مسیح حضرت داؤد کے گھرانے میں پیدا ہوگا۔ انہیں یونانیوں کے پنجہ ستم سے رہائی دلائے گا۔ مردہ یہودیوں کو زندہ کرے گا اور انہیں شریک سلطنت بنائے گا۔ اس کی عظیم بادشاہت کے ڈنکے چہار سو بجیں گے۔ (اس کتاب کے آخری حصے میں دیئے گئے "پروٹوکولز" میں اس سلطنت کے لیے یہودیوں کی منصوبہ بندی اور اس "خواب کی تعبیر" کی دیگر تفصیلات دی جا رہی ہیں)۔

چنانچہ جب بھی ان میں کوئی سر برآوردہ یا جواں ہمت شخص پیدا ہوتا وہ اس سے فوراً امیدیں وابستہ کر لیتے تھے کہ شاید یہی "مسیحا" ہے۔ ادنیٰ اور غریب طبقے کے یہودی جو "صدوقی" کہلاتے تھے۔ اس قسم کی توقعات کے پیش نظر بار بار بغاوتیں کرتے اور یونانی حکمرانوں کے مظالم کا شکار ہوتے لیکن اعلیٰ طبقے کے باشعور یہود اس مسیح سے ایسا نبی لیتے تھے جو انہیں اس دور کی شیطنت اور استبداد سے نجات دلائے اور دنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دے۔

"بادشاہت" سے مراد آسمانی بادشاہت تھی اور یروشلم بھی یہودیہ والا نہ تھا بلکہ آسمانی شہر تھا۔ جو

ہیرے جواہرات وغیرہ سے مرصع تھا اور جس کی ندیوں میں آب حیات رواں تھا۔ اس کیفیت نے ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز کردی تھیں۔ پارسا قسم کے یہود شہروں سے نکل کر غاروں میں جا بیٹھے، رہبانیت کو شعار بنایا اور فاقوں اور دعاؤں سے مسیحا کی آمد کو "قریب تر" کرنے لگے۔

ہیکل سلیمانی میں مسیحؑ کی آمد

چنانچہ ان امیدوں اور تمناؤں سے پیدا شدہ حالات میں ایک دن ایک خوبصورت نوجوان آنکھوں میں حیرت انگیز چمک لیے، کاندھوں پر زلفیں پھیلائے جو اس کے روشن چہرے کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھیں، ہیکل سلیمانی میں داخل ہوا۔ دربار یہوا کی قدسی فضا اور نورانی ماحول میں، یہودی بنچوں پر بیٹھے سکے کھنکھنا رہے تھے، پیسے بٹور رہے تھے۔ "احاطہ حرم" میں لوگ بازار سجائے عبادت کی بجائے خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ یہ شور و غوغا اور منظر دیکھ کر، یہاں داخل ہونے والا سجیلا نوجوان مشتعل ہوگیا اور اس نے سارے بازار اور منڈی کا تختہ الٹ دیا۔ اس نے نہایت بلند اور بارعب آواز میں احبار کی ریاکاری اور فریسی فقیہوں کی ملمع سازی کے خلاف پر جوش تقریر کی۔ پاک بازوں نے سنا تو اس کے ساتھ ہولیے اور نعرے لگانے لگے ــــ داؤد بیٹا آگیا، داؤد بیٹا آگیا ہم اسی کے منتظر تھے۔"

(پھر اس نوجوان کے ہاتھوں کئی مریضوں کو شفا ہوئی، جذامیوں کا کوڑھ دور ہوا اور اس کے دست شفا سے کئی اندھوں کی بینائی لوٹ آئی۔ یہ خدا کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ جو موسوی شریعت کی تجدید کے لیے یروشلم میں وارد ہوئے لیکن وہ یہود تو یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ اس کی آمد سے انہیں دنیا جہاں کی بادشاہت مل جائے گی اور وہ ساری دنیا کا خون پئیں گے کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ ان کے گھر ہیرے جواہرات سے مزین ہوں گے، دوسروں کے بچے ان کے غلام اور ان کی بیویاں ان کی لونڈیاں بن جائیں گے جنہیں نچا نچا کر وہ عیش و مسرت حاصل کریں گے۔ حضرت مسیح کی تعلیمات سن کر نہ صرف ان کا جوش و خروش ٹھنڈا ہوگیا بلکہ مایوسی اور ناامیدی بھی چھا گئی۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو نبی ماننے سے صاف انکار کردیا اور کہا ــــ "عیسیٰ ناصری جلیل (گلیلی) کا باشندہ ہے، جلیل سے کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔" چنانچہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو تختہ مشق بنانا شروع کردیا اور ان کے ظلم کا ہاتھ اس وقت تک نہ رکا جب تک انہوں نے انہیں بزعم خود "مصلوب" نہ کردیا جس کی

تفصیل پچھلے صفحات میں آ چکی ہے۔

اس سے قبل یہودی علماء اور فریسیوں نے دیگر پیغمبروں کے ساتھ بھی انتہائی قابل اعتراض اور قابل ملامت رویہ اختیار کیا تھا۔ انہوں نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام پر کئی بہتان باندھے اور ان کی تقدیس وطہارت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ لیکن یہود نے جہاں اپنے نبیوں کی ذات اور شخصیات پر رکیک حملے روا رکھے۔ وہاں یہ تضاد بھی جائز رکھا کہ ان کے پیغامات اور ارشادات کو حتی المقدور محفوظ رکھا جن میں خود یہود کی اخلاقی پستی اور نبیوں کے درس ایمان کی عظمت واضح ہے۔ ہر نبی ان سے یہی کہتا ہوا گزر گیا کہ "خدا کی نافرمانی سے بچو، شرک و بدعت سے باز رہو، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو، ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، حق وانصاف کی راہ اختیار کرو، یتیموں اور بیواؤں سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرو۔"

یرمیاہ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"خدا تمہیں جس دن مصر سے بچا کر لایا تھا اس نے تمہیں بتوں کی پوجا، اوٹ پٹانگ چڑھاووں، مشرکانہ نذر و نیاز اور منتوں کی اجازت نہیں دی تھی۔"

جیسا کہ پچھلے باب میں گزر چکا ہے کہ یہود کے دل میں ایک بدنام اور خطرناک ترین ڈاکو برابا کے لیے ایک نرم گوشہ تو موجود تھا مگر خدا کے فرستادہ اس پیغمبر پیغام کے لیے ان کا دل پتھر سے بھی سخت ہو چکا تھا۔ چاروں مروجہ اناجیل مرقس، متی، لوقا اور یوحنا اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ حضرت مسیحؑ محض ایک دھرم کا پرچار کرنے نہیں اٹھے تھے بلکہ پورے نظام تمدن و سیاست کو بدل دینا، ان کا مشن تھا۔ اس میں رومی سلطنت، یہودی ریاست، فقیہوں اور فریسیوں کے اقتدار اور فی الجملہ تمام بندگان نفس و ہوائے نفس سے جنگ کا خطرہ تھا۔ اسی لیے وہ لوگوں کو کھلے الفاظ میں بتا دیتے تھے کہ جو کام میں کرنے جا رہا ہوں وہ نہایت خطرناک ہے اور میرے ساتھ اسی کو آنا چاہیے جو ان تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو۔ "اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے، اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔" (متی ۱۰-۱۴-۳۹)

"جو کوئی میرے پیچھے آنا چاہے وہ اپنی خودی (ذاتی اغراض اور خود پرستی) سے انکار کردے اور اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے ہو لے۔" (متی ۱۶-۲۴)

"تم میں سے جو کوئی اپنا سب کچھ ترک نہ کر دے وہ میرا شاگرد نہیں ہوسکتا۔"

(لوقا ۱۴-۲۶-۳۳)

یہودی علماء اور مشائخ پر تنقید

حضرت عیسیٰ نے یہودی علماء پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

"یہ فقیہ اور فریسی (Pharisees) حضرت موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔ وہ ایسے بھاری بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھ دیتے ہیں مگر خود اسے اٹھانے کے لیے انگلی بھی نہیں ہلانا چاہتے۔ وہ سب کام لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں۔ اپنے تعویذ بڑے بناتے ہیں، اپنی پوشاک چوڑی رکھتے ہیں اور ضیافتوں میں صدر نشینی کرتے اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں۔ بازاروں میں سلام کرانا اور آدمیوں سے ربی (Rabbi) کہلانا پسند کرتے ہیں۔"

پھر فرمایا:

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو، نہ خود داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لیے بحر و بر کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ تمہارا مرید بن چکتا ہے تو اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔"

"اے اندھے راہ بتانے والو! تم مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں مکاری و ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔" (متی، ۲۳:۲-۸)

اپنے دور کے حاملان شریعت کی چالبازیوں، شعبدہ کاریوں اور مکر و فریب کو خدا کا پیغمبر کیسے برداشت کرسکتا تھا، ان کو بے نقاب کرنا اور عامۃ الناس کو حقیقت حال سے باخبر کرنا، اس کے فرائض

منصبی کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ علم رکھنے کے باوجود بندگی نفس کی وجہ سے خود بھی گمراہ تھے اور عام لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے تھے اور رشد و ہدایت کے راستے میں رومی قیاصرہ سے بڑھ کر حائل تھے۔

سازش

یہودی علماء اور فریسیوں کے لیے آپؑ کی ذات ایک کھلا چیلنج بن گئی۔ وہ اپنے دوغلے کردار کے بے نقاب ہونے اور مکاریوں پر پڑے ہوئے پردوں کو اٹھتے ہوئے کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس آواز کو کیسے دبائیں؟ پس ایک منصوبہ تیار کیا گیا جس کے تحت انہوں نے اپنے شاگردوں کو ہیرودیوں (اس دور کی خفیہ پولیس کے اہلکاروں) کے ہمراہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس بھیجا، جنہوں نے آپؑ کے پاس پہنچ کر پوچھا۔ ''اے استاد! ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔ ہمیں بتا کہ کیا قیصر (Caesar) کو جزیہ دینا جائز ہے؟'' یسوعؑ ان کی شرارت کو فوراً سمجھ گئے اور کہا کہ اے مکارو! مجھے کیوں آزماتے ہو؟ جزیہ کا سکہ مجھے دکھاؤ۔ وہ دینار اس کے پاس لے آئے۔ اس نے ان سے کہا کہ اس پر یہ صورت اور نام کس کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قیصر کا۔ اس پر اس نے کہا۔ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو ادا کرو۔'' (متی: ۲۲: ۱۵-۲۱)

حکومت کے اہلکاروں کو ہمراہ لے کر جانے کا مقصد حضرت مسیحؑ کا قبل از وقت ریاستی حکمراں سے تصادم کرانا اور تحریک کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی حکومت کے زور سے اسے کچلوا ڈالنا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے جو ذو معنی بات کہی اس کو دو ہزار برس سے مسیحی اور غیر مسیحی سب اس معنی میں لے رہے ہیں کہ عبادت خدا کی کرو اور اطاعت حکومت وقت کی کرتے رہو۔ لیکن دراصل حضرت عیسیٰؑ نے نہ تو یہ فرمایا کہ قیصر کو ٹیکس ادا کرنا جائز ہے (کیونکہ ایسا کہنا ان کی دعوت کے خلاف تھا) اور نہ اسے ناجائز قرار دیا کیونکہ اس وقت تک ان کی تحریک اس مرحلے پر نہیں پہنچی تھی کہ ٹیکس روکنے کا حکم دے دیا جاتا۔ اس لیے انہوں نے یہ لطیف بات کہہ دی کہ قیصر کا نام اور اس کی صورت تو قیصر ہی کو واپس کر دو اور سونا جو خدا نے پیدا کیا ہے وہ خدا کی راہ میں صرف کرو۔

اس سازش کے ناکام ہو جانے کے بعد فریسیوں نے خود مسیحؑ کے حواریوں میں سے ایک (یہوداہ-Judas) کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ کسی ایسے موقع پر انہیں گرفتار کرائے

جب کہ عام بلوے یا ایجی ٹیشن کا خطرہ نہ ہو۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور یہوداہ (سکریوتی) نے مسیحؑ کو پکڑوا دیا۔

"پھر ان کی ساری جماعت اٹھ کر اسے رومی حاکم پیلاطس (پونیش پائلٹ) کے پاس لے گئی اور انہوں نے الزام لگانا شروع کیا کہ اسے ہم نے اپنی قوم کو بہکاتے، قیصر کو خراج دینے سے منع کرتے اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتے پایا ہے— پیلاطس نے ان کاہنوں اور عام لوگوں سے کہا کہ میں اس شخص کو قصوروار نہیں پاتا۔ مگر وہ اور بھی زور دے کر کہنے لگے کہ یہ تمام یہودیہ میں بلکہ گلیل سے لے کر اس جگہ تک لوگوں کو سکھا سکھا کر ابھارتا ہے— وہ چلا چلا کر اصرار کرتے رہے کہ اسے صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ بالآخر ان کا چلانا کارگر ہوا۔"

(لوقا۔۲۳:۱-۲۳)

رومی حکمران نے آپؑ کو کوڑے لگوا کر سپاہیوں کی حفاظت میں دے دیا کیونکہ اس کو آپ کی بے گناہی کا یقین تھا۔ سپاہی آپ کو پہاڑ (کالوری) پر لے گئے اور یہود نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ انجیل (یوحنا باب ۲۰ آیت ۲۳) کے مطابق "مسیحؑ باغبان کے روپ میں اپنی ایک مریدنی مریم گلدانی کو نظر آئے" جس سے پتہ چلتا ہے کہ سپاہیوں نے آپؑ کو چھوڑ دیا۔ خود حواری معترف ہیں کہ آپ گرفتاری کے بعد سجدے میں گر کر رات بھر دعا کرتے رہے۔ "میرے پروردگار مجھے صلیب کی (ملعونی) موت سے بچانا" یہ ایک جلیل القدر پیغمبر معصوم کی دعا تھی جو حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کے گھرانے کا نمائندہ تھا۔ اس کی التجا کو شرف قبولیت حاصل ہوا جس پر قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت 157 میں گواہی موجود ہے۔

"وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم."

(حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا، نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے معاملہ مشتبہ کر دیا گیا)۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں صلیب پر چڑھائے جانے سے پہلے ہی اٹھا لیا۔ ان کے مصلوب ہونے پر خود عیسائیوں میں کوئی ایک متفقہ قول نہیں ہے۔ بلکہ بیسیوں اقوال ہیں جن کی کثرت خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل حقیقت ان کے لیے بھی مشتبہ ہی رہی۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ صلیب پر جو شخص چڑھایا گیا وہ مسیح نہیں بلکہ انہی کا کوئی ہم شکل تھا جسے یہودی اور رومی سپاہی ذلت کے ساتھ

صلیب دے رہے تھے اور مسیح وہیں کھڑا ان کی حماقت پر ہنس رہا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ صلیب پر چڑھایا تو مسیح ہی کو گیا تھا مگر ان کی وفات صلیب پر نہیں ہوئی بلکہ اتارے جانے کے بعد ان میں جان تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ انہوں نے صلیب پر وفات پائی اور پھر جی اٹھے اور کم و بیش دس مرتبہ اپنے حواریوں سے ملے اور باتیں کیں۔ کوئی کہتا ہے کہ صلیب کی موت مسیح کے جسم انسانی پر واقع ہوئی اور وہ دفن ہوا مگر الوہیت کی روح جو اس میں تھی وہ اٹھالی گئی۔ کوئی کہتا ہے کہ مرنے کے بعد مسیح علیہ السلام جسم سمیت زندہ ہوئے اور جسم سمیت اٹھا لیے گئے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان لوگوں کے پاس حقیقت کا علم ہوتا تو اتنی مختلف باتیں ان میں مشہور نہ ہوتیں۔

اس باب میں ہمارے پیش نظر عیسائیت کی تصدیق یا تکذیب نہیں، ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان کے کس ''جرم'' کی سزا تھی۔ کیا آپؑ خدا کے فرستادہ نہ تھے؟ اور ان کا پیغام وحی الٰہی نہ تھا؟ علاوہ ازیں آپؑ نے علمائے یہود کی جن غلط کاریوں اور گمراہیوں کی نشاندہی کی کیا وہ صحیح نہ تھی؟

تیسرا باب

یہودیوں کا مسلمانوں سے سلوک

اس موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے پس منظر کا کچھ بیان ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے یہود قوم کو دیگر اقوام پر فضیلت دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اپنی جانوں کا سودا کریں، یعنی اس کی اطاعت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار رہیں۔ لیکن یہود نے اپنی ''جانوں کے سودے'' کی شق کو فراموش کر دیا۔ صرف فضیلت دیئے جانے کا وعدہ یاد رکھا اور اس ''فضیلت والے ذہن'' کے ساتھ انہوں نے ساری دنیا کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور یہ عقیدہ بنا لیا کہ یہود اور صرف یہود خدا کے برگزیدہ بندے ہیں، باقی تمام انسانیت ہیچ ہے۔ صرف یہی نہیں انہوں نے اپنی مرضی کا خدا ''یہوا'' تراشا جو محض الٰہی کا تھا، انہوں نے عہد عتیق (Old Testament) میں سے سودے کی شرط خارج کر کے ایک نئی تورات مرتب کی۔ اپنی مرضی کے مسیح کے نزول کے لیے خدا سے التجا کی اور جب وہ آ گیا تو اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اسے صلیب پر چڑھانے کے لیے بہتان طرازی کی اور یہاں تک کہ خود حواری بھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ پھر ان کے ساتھ وہ تعلیمات منسوب کر دیں جو حق و صداقت کے اساسی تصور ہی کے منافی تھیں۔ اس طرح دین عیسیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر قائم ہونے کی بجائے پال کے خیالات سے پھوٹا۔ پال جو آپؑ کی زندگی میں آپؑ کا دشمن تھا، آپ کے پیروؤں کے پیچھے تلوار لے کر پھرتا تھا لیکن آپؑ کے بعد آپ کے مذہب کا سب سے بڑا علمبردار بن گیا۔ اس کی ساری کارگزاری اس یہودی ذہن کی پیداوار تھی جس نے اپنے وطن، اپنے مذہب، اپنی قوم، یہاں تک کہ اپنے یروشلم کو تہس نہس کرا لیا۔ لیکن اس خیال باطل سے باز نہ آیا کہ دنیا پر بادشاہت کا حق اسے اور صرف اسے ہی حاصل ہے۔ اس کے لیے وہ جو بھی کرے جائز (Justified) ہے۔

ظہور اسلام کے زمانے تک یہود جو اقصائے عالم میں منتشر و آوارہ ہو چکے تھے سود در سود،

تجارت، بردہ فروشی اور اپنے سازشی کردار کے ذریعہ اپنی بستیاں جگہ بہ جگہ تعمیر کر چکے تھے اور ہر جگہ پر مقامی معیشت اور تجارت پر بھی چھا چکے تھے۔ وہ اپنے مفاد کے لیے دوسروں کو اندھیرے اور جہالت میں مبتلا رکھتے اور ان کی بے بسی محتاجی کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ مقامی بدوؤں اور قریش عرب سے وہ اپنے اس رشتے کا اکثر اظہار کرتے جو اولاد ابراہیمؑ ہونے کے باعث قائم تھا۔

(یہود، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؓ کے صاحبزادے حضرت اسحاقؑ کی اولاد سے تھے جب کہ قریش حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؓ کی اولاد میں سے تھے۔ یہود کے ذہن میں اپنی برتری کا خناس چونکہ موجود تھا۔ اس لیے انہوں نے اس کے اظہار کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کو تو حضرت اسحاقؑ سے منسوب کر لیا لیکن تعمیر بیت اللہ جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے ہاتھوں انجام پائی تھی اس کا انکار ان کے لیے ممکن نہ ہوسکا۔ اس لیے انہوں نے اس کا احترام نہ کرنے کی ٹھان لی۔ حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ ہاجرہؓ کے بارے میں انہوں نے یہ داستان گھڑ لی کہ وہ حضرت ابراہیم کی بیوی نہیں بلکہ لونڈی تھیں، جنہیں بقول ان کے وہ اپنی بیوی سارہؓ کے ایماء پر بیٹے (حضرت اسماعیلؑ) سمیت بے آب و گیاہ ریگستان میں مرنے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ یہ داستان ان جعلی روایات کا حصہ ہے جو یہودیوں نے اپنی مخصوص ذہنیت کے تحت اپنی الہامی کتابوں میں اضافوں کے ذریعے شامل کی تھیں۔ حالانکہ مسئلہ وراثت کی رو سے اس زمانے کے رواج میں لونڈی اور اس کی اولاد وراثت میں سے کوئی حق نہ پاتی تھی جو خود اس دلیل کا جواب ہے۔ بالفرض حضرت ہاجرہؓ لونڈی ہی ہوتیں تو ان سے ''نجات'' پانے کے لیے حضرت سارہؓ کو اتنا تردد کرنے کی کیوں ضرورت پڑتی۔ ان لوگوں نے یہی کچھ نہیں کیا بلکہ حضرت ابراہیم کے بارے میں ان کی کتابوں میں اور بھی جو کچھ درج ہے وہ اتنا شرمناک ہے کہ اس کا تصور بھی اس برگزیدہ نبی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن پاک نے انہیں ان تہمتوں سے پاک کیا اور مینار نور قرار دیا ہے۔)

اصل بات یہ تھی کہ یہود تورات کی ان آیات کی رو سے جو انہوں نے مخصوص مقصد کے تحت حذف کر دی تھیں، جانتے تھے کہ نبی آخر الزماں کا اولاد اسماعیل سے ظہور ہوگا، جس کی پیش بندی کے لیے انہوں نے حضرت ہاجرہؓ پر بہتان باندھے اور حضرت اسحاقؑ کی حضرت اسماعیلؑ پر فضیلت و برتری قائم کرنے کی کوشش کی۔ تاہم وہ قریش کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ماننے اور حضرت اسماعیلؑ کے حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا ہونے سے انکاری نہ تھے۔ چنانچہ وہ قریش سے ایک خاص تعلق رکھتے تھے۔

علاوہ ازیں جس مسیح کے ظہور کا وقت اب آ پہنچا تھا، اس کی آمد کی خبر بھی انہوں نے ہی اپنے گرد و پیش میں پہنچا رکھی تھی۔

یہودیوں کے ستارہ شناس اور احبار آنحضرت کی ولادت کے زمانے میں بالخصوص منتظر تھے کہ اس ذات اطہر کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس سلسلے میں توراۃ اور انجیل میں واضح نشانیاں آ چکی تھیں۔ چنانچہ جب آپ کا ظہور ہوا اور آپؐ نے اپنی شان پیغمبری کے ساتھ توحید کی طرف دعوت دی تو یہود و نصاریٰ دونوں نے آپ کے پیغام پر توجہ نہ دی اور اپنی مرضی کا "مسیح" مانگتے رہے۔

آنحضرتؐ کی بعثت کی اولین تائید مکہ کے مشہور راہب ورقہ بن نوفل نے کی تھی۔ غار حرا میں پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جب آپ جلال الٰہی کے اثرات سے گھبرا کر اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا تو وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عبرانی زبان جانتے تھے اور توریت و انجیل کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ سے قریبی رشتہ داری کے باعث وہ آپ کے بارے میں کچھ کچھ باتیں پہلے ہی جانتے تھے، اب جو آپؐ کی زبانی انہوں نے اس واقعہ کی تفصیل سنی تو کہا۔ "ہاں یہی وہ فرشتہ (ناموس) ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اترا تھا۔"

آنحضرتؐ کی ذات میں چند ایسے آثار کی نشاندہی، بحیرا نامی راہب نے بصریٰ کے مقام پر اس وقت کر دی تھی جب آپ دس بارہ سال کی عمر میں پہلی بار اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کے تجارتی سفر پر گئے تھے۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث کے مطابق آپؐ جب اس راہب کی خانقاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تو اس کی تمام شاخیں جھک آئیں، بحیرا نے جونہی یہ منظر دیکھا تو آپ کے قریب آیا، آپ سے چند باتیں پوچھیں اور آپ کے مقام نبوت پر فائز کئے جانے پر اپنے یقین کا اظہار کر دیا، ساتھ ہی اس نے آپ کے چچا کو اپنے اس خدشے سے بھی مطلع کر دیا کہ یہودیوں کو عربوں میں آپؐ کے مبعوث ہونے کا پتہ چل گیا تو وہ آپ کو ختم کر دیں گے۔ چنانچہ ابو طالب اپنا سارا تجارتی سامان وہیں اونے پونے فروخت کر کے واپس مکہ چلے گئے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود سے بار بار خطاب کر کے انہیں اپنے حسانات اور اس عہد نامہ (Covenant) کی شرائط یاد دلائیں اور اتباع رسول کا حکم دیا۔ (سورۃ الاعراف آیت: ۱۵۷، سورۂ آل عمران کی آیت: ۷۵، سورۃ البقرۃ آیت: ۴۰ اور سورۃ الاعراف کی آیت: ۱۶۷) مؤخر الذکر آیت میں فرمایا

گیا:

''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کردیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب میں مبتلا کریں گے۔ یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں بہت تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر کرنے اور رحم کرنے سے بھی کام لینے والا ہے۔''

لیکن یہود نے حضرت محمدﷺ سے وہی رویہ اختیار کیے رکھا جو انہوں نے اپنی کتب مقدسہ سے کیا تھا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی تاریخ کو امت رسول کے لیے آگاہی اور عبرت کے طور پر بھی پیش کیا۔ سورۂ یوسف میں فرمایا گیا ہے کہ یہ قوم سیرت یوسف کے حامل حق پرستوں کے ساتھ وہی سلوک کرنے والی ہے جو اس نے اپنے پیغمبر بھائی کے ساتھ روا رکھا تھا اور اسلام کے احسانات کا بدلہ بھی اسی بے وفائی تنگ نظری اور جہالت کے ساتھ ادا کرنے والی ہے جس کا ارتکاب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شفقت وعنایات کے جواب میں کیا تھا۔

قرآن مجید میں سورۂ بنی اسرائیل (آیات ۴ تا ۸) کی ذہنیت کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر متنبہ کردیا تھا کہ تم دومرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کرو گے۔ آخرکار جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع آیا تو اے بنی اسرائیل! ہم تمہارے مقابلے پر ایسے بندوں کو لے آئے جو نہایت زور آور تھے اور وہ ہر طرف سے تمہارے ملک پر چھا گئے۔ یہ ہمارا وعدہ تھا جو پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔ اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے امداد دی اور تمہاری تعداد بھی پہلے سے بڑھا دی۔ دیکھو! تم نے بھلائی کی تو وہ تمہارے اپنے لیے ہی بھلائی تھی اور برائی کی تو وہ تمہاری اپنی ذات کے لیے برائی ثابت ہوئی۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کردیا تا کہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ کر رکھ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں گھس جائیں جس طرح پہلے گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے گا اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیں۔ ہوسکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے لیکن اگر تم نے پھر اپنے سابق طرزِ عمل کا اعادہ کیا تو ہم بھی اپنی سزا اور عتاب کا اعادہ کریں

گے۔ کفران نعمت کرنے والوں کے لیے ہم نے جہنم کا قید خانہ تیار کر رکھا ہے۔''

حضرت محمد ﷺ کو یہودیوں سے پہلا سابقہ ہجرت کے بعد پڑا۔ مدینہ کے نواح میں یہودیوں کی متعدد بستیاں تھیں جو قلعوں کی صورت میں تعمیر ہوئی تھیں۔ تجارت، سود اور طب پر وہ چھائے ہوئے تھے۔ وہ بھاری شرح سود پر لوگوں کو قرضے دیتے اور اس کی واپسی کے لیے مقروض کی کھال تک کھینچ لیتے تھے۔ اپنی فطری شرانگیزی کے بل بوتے پر وہ مقامی لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالتے، انہیں خوب لڑاتے اور اپنے خفیہ ایجنڈے کی تکمیل کرتے رہتے۔

جب اسلام نے اہل یثرب کے دلوں کو منور کیا، ان کی دیرینہ رنجشیں اور انتقام در انتقام کے سلسلے کو ختم کرا دیا تو یہود کو اپنی سازشوں کے جال ٹوٹتے دکھائی دینے لگے۔ اہل مدینہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور صرف دو سال قبل جنگ بعاث میں ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کا عہد کر چکے تھے، اسلام کی بدولت آپس میں شیر و شکر ہو گئے اور ایک دوسرے کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ اس صورت حال پر یہودی بیحد پریشان ہو گئے۔ کیونکہ ان کے لڑنے بھڑنے اور باہمی رنجشوں کے ساتھ یہودیوں کا مفاد وابستہ آ رہا تھا۔ اسلام چونکہ امن و سلامتی کا علمبردار ہے اور انسانوں کو اپنی صلاحیتیں مثبت و تعمیری کاموں پر صرف کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس لیے حضرت محمد ﷺ نے مدینہ میں آ کر یہود کو بھی امن و سلامتی کے راستے پر لانے کی کوشش فرمائی۔ آپؐ نے ان کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کو واضح خطوط پر منضبط کرنے کے لیے مسلمانوں اور یہود کا مشترکہ اجلاس طلب کر کے حسب ذیل معاہدہ طے کرایا۔ جس کو دونوں فریقوں نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ سنہ 1 ہجری میں ہوا تھا، اس کی سات شقیں تھیں۔

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا ہے، اب بھی جاری رہے گا۔

۲۔ یہود کو مکمل مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور ان کے مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں ہو گی۔

۳۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔ مدینہ کے اندر کشت و خون سب قوموں پر حرام ہو گا۔

۴۔ اگر دونوں فریقوں میں سے کسی ایک پر کوئی بیرونی قوت حملہ کر دے تو دونوں فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

۵۔ اگر دشمن سے جنگ چھڑ جائے تو یہودی بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگی اخراجات برداشت کریں گے۔

۶- یہودیوں کی دوست قوموں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہودیوں کے ہیں۔
۷- اگر دونوں فریقوں کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔

اس معاہدے پر رفتہ رفتہ بنونضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع نے بھی دستخط کر دیئے کیونکہ سب کو اس کے اندر اپنی سلامتی اور فلاح و بہبود دکھائی دے رہی تھی۔ اس طرح ایک مشترک معاشرہ قائم ہو گیا۔ یہود بظاہر تو اس معاہدے سے مطمئن نظر آ رہے تھے لیکن اندر سے ان کا خون کھول رہا تھا۔ جنگ بدر سے قبل کے واقعات اور مشرکین مکہ کے منصوبوں (جن کی وہ خاص سن گن رکھتے تھے) سے انہیں امید لگ گئی تھی کہ مسلمان زیادہ دیر نہیں جئیں گے۔ ان کا خاتمہ ہوا یا کمزور پڑ گئے تو اسلام اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔ اس کے لیے قریش کے ساتھ ان کا خفیہ نامہ و پیام جاری رہا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے ساتھ بھی ان کی در پردہ ساز باز تھی۔

جنگ بدر کا جب نتیجہ ان کی توقعات اور خواہشات کے برعکس نکلا تو ان کے دلوں پر غم کے بادل چھا گئے۔ آتش حسد اور دلوں میں چھپی ہوئی دشمنی سامنے آئے بغیر نہ رہ سکی۔ انہوں نے تو مسلمانوں کو چند دن کے مہمان سمجھ کر معاہدے پر وقتی طور پر دستخط کئے تھے۔ مگر اس فتح کی بدولت مسلمان اب صرف ایک مذہب کے پیروکار ہی نہیں بلکہ ایک مستقل قوت بنتے دکھائی دینے لگے اور یہ معاہدہ ان کی تقویت کا باعث بنتا محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک سوچے سمجھے انداز میں اس کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں۔

کہتے ہیں یہودی سردار کعب بن اشرف نے جب فتح بدر کی خبر سنی تو چیخ اٹھا:

''آج زمین کا پیٹ ہمارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔''

وہ چند لوگوں کو ساتھ لے کر مکہ جا پہنچا اور انہیں جوش دلانے اور مسلمانوں سے شکست کا بدلہ لینے کی تلقین کرنے لگا۔ اس دورے میں اس نے اپنی شاعری کا ہتھیار بھی خوب استعمال کیا۔ اس کے ایک مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

بدر کی چکی نے تمہارے جوانوں کا خون پیس ڈالا
بدر کے واقعات پر خوب روؤ، چیخو اور خون بہاؤ
تمہارے جوانوں کی گردنیں کٹ کٹ کر گرتی رہیں

حیران مت ہو کہ تمہارے شہزادوں کی لاشیں بدر میں پڑی ہیں
کیسے کیسے حسین، جری، شجیع جوان تھے وہ
جو بھوکے، بے گھر لوگوں کی پناہ گاہ تھے، کٹ مرے
اے کاش جب وہ قتل ہوئے زمیں پھٹ جاتی اور اپنے بچوں کو
نگل جاتی
اور وہ جو اس خبر کو پھیلانے آئے تھے نیزوں پر چڑھائے جاتے

معاہدے سے انحراف کے لیے انہوں نے ایک نہایت قبیح راستہ اختیار کیا۔ جس میں بنی قینقاع کے اوباش پیش پیش تھے۔ اور وہ یہ تھا کہ انہوں نے مسلمان خواتین کو چھیڑنا اور ان پر فقرے چست کرنا شروع کردیئے۔ اسی قبیلے کے ایک یہودی نے ایک بار ایک مسلمان عورت کو چھیڑا تو ایک غیرت مند مسلمان نے جو اس طرف سے گزر رہا تھا، اسے دیکھ لیا اور موقع پر اسے ہلاک کردیا۔ یہودیوں نے انتقاماً اسے شہید کردیا۔ حضورؐ نے معاہدے کے تحت خون بہا مانگا تو وہ اکڑ گئے۔ ان کا سردار بولا— ''خبردار! ہمیں قریش نہ سمجھنا۔ ہم لڑنے مرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے مقابلے میں آؤ گے تو پتہ چلے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ کو ان کی اس مجرمانہ روش پر مسلمانوں پر یہ ہدایت نازل فرمائی:

''ان لوگوں سے جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا، پھر وہ ہر موقع پر اسے توڑتے ہیں اور وہ ذرہ بھر خدا کا خوف نہیں کرتے۔ پس یہ لوگ اگر تمہیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد دوسرے لوگ جو ایسی روش اختیار کرنے والے ہیں ان کے حواس گم ہو جائیں۔''

(سورۃ الانفال۔ آیات ۵۶-۵۷)

یہ حکم ملتے ہی مسلمان حرکت میں آگئے۔ یہودی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے محاصرہ کر کے ۱۵ دن میں انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا اور جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ چنانچہ سنہ ۲ ہجری میں وہ اپنی جائیداد، باغات اور زمینیں چھوڑ کر شام کے علاقے میں چلے گئے۔

اس عرصہ میں بنو نضیر جو کفار مکہ کو غزوۂ بدر کے نقصانات کے انتقام پر مسلسل اکساتے رہے بالآخر جنگ احد کا واقعہ پیش آگیا۔ معاہدے کی رو سے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند تھے۔ اس سے نہ صرف انہوں نے پہلوتہی کی بلکہ مسلمانوں پر حملہ بھی کردیا۔ حضورؐ نے ان سے خون بہا طلب کیا

اور اس مقصد کے لیے بنونضیر کی بستی میں تشریف لے گئے۔ ایک روز آپؐ، ابوبکر صدیقؓ، اور عمرؓ ایک دیوار کے سایہ میں تشریف فرما تھے کہ یہود نے دیوار گرا کر آپ تینوں کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے مکروہ ارادے سے فوراً مطلع فرما دیا آپ وہاں سے اٹھ چکے تھے۔ آپ نے واپس مدینہ پہنچ کر انہیں خط لکھا کہ یا تو معاہدے کی تجدید کریں اور اس پر کاربند رہنے کا یقین دلائیں ورنہ مدینہ سے نکل جائیں۔

یہود نے یہ مطالبہ نہ مانا تو آپؐ نے ان کے خلاف لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ بنونضیر قلعہ بند ہولر بیٹھ گئے اور قریش مکہ کی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ جو دو ہفتے گزر جانے کے باوجود نہ پہنچ سکی۔ قریش نے معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے کی عادی اس قوم کو حسب وعدہ دو ہزار سواروں کی کمک نہ پہنچائی تو اسے شدید صدمہ پہنچا اور سخت مایوس ہو گئے۔ بالآخر وہ اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر تیار ہوئے کہ انہیں قتل کرنے کی بجائے جلاوطنی کی سزا دی جائے۔ آنحضرتؐ نے نہ صرف ان کی شرط کو قبول فرمایا بلکہ انہیں یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ جتنا مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔ چنانچہ ان میں سے اکثر مدینہ سے ۹۰ میل شمال خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

اب یہود کا صرف ایک قبیلہ بنوقریظہ رہ گیا تھا جو مدینہ کے نواح میں آباد تھا اور اپنے دیگر قبائل کا انجام دیکھ کر کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ حضور ﷺ بھی اس کے عزائم سے بے خبر نہ تھے۔ آپؐ نے ان پر نگرانی کے لیے دو سو جانباز مقرر کر رکھے تھے۔ دوسری جانب یہودانِ خیبر نے کفار مکہ سے مسلسل رابطہ رکھا اور انہیں مدینہ پر بڑی فوج کے ساتھ حملے پر آمادہ کرتے رہے، ان کی ناپاک مساعی کے نتیجے میں سنہ ۵ ہجری میں دس ہزار مسلح فوج مدینہ پر حملہ آور ہوگئی۔ آپؐ نے شہر کے اس حصے کے گرد خندق کھدوا دی جو غیر محفوظ تھا۔ اس فوج نے بیس روز تک مدینے کا محاصرہ جاری رکھا۔ ایک دن کفار نے مسلمانوں پر پتھروں کی بارش کر دی مسلمان ان کا جواب دینے میں مصروف تھے کہ یہود بنوقریظہ نے صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور اس قطعہ پر حملہ کر دیا جہاں خواتین جمع تھیں لیکن مسلمان عورتوں نے زبردست جرأت و بہادری کا مظاہرہ کر کے انہیں مار بھگایا۔ اس کے بعد کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ پھر حالات نے پلٹا کھایا یہود اور قریش کی آپس میں ٹھن گئی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت فرمائی۔ ایک رات ایسا سرد طوفان آیا کہ قریش کے خیمے الٹ گئے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔ محاصرہ ختم ہو گیا۔

قریش کے پسپا ہو جانے کے بعد حضورؐ نے بنو قریظہ کو وعدہ خلافی اور غداری کی سزا دینے کے لیے حملے کا حکم دے دیا۔ ان کا محاصرہ کیے ہوئے پندرہ روز ہو چکے تھے کہ انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کر دی کہ ان کی سزا کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ کریں جن کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات بھی تھے اور جو قبیلہ اوس کے سردار ہونے کے سبب ان کے نزدیک بہت محترم تھے۔ یہود کا خیال تھا کہ حضرت سعد دیرینہ مراسم کی بنا پر ان کے ساتھ حضور اکرمؐ کی بہ نسبت زیادہ نرمی سے پیش آئیں گے لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ جنگ خندق میں سعد شدید زخمی ہو چکے ہیں اور انہیں یہود کی غداری کا سخت ملال بھی تھا۔

اس کے باوجود حضرت سعد نے بڑی بردباری کے ساتھ یہود سے پوچھا کہ ''فیصلہ تمہاری کتاب کے مطابق کیا جائے یا ہماری کتاب (قرآن) کے مطابق؟''

انہوں نے اصرار کیا کہ ''ہماری کتاب کے مطابق فیصلہ صادر کیجئے۔''

چونکہ تورات کے حصہ ''استثناء'' میں گرفتار شدہ دشمن کو قتل کرنے کا حکم لکھا ہوا ہے اس پر حضرت سعدؓ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ ''یہود کے لڑنے کے قابل تمام مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔'' چنانچہ حضرت سعدؓ اس فیصلے کے دوسرے دن ہی شہید ہو گئے لیکن ان کے فیصلے کے مطابق تقریباً چھ سو یہودیوں کو قتل کر دیا گیا اور اس طرح بنو قریظہ کا قضیہ بھی صاف ہو گیا۔

اب مدینہ کے گرد و نواح میں کوئی یہودی بستی باقی نہ رہی۔ لیکن خیبر کے یہود غزوہ خندق اور اس کے مابعد کے واقعات سے آگ بگولا ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا وہ یہ کہ اپنی دولت اور طاقت کا لالچ دے کر قریش کو ایک بار پھر آنحضرت صلعم کے خلاف اشتعال دلائیں اور فیصلہ کن جنگ لڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ آپؐ ان کی نیت سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ دونوں کے گٹھ جوڑ کو ناکام بنانے کے لیے آپ نے قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کر لیا جس کی رو سے دس سال تک قریش نے مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ لڑنے کا عہد کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلح نامے کو جو فتح مبین قرار دیا تھا اس میں ایک پوشیدہ حکمت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کو قریش نے ایک مستقل قوم کی حیثیت سے پہلی بار تسلیم کیا تھا اس طرح وہ یہود کی سازش سے تحریری طور پر الگ ہو گئے تھے۔

صلح حدیبیہ سے واپسی پر ۲۰ روزہ مدینہ میں قیام کے بعد آپؐ اپنے ان صحابہ کے ہمراہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے جنہوں نے صلح حدیبیہ میں حصہ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جیش اسلام کے ہاتھوں

میں پرچم تھے۔ ان میں سے ایک پرچم حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اوڑھنی کا بنایا گیا تھا۔ جسے حضرت علیؓ نے اٹھایا ہوا تھا۔ یہود خیبر اس فوج کے پہنچنے سے پہلے خبردار ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے قلعے محفوظ کر لیے اور جنگ کی تیاری مکمل کر لی۔ یہاں ان کے سات قلعے تھے۔ پہلا قلعہ قائم جب فتح ہو گیا تو سب دوسرے مضبوط قلعے قموص میں جمع ہو گئے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو ہراول دستے کا پرچم دے کر ان کی کامیابی کے لیے دعا فرمائی۔ حضرت علیؓ نے قموص کے یہودی پہلوان مرحب کو قتل کر دیا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس طرح یہ مہم بھی کامیاب ہو گئی۔ قموص کی فتح کے ساتھ ہی یہود کی کمر ٹوٹ گئی اور یکے بعد دیگرے تمام قلعے فتح ہوتے چلے گئے۔

حضور ﷺ کو زہر دے دیا گیا

اس موقع پر ایک یہودی عورت زینب بنت الحرث نے حضور ﷺ کو دعوت دی جسے آپؐ نے منظور فرما لیا۔ اس نے ایک دنبہ ذبح کیا اور اسے بھوننے سے پہلے اس نے حضور سے پوچھا — ''آپ کون سا حصہ پسند فرمائیں گے۔'' آپ نے جواب دیا ''مجھے بازو کا گوشت زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ اس نے سارے دنبے پر زہر چھڑکا اور بازو کو خصوصاً زہر آلود کیا۔ دستر خوان پر بیٹھنے کے بعد آپؐ نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا لیکن اسے نگلا نہ تھا کہ فرمایا— ''یہ ہڈی مجھ سے کہتی ہے کہ اسے زہر آلود کیا گیا ہے'' چنانچہ آپؐ نے اسے اگل دیا۔ حضرت بشر بن البرا نے آپ کے ساتھ ہی ایک نوالہ لیا تھا لیکن وہ اسے نگل گئے اور شہید ہو گئے۔

اپنی آخری علالت میں حضورؐ نے اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے فرمایا۔ میرے پاس ام بشرؓ آئی تھی اور میں نے اسے کہا تھا— ''اے ام بشر! مجھے اس گوشت کی وجہ سے جو میں نے خیبر میں چبایا تھا شدید درد لاحق ہے، اسی گوشت سے تیرا بھائی شہید ہوا تھا۔ چنانچہ اس روایت کے مطابق حضورؐ کا وصال اسی زہر سے ہوا تھا۔

خیبر کی ان شکستوں کے بعد یہودی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم آدھی بٹائی پر مسلمانوں کے لیے کھیتی باڑی کرنے کے لیے تیار ہیں، اس کے بدلے میں ہمیں خیبر ہی میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ آپؐ نے ان کے معاندانہ ماضی کے باوجود ان کی درخواست منظور کر لی۔ بظاہر انہوں نے پر امن شہری کے طور پر زندگی گزارنا شروع کر دی لیکن در پردہ وہ اپنے

مقاصد کی تکمیل میں مصروف رہے اور چھپ کردار کرنے کے مواقع سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

سبوتاژ کی کارروائیاں

عہد فاروقی میں جب مسلمان مجاہدین شام کی طرف جاتے تو راستہ میں خیبر بھی ایک پڑاؤ تھا۔ یہودی ان مواقع پر مجاہدین پر پانی بند کر دیتے، اور ان کے خیمے جلا دیتے۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے ان کو خیبر سے باہر نکال دیا جس سے شام کا راستہ محفوظ ہوگیا۔ دور فاروقی میں وہ دبک کر بیٹھے رہے لیکن اندر سے پیچ و تاب کھاتے رہے اور ایسی سازشوں میں مصروف رہے جن سے مسلمانوں میں انتشار اور بے چینی پیدا ہوتی رہی۔

دور حاضر کے دو ممتاز عرب مصنفین محمد حسین ہیکل اور عباس محمود العقاد کی یہ متفقہ رائے ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کی سازش میں کعب الاحبار نامی یہودی نے اہم رول ادا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ کی وفات سے تین روز قبل ان کی شہادت کی پیشگوئی کردی تھی۔ اتنے تیقن کے ساتھ پیشگوئی کرنا جو کہ پوری بھی ہوگئی، خالی از علت نہ تھا۔ انہوں نے کہنے کو تو اسلام قبول کرلیا تھا لیکن عہد رسالت میں نہیں۔ شاید حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا کیا ہو۔ کعب، اسرائیلیات کے مستند ترین راوی مانے جاتے تھے۔ تاہم ان کے علم کی وسعت اور ثقاہت کے بارے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اسی بنا پر حضرت معاویہؓ نے جب وہ والی شام تھے انہیں اپنے دربار میں جگہ دی اور مشیر سلطنت کے عہدے پر بھی فائز کیا۔ جب، حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کی پرزور حمایت کی اور انہی کے عہد خلافت میں بہ مقام حمص وفات پائی۔

اسی طرح حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان نفاق پیدا کرنے والوں میں ایسے یہودیوں کے نام آتے ہیں جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے اندر اپنی جگہ بنالی اور مختلف لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر سازشوں کے تانے بانے ملاتے چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد مسجد کوفہ کے اندر حضرت علیؓ بھی شہید ہوگئے۔ اس دور کی تاریخ میں عبداللہ بن سبا (جسے ابن السوداء، ابن حرب اور ابن وہب بھی کہا جاتا ہے) کا کئی تخریبی کاموں اور سازشوں میں ملوث ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ یمن کا یہودی تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے جلاوطن کر کے ساباط (مدائن) بھیج دیا تھا۔ جہاں اس نے

حضرت علیؓ کو خدا ماننے کا اعلان کر دیا۔ حضرت علیؓ کو اطلاع ملی تو آپؓ نے اسے گرفتار کرا کر زندہ جلوا دیا۔ (حوالہ کے لیے دیکھئے: الطبری، النوبختی، الملطی، الاشوی، البغدادی اور الشہرستانی)۔ اتنی کڑی سزا پانے سے قبل اس نے یہ لرزہ سرائی کی کہ یہ سزا، آپؓ کے خدا ہونے کا ایک اور ''ثبوت'' ہے کیونکہ آگ کا عذاب، خدا کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے یہ عقیدہ بھی پھیلانے کی کوشش کی کہ ''آنحضرت ﷺ عنقریب دوبارہ ظہور فرمائیں گے۔ حضرت علیؓ آپؐ کے حقیقی جانشین ہیں، حضرت عثمانؓ غاصب ہیں اور ان کے مقرر کردہ گورنر کافر ہیں' مرنے سے پہلے اس شخص نے اپنے بارے میں کہا— ''میری روح آسمان کو چھو کر لوٹے گی اور بادلوں میں دوبارہ نظر آئے گی اور ان کی گرج میں سنائی دے گی اور بجلیاں اس کا راستہ صاف کریں گی۔'' عبداللہ بن سبا کو بعض مصنفوں نے شیعی مسلک کا بانی قرار دیا ہے مگر شیعی مصنفین کے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے۔

مسلمانوں میں یہودیت کے اثرات کیسے پھیلے؟

یہودیوں کے مسلم معاشرے کے اندر نفوذ کی کئی وجوہ تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اہل عرب بالعموم ناخواندہ تھے۔ ان کے مقابلے میں یہودیوں میں ویسے بھی تعلیم کا بہت چرچا تھا لیکن انفرادی طور پر بھی ان میں ایسے ایسے جلیل القدر علماء پائے جاتے تھے جن کی شہرت عرب کے باہر تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے یہودیوں کا علمی رعب داب بہت زیادہ تھا۔ پھر ان کے علماء اور مشائخ نے اپنے مذہبی درباروں کی ظاہری شان جما کر اور اپنی جھاڑ پھونک، گنڈے تعویذوں جادو ٹونوں، کالاعلم، عملیات کی کاٹ پلٹ کے نام پر ایسے جال پھیلائے ہوئے تھے کہ عام سادہ لوگ ان سے بیحد مرعوب ہو چکے تھے۔ مدینہ کے آس پاس بڑے بڑے یہود قبائل آباد تھے، جن سے ان کا دن رات کا میل جول رہتا تھا۔ اس میل جول سے ان سے اسی طرح شدت کے ساتھ متاثر تھے جس طرح ایک ان پڑھ آبادی زیادہ تعلیم یافتہ، زیادہ متمدن اور زیادہ مذہبی تشخص رکھنے والے ہمسایوں سے متاثر ہوا کرتی ہے۔ ان حالات میں جب نبی ﷺ نے اپنی دعوت پیش کی اور لوگوں کو اپنی طرف بلانا شروع کیا تو یہ قدرتی بات تھی کہ ان پڑھ عرب اہل کتاب یہودیوں کے پاس جا کر پوچھتے کہ یہ صاحب جو ہمارے اندر نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں ان کے متعلق اور ان کی تعلیم کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ یہودی علماء ایسے مواقع کو اپنے لیے غنیمت جانتے لیکن بڑی ہوشیاری سے اپنی چال چلتے۔ ان

کے لیے یہ کہنا تو مشکل تھا کہ حضرت محمدؐ جو توحید پیش کر رہے ہیں غلط ہے یا انبیاء اور کتب آسمانی اور ملائکہ اور آخرت کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں کوئی غلطی ہے لیکن وہ صاف صاف اس حقیقت کا اعتراف کرنے کو بھی تیار نہ تھے کہ جو کچھ آپؐ پیش کر رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ وہ نہ سچائی کی کھلی کھلی تردید کر سکتے تھے۔ نہ سیدھی طرح اس سچائی کو مان لینے پر آمادہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے درمیانہ راستہ اختیار کیا کہ ہر سائل کے دل میں آپؐ کے خلاف، آپ کی جماعت کے خلاف اور آپ کے مشن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیتے تھے۔ کوئی الزام آپؐ پر چسپاں کر دیتے یا کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیتے جس سے لوگ شکوک وشبہات میں پڑ جاتے۔ ان کا یہی رویہ تھا جس کی بنا پر سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:

> ''حق پر باطل کے پردے نہ ڈالو، نہ جھوٹے پروپیگنڈے اور پُر شرارت شبہات واعتراضات سے حق کو چھپانے کی کوشش کرو اور حق و باطل کو خلط ملط کر کے دنیا کو دھوکہ نہ دو—''
>
> (آیت:۴۲)

یہود کی مسلم دشمنی کا ایک اور سبب بھی تھا۔ انہوں نے اسلام کو ابتداءً ایک نئے مذہب کے طور پر سمجھا ہی نہیں بلکہ وہ اسے اپنے انبیاء اور الہامی کتابوں کی روشنی میں اسی دین کی ایک کڑی سمجھتے رہے جسے حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہم السلام لے کر آئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قریش مکہ اور دیگر قبائل میں اس دین کی مقبولیت سے ان ہی کی فضیلت مزید اجاگر ہوگی اور وہ اپنے مذہب کی مرکزیت کی وجہ سے اس شاخ کو بالآخر اپنے زیر اثر لے آئیں گے۔ انہیں اس معاملے کو سمجھنے میں وہی ٹھوکر لگی جو عیسائیت کی ترویج کے وقت انہیں لگی تھی۔ چونکہ وہ اپنی ذاتی عظمت برقرار رکھنے کے لیے اپنے دین کو زیادہ نہیں پھیلانا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کی خواہش تھی کہ دوسرے درجے کے ایسے مذاہب فروغ پائیں جن میں انہیں مرکزیت حاصل ہو۔ اس غلط فہمی کے تحت انہوں نے عیسائیت کو اپنا مخصوص رنگ دے کر عام کرنا چاہا لیکن جب وہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر قریہ قریہ پھیل چکی اور اسے رومن ایمپائر کی پشت پناہی بھی حاصل ہوگئی تو انہیں شدید دھچکا لگا اور ان کے خوابوں کا محل چکنا چور ہوگیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب اسلام کے بنیادی ارکان کی تبلیغ شروع کی تو وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اب انہیں دوسرے درجے کا مذہب اور قوم کی حیثیت ضرور حاصل ہوگی جو ان کے زیر سایہ چل کر کم از کم

''یہودیہ'' کو دوبارہ زیر کرنے کے لیے ان کا ساتھ دے گی۔ مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے سترہ ماہ تک چونکہ مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ہی نماز ادا کرتے رہے تو یہود نے برملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ رسولؐ بالآخر ہمارا ہی دین اختیار کریں گے اور ہماری ہی تقلید کر کے ہمیں تقویت پہنچائیں گے۔ لیکن جب تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوگئی تو انہیں ایک بار پھر شدید دھچکا لگا کہ اسلام نے ان سے جدا راستہ اختیار کرلیا ہے۔ اس پر انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ آنحضرتؐ نے (نعوذباللہ) تمام نبیوں کے قبلہ کو چھوڑ کر اللہ سے بغاوت کی ہے، کوئی سچا نبی اپنے پیش رووں کے قبلہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا یہ جواب دیا کہ — یہ نیا قبلہ نہیں یہ تو ابراہیمؑ کے وقت سے مقرر ہے اور ابراہیمؑ یہود اور نصاریٰ، دونوں کے پیشوا ہیں۔ ان کا مقرر کیا ہوا قبلہ دونوں کے لیے باعث احترام ہے۔

مسلم حکومتیں اور یہود کا رویہ

یہود کو ان کی بداعمالیوں کے باعث سرزمین عرب سے خارج کرنا تو ناگزیر ہو چکا تھا مگر مسلمان ان سے اہل کتاب ہونے اور ذمی ہونے کی وجہ سے حسن سلوک ہی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ چنانچہ جہاں جہاں تک اسلامی سلطنت پھیلتی چلی گئی وہ بھی آگے بڑھتے رہے۔ عربوں نے انہیں مصر، فلسطین، شام اور ایران کہیں سے بھی بے دخل نہ کیا۔ وہ بے خوف ہو کر کھیتی باڑی اور تجارت کرتے رہے۔ ان کے اسقف اعظم بابل، آرمینیا، ترکستان، ایران اور یمن میں اپنے اپنے علاقوں کے یہود کے لیے شہزادوں کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان اسلامی ممالک میں ان کے احترام میں مسلمانوں کا اٹھ کر سر جھکانا ایک معمول بن گیا تھا۔ اسقف اعظم کا عہدہ ایک ہی خاندان کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا۔ اس لیے اسے مذہبی وقار کے ساتھ سیاسی مقام بھی حاصل تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت سے انہیں ''عالی مرتبت'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ طارق بن زیادہ نے ۷۱۰ء عیسوی میں اندلس (اسپین) فتح کیا تو وہاں یہود مسلمانوں کے زیر سایہ پلنے اور پھلنے پھولنے لگے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کا زرین دور یہود کا بھی زرین دور تھا، ان کی مذہبی، سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے کے ہسپانوی حکمرانوں نے ان کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں کے باعث انہیں اس قدر کچل دیا تھا کہ انہیں ایک صدی تک سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی۔

لیکن مسلمانوں نے ایک بار پھر انہیں باعزت زندگی گزارنے کا موقع دے دیا، انہیں اعلیٰ سرکاری مناصب سونپے اور افواج میں بھی بھرتی کیا۔ یہاں تک وزیر اعظم کے عہدہ پر بھی فائز کر دیئے گئے۔ انہیں سفارتیں بھی دے دی گئیں۔ وہ تاجر بھی تھے، زمیندار بھی اور صنعت کار بھی۔ ان کی ہر ہر شہر اور ہر آبادی میں جداگانہ بستیاں تھیں جن پر قلعے ہونے کا گمان ہوتا۔ انہیں اپنی بستیوں میں اپنے تمام معاملات میں آزادی و خودمختاری حاصل تھی، ان کی سود خوری سے بھی مسلم حکومتیں کوئی تعرض نہ کرتی تھیں۔ ان بستیوں میں ان کو اپنے مقدمات کے فیصلے خود کرنے، یہاں تک کہ اپنے مجرموں کو پھانسی دینے کا بھی اختیار حاصل تھا۔

ان تمام سہولتوں اور مراعات کے باوجود یہود کی سرشت نہ بدلی۔ اپنے معاملات کو مخفی رکھنے کے لیے انہوں نے ایک قانون نافذ کیا جس کے تحت ان رازوں کے افشا کی سزا، موت تھی۔ انہیں یورپ کے ہر شہر اور قصبے میں آمد و رفت اور تجارتی روابط بڑھانے کی اجازت تھی لیکن وہ ان سہولتوں کو در پردہ اپنے آپ کو منظم کرنے کے لیے استعمال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اندلس میں بیرونی تجارت مکمل طور پر ان کے قبضے میں آگئی۔ انہیں بابل، بغداد، سکندریہ اور روم کے مذہبی مراکز کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا موقع بھی مل گیا اور قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ اور طنجہ وغیرہ میں ان کے مذہبی اسکول رائج ہو گئے جن میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادب، موسیقی، ریاضی، نجوم، طب اور فلسفہ بھی پڑھایا جاتا تھا۔ ان سہولتوں کے باعث ان میں بڑھتی ہوئی خود اعتمادی نے خودسری اور رعونت کی شکل اختیار کر لی۔ ہسپانیہ کے یہودی وزیر اعظم یوسف بن بحدلہ نے جس کا باپ سموئیل حلیوی بھی یہاں کا وزیر اعظم رہ چکا تھا۔ تمام شاہی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور یہاں تک سرکشی کا مظاہرہ کیا کہ اس نے قرآن مجید کی بے حرمتی کر ڈالی۔ اس پر عربوں اور بربروں نے باہمی اختلافات ختم کر کے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس بغاوت کو چونکہ ساری مسلم آبادی کی بھرپور حمایت حاصل تھی اس لیے انہیں کامیابی نصیب ہوئی۔ انہوں نے وزیر اعظم کو پھانسی پر لٹکایا اور غرناطہ کے چار ہزار یہودیوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ ان کے گھر بار اور تمام کاروبار کو تہس نہس کر دیا۔

۴۷۹ ہجری میں یوسف بن تاشفین نے الفانسو (Alfonso) کو شکست دینے کے بعد اندلس کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ایک مستحکم سلطنت قائم کر دی۔ انہی دنوں ایک عالم دین نے یہود کو یاد دلایا کہ ہجرت کے بعد تمہارے آباؤ اجداد نے حضرت محمد ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم مزید

پانچ سو سال تک مسیح کے نزول کا انتظار کریں گے، اگر وہ اس وقت تک نہ آئے تو ہم اسلام قبول کرلیں گے۔ اس حساب سے انہیں ۱۱۰۷ عیسوی میں مشرف بہ اسلام ہوجانا چاہیے تھا۔ چنانچہ اس تحقیق کی روشنی میں یوسف بن تاشفین نے ان سے مطالبہ کیا کہ تمام یہود ہسپانیہ فوراً مسلمان ہوجائیں۔ وہ نہ مانے اور جزیہ دے کر رہنا پسند کرلیا۔ مرابطین کے بعد ہسپانیہ پر موحدین برسراقتدار آئے تو انہوں نے یہود اور نصاریٰ دونوں کو اختیار دیا کہ وہ مسلم ریاست میں آزادانہ اور دوسروں کے ساتھ مساوی سہولتوں کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اسلام قبول کرنا ہوگا ورنہ ریاست سے نکل جائیں۔ بہت سے یہودیوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور جو ایسا نہ کرسکے وہ عیسائیوں کے ساتھ شمالی اسپین چلے گئے۔ اس طرح مسلم اسپین یہودیوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہوگیا۔

شمالی اسپین میں یہودیوں کو عیسائیوں کے مساوی حقوق ملے تو انہوں نے یہاں بھی اپنی ریشہ دوانیاں اور سازشیں شروع کردیں۔ یہاں الفانسو کی حکومت تھی جس نے یہودیوں کے خلاف سخت تادیبی کاروائی کی۔ اس وقت طلیطلہ میں بہتّر ہزار یہودی آباد تھے، بارہویں صدی میں بارسلونا کی تجارت پر بھی یہود کا غلبہ تھا اور وہ ایک تہائی زمینوں پر قابض تھے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بھی کھل گئے، وزارتوں اور سفارتوں پر بھی فائز ہونے لگے۔ ۱۱۴۹ء میں الفانسو ہفتم کے یہودی ایڈمنسٹریٹر نے طلیطلہ کے ایک یہودی فرقے ''قراء'' کو حکومت کی طاقت استعمال کرکے ملیامیٹ کردیا۔ الفانسو دہم کا زمانہ آیا تو اس نے یہودیوں کو لگام دینے کے لیے ایک سخت قانون بنایا لیکن بعض مراعات ان سے چھیننے سے گریز کیا۔ تاہم انہیں ہیکل کی تعمیر کے لیے مسلمانوں کی تین مسجدیں بھی بخش دیں۔ ۱۳۸۳ء میں پیڈرو سوم نے یہودیوں کو تمام سرکاری عہدوں سے ہٹا دیا۔ تمام یہود کو اپنے سینوں پر امتیازی نشانات آویزاں کرنے کا حکم دے دیا گیا تاکہ وہ عیسائیوں سے الگ شناخت ہوسکیں۔ اس طرح اسپین میں ان کے اقتدار کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔ عیسائیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ یہودی طبیبوں سے علاج نہیں کرائیں گے اور نہ ہی ان کی ملازمت قبول کریں گے۔

۱۴۹۴ء میں اسپین میں مسلمانوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد فرڈیننڈ نے یہودیوں کے ساتھ زمانہ جنگ کے تمام وعدے وعید بھلا کر ایک حکم جاری کیا کہ یا تو تمام غیر عیسائی اپنے اپنے مذاہب ترک کردیں یا ملک سے نکل جائیں۔ یہود نے مزاحمت شروع کی تو حکومت نے ان کو کچل کر

رکھ دیا۔ بیشمار یہودی زندہ جلا دیئے گئے باقی ملک چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ یوں انہیں مسلمانوں سے غداری کرنے کا خوب مزہ چکھنا پڑا۔

ہسپانیہ کے بعد یہود کا سب سے بڑا مرکز سرزمین مصر تھی۔ یہاں ۹۶۰ء میں مشرقی افریقہ کے عبیدیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے اپنا نسب نامہ چونکہ حضرت جعفر صادقؒ کے بڑے صاحبزادے سے جاملایا تھا اس لیے وہ فاطمی کہلاتے تھے۔ بنو امیہ کے حکمرانوں کی طرح وہ بھی بڑے فراخ دل حکمراں تھے۔ المعز کے بعد اس کے بیٹے العزیز کا دور آیا تو اس نے ایک یہودی یعقوب بن کلس کو بغداد سے بلا کر وزیر بنایا۔ اس نے اپنے آقا کی خوشنودی کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اس کے باوجود بھی وہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ بعد ازاں العزیز نے ایک عیسائی کو وزیر اعظم اور ایک یہودی کو اس کا نائب مقرر کر دیا۔ یروشلم کے عیسائی نے اسقف کی بہن سے شادی کر لی۔ اس سے اس کا ایک بیٹا عبدالحکیم پیدا ہوا جو ۹۹۶ میں تخت نشین ہو گیا۔ عبدالحکیم عیسائی اسقف کا بھانجا ہونے کے باوجود عیسائیوں اور یہودیوں کی سازشوں کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے دونوں مذاہب کے پیروکاروں کو مار مار کر ملک سے نکال دیا۔ بعض یہود تو مسلمان ہو کر اپنے کاروبار سے چمٹے رہے لیکن زیادہ تر فرار ہو گئے۔ اس دور میں مصری یہود اتنے زیادہ خوش حال اور آزاد تھے۔ اس کی مثال اس دور کے کسی دوسرے علاقے میں موجود نہ تھی۔

۱۱۶۸ء فاطمی خاندان کی حکومت کے خاتمے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی برسر اقتدار آ گئے۔ ان کے دربار کا طبیب خاص موسیٰ میمونی، ایک یہودی تھا جو ہسپانیہ سے فرار ہو کر مصر میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ اس نے "مشنا تورہ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں تلمود کی متضاد اور متناقض تحریروں کو منطقی شکل دی، اس طرح تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودی مذہب منطقی دین کے طور پر سامنے آیا۔ اس کتاب کی نہایت اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں یہ لکھا گیا تھا کہ "عیسیٰ اور محمدؐ انسانیت کو معراج پر پہنچانے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔"

اس پر پوری یہودی دنیا میں ایک آگ لگ گئی۔ ہر جگہ اور ہر شہر میں اس کے خلاف احتجاج ہونے لگا۔ اس نظریہ کے مخالفین کے نزدیک میمونی نے ان کے قدیمی مذہبی عقائد پر حملہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے داخلی عیسائیوں سے درخواست کی کہ اس کتاب کو سرعام نذر آتش کر دیا جائے۔ مصر میں بھی میمونیوں کو کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۳ویں صدی میں جب ایوبی خاندان کے بعد مملوک

بادشاہوں کا دور آیا تو انہوں نے یہود کو اپنی سلطنت سے خارج کر دیا، یوں مصر میں بھی زوال کا شکار ہو گئے۔

انتہائی شرانگیزی

صلیبی جنگوں کے دور میں یہودیوں نے ایک اور مکروہ سازش کی جو یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر کو روضہ مبارک سے نکال کر کہیں پہنچا دیا جائے، یا وہ کوئی اور ایسی حرکت کرنا چاہتے تھے جس سے مسلمانوں کے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچ سکتی ہو۔

یہ نورالدین زنگی کا دور حکومت تھا، مسلمان فوج، جرمنی کے شہنشاہ کانرڈ کی ۹ لاکھ افراد پر مشتمل فوج کے خلاف یروشلم میں نبرد آزما تھی کہ دو مسکین صورت باریش یہودی مدینہ منورہ کے نواح میں وارد ہوئے۔ ان کی وضع قطع دیکھ کر کسی کو شبہ تک نہیں ہوسکتا تھا کہ عبادت و ریاضت کے سوا بھی کوئی مقصد ہوسکتا ہے۔ دن بھر یہ لوگ اللہ اللہ کرتے رہتے اور راتوں کو اپنے حجرے میں سرنگ کھودتے رہتے تا کہ روضہ اطہر تک پہنچ سکیں۔ یہاں تک کہ ان کی سرنگ روضہ کے بالکل قریب جا پہنچی، ایک رات نورالدین زنگی کو خواب میں آنحضرتؐ نے اس کی اطلاع دی، وہ اگلے روز بہت پریشان رہا۔ دوسرا دن بھی پریشانی میں گزرا، تیسری رات اسے پھر یہی خواب آیا جس میں آنحضرت صلعم نے اس سے شدت کے ساتھ عمل کرنے کا تقاضا کیا۔ اس نے بیدار ہوتے ہی مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے شہر کا جائزہ لیا۔ لیکن ہر چیز کو معمول پر پایا۔ اب آنحضرتؐ نے خواب میں ان یہودیوں کی شکلیں بھی اسے ذہن نشیں کرا دیں۔ دوسرے دن نورالدین زنگی نے مدینہ شہر کے باشندوں کی دعوت طعام کا انتظام کیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص بھی دعوت میں شرکت کے بغیر نہ رہے۔

حکم کے مطابق لوگ آتے گئے اور کھاتے چلے گئے مگر ان میں وہ دو شیطان صفت یہودی نظر نہ آئے، اب یہ پھر بہت پریشان ہوا، وہ آتے بھی کیسے؟ انہیں تو اس کی اطلاع بھی نہ تھی۔ ایک کدال لے کر سرنگ میں اتر جاتا اور دوسرا پہرہ دیتا اور ساتھ عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ نورالدین زنگی نے منتظمین دعوت سے استفسار کیا کہ کوئی شخص شرکت سے رہ تو نہیں گیا؟ ایک اہلکار نے کہا — آقا! پورا شہر آ تو گیا ہے، البتہ دو عابد و زاہد افراد شامل نہیں ہو سکے کیونکہ وہ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کوئی دعوت اپنے ذکر الٰہی سے نہیں روک سکتی۔ سلطان نے کہا — ’’سبحان اللہ کیا شان

ہے ان کی، ہم خود ان کی زیارت کریں گے۔" چنانچہ ملازمین کے سر پر کھانوں کے دستر خوان اٹھوائے سلطان ان کی طرف روانہ ہو گیا۔

پہریدار یہودی کو دور سے نظر آیا کہ ایک چھوٹا سا قافلہ ہماری کٹیا کی طرف ہی بڑھا چلا آرہا ہے، اس نے جلدی سے اپنے ساتھی کو اوپر بلا لیا، دیکھو اتنے لوگ ہماری جانب کیوں آرہے ہیں، اتنے میں، سلطان ان کے سر پر جا پہنچا، شکلیں وہی تھیں جو خواب میں دکھائی گئی تھیں۔ دونوں کی مشکیں کسوا دی گئیں۔ لوگ سناٹے میں آگئے۔ لیکن جب ان کی کٹیا کی تلاشی لی گئی تو بظاہر کچھ دکھائی نہ دیا۔ جب ان کا مصلیٰ اٹھا کر دیکھا گیا تو اس کے نیچے سرنگ کا دروازہ تھا۔ ان کے رنگ جو پہلے ہی فق تھے، اب مزید پیلے ہو گئے اور اقرار جرم کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ سلطان نے سیسہ پگھلوا کر ان کے حلق میں انڈیلنے کا حکم دیا۔ یوں وہ کیفر کردار کو پہنچے۔ آئندہ ایسی صورت حال کی پیش بندی کے لیے روضہ اقدس کے گرد سات دھاتوں کی دیوار تعمیر کرادی جو آج تک ویسی کی ویسی ہے۔

ایسا خوفناک منصوبہ بنانے والوں کی ذہنیت کی پستی یہود کے سوا اور کسی کی ہو سکتی ہے اور وہ عالم اسلام کی نفرت کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ ان کی اسی ذہنیت نے دنیا بھر میں انہیں ذلیل و رسوا کیا ہے۔ مسلمان ان سے جو نفرت کرتے ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، خود نصاریٰ بھی جو تاریخ کے بعض مرحلوں میں ان کا ساتھ دیتے نظر آتے ہیں، ان سے نفرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس کا کچھ ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اگلے ابواب میں بھی اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

چوتھا باب

یہودی، عیسائی اور مسلمان

مسلمانوں نے اہل کتاب کے ساتھ جس مروت اور فیاضی سے کام لیا تھا، دیگر مذاہب نے جواب میں ان سے ویسا سلوک نہیں کیا، بلکہ بیحد برا سلوک کیا۔ یہودیت اور عیسائیت آسمانی مذاہب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر انسانوں کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ انہوں نے جو رویہ روا رکھا، وہ بیحد افسوس ناک ہے۔

''صحرا نشینوں کی مختصر تاریخ (A Short History of Saracens) کے مصنف جسٹس امیر علی لکھتے ہیں:

''صلیبی جنگیں تاریخ میں ایک خونی باب کا اضافہ کرتی ہیں۔ عیسائیت نے اسلام کے خلاف تین سو سال تک دھاوے پر دھاوا بولا، یہاں تک کہ بار بار کی ناکامیوں نے ان کے اعصاب کو ست کردیا اور وہ وہم پرستی جو ان کو حملوں پر اکساتی رہی تھی ماند پڑ گئی۔ یورپ جنگجو مردوں سے خالی ہوگیا اور دولت کے خزانے بھی ختم ہوگئے۔ اگر مکمل ہلاکت نہیں ہوئی تو کم ازکم دیوالیہ پن نے ان کی جڑیں ہلا دیں۔ لاکھوں افراد براہ راست لڑائی کی نذر ہوئے اور اتنے ہی اس کے نتیجے میں بھوک پیاس اور بیماریوں میں مبتلا ہوکر مرے۔ صلیب کے علمبرداروں نے ہر وہ ظلم کیا جس کو انسانی تصور میں لایا جاسکتا ہے۔''

مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں اہل کتاب کے لیے ہر شعبے اور ہر کاروبار میں دروازے کھلے رکھے انہیں ہر مقام پر مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔ ساری دنیائے اسلام میں عیسائیوں کے گرجا اور مبلغ موجود رہے۔ حضرت عمرؓ نے فلسطین پر قبضے کے بعد کسی زائر پر کوئی پابندی عائد نہیں کی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر فلسطین پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہوجاتا تو یہودی اور عیسائی آپس میں کٹ کٹ کر مرجاتے۔

یروشلم میں عیسائی اسقف اعظم کے لیے مخصوص مقام متعین تھا۔ ۹۶۹ء میں جب فلسطین فاطمیوں کے زیر اثر آیا تو عیسائیوں کو مزید سہولتیں حاصل ہوگئیں۔ فاطمی عیسائی تاجروں اور زائرین کی خاص طور پر سرپرستی کرتے تھے لیکن یہود اور نصاریٰ، دونوں کی نظر میں مسلمانوں کا وجود کھٹکتا تھا۔ عیسائی زائرین فلسطین میں مسلمانوں کی مروت اور مہمان نوازی کے ثمرات حاصل کر کے لوٹتے تو یورپ جا کر ان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرتے اور یہ تاثر دیتے کہ مسلمان اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے اور عیسائیت اور یہودیت کی کی عظمت سے مرعوب ہونے کی بناء پر ہم سے ایسا سلوک کرتے ہیں۔

صلیبی جنگوں کے دور میں عیسائی جنگجوؤں کو جب لڑنے کے لیے مسلمان نہ ملتے تو وہ یہودیوں سے جنگ چھیڑ دیتے۔ یہاں تک کہ کولون کے مقام پر ان کے ہاتھوں ہزاروں یہودی مارے گئے اور ان کی جائیدادیں لوٹ لی گئیں۔ دریائے رائن اور دریائے موسلے کے کنارے کنارے چلتے ہوئے جہاں کہیں بھی یہودی ان کے سامنے آئے ہلاک کر دیئے گئے تاہم یہ گروہ ممسبرگ میں ہنگری کی فوج کے ہتھے چڑھا اور اس نے انہیں تہہ تیغ کر دیا۔

مسیحی مبلغ صلیبی جنگوں کے لیے لوگوں کو بھرتی کرنے کے سلسلے میں جب نارمنڈی پہنچے تو ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ ہم عیسیٰ کی خالی قبر کی خاطر اتنی دور لڑنے کے لیے کیوں جائیں۔ جب کہ خود عیسیٰ کے قاتل ہمارے ہاں آرام وعیش کی زندگی گزار رہے ہیں۔ چنانچہ روئین کے مقام پر یہودیوں کا قتل عام کیا گیا اور یہ کام اتنی سنگدلی اور بے رحمی سے کیا گیا کہ یورپ کی تاریخ میں صدیوں تک اس کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ وہ یہودی جنہوں نے جلدی جلدی بپتسمہ لے لیا بچ گئے لیکن اپنا مذہب ترک کر کے بھی اپنی جائیدادوں اور خواتین کی عصمتوں کو صلیب برداروں کی ہوس سے نہ بچا سکے۔

شمالی فرانس اور رائن لینڈ میں بھی یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔ ٹریولیس، وورمز، میئز، کولون اور متعدد دیگر مقامات پر جہاں دولت مند یہودی اپنی چھاؤنیاں بنائے بیٹھے تھے ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ خونخوار درندوں کا یہ ہجوم یہودیوں کو اتنی بے دردی سے مارتا کہ وہ ان کے ہتھے چڑھنے کی بجائے خودکشی کرنا زیادہ بہتر سمجھنے لگے۔ اس دور کی وحشت و بربریت ۷۰ء میں یروشلم کی جلاوطنی کے بعد یہود کے لیے سب سے زیادہ اذیت ناک ثابت ہوئی۔ ۱۰۹۶ء کی پہلی

صلیبی جنگ کے بعد ۱۱۴۷ء میں یہود دوسری مرتبہ اس ظلم و زیادتی کا شکار ہوئے چنانچہ کلنی کے کلیساء کے سربراہ مقدس پطرس نے شہنشاہ فرانس لوئی ہفتم (Louis-VII) کو اپنے ایک خط میں لکھا:

''میں نہیں چاہتا کہ آپ ان ذلیل لوگوں کو بالکل ہی ختم کر دیں۔ خدا انہیں ملیامیٹ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن برادر کش قابیل کی طرح انہیں اذیتیں دے دے کر ان کا جینا اور مرنا یکساں کر دیا جانا چاہیے۔ انہیں مزید ذلیل کرنے کے لیے زندہ رکھا جانا چاہیے۔ تاکہ ان کی زندگی ان کی موت سے بھی بدتر ہو۔''

لوئی کے حکم پر فرانس میں امیر یہودیوں پر ظالمانہ ٹیکس عائد کر دیئے گئے اور جرمنی میں ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ایک فرانسیسی راہب روڈالف نے جرمنی پہنچ کر یہود کے قتل عام کی تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ جو یہودی بھی عیسائیوں کے ہتھے چڑھا اسے صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ مینز کے آرچ بشپ نے بعض یہودیوں کو پناہ دینے کی سفارش کی تو مشتعل ہجوم نے اس کے دیکھتے دیکھتے ان یہودیوں کی تکابوٹی کر دی۔ بعض عیسائی لیڈروں نے اس پر افسوس کا اظہار بھی کیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد ایک عیسائی قتل ہوگیا، اس پر یہودیوں کو ایک بار پھر غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑا۔ متعدد یہودیوں کو تہہ کر دیا گیا۔

پھر یہود کی ہلاکتوں کا مرکز جرمنی سے فرانس میں منتقل ہوگیا۔ کارینٹن، رمیرو اور سسلی کے یہودیوں کے قتل کا سلسلہ بھی چل نکلا۔ بوہیمیا میں ڈیڑھ سو یہودیوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ ۱۲۳۵ء میں باون کے مقام پر ایک عیسائی قتل ہوا تو اس پر یہودیوں کا قتل عام شروع ہوگیا، جو بھی سامنے آیا ذبح کر دیا گیا۔ ۱۲۴۳ء میں برلن کے قریب بلٹز کے مقام پر تمام یہودیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ۱۲۸۳ء میں مینز میں دس یہودی قتل کر دیئے گئے۔ ۱۲۸۵ء میں میونخ کے ۸۰ یہودیوں کو ایک کنیسا کے اندر زندہ جلا دیا گیا۔ اس سے اگلے سال ایرویزل میں ایک عیسائی کے قتل پر چالیس یہودی قتل کر دیئے گئے۔ ۱۲۹۸ء میں ''مقدس روٹی'' کو جلانے کے الزام میں رانٹکن کے تمام یہودیوں کو قتل کر دیا گیا۔

ایک متعصب جرمن لارڈ نے یہودیوں کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کے لیے ایک فوجی جماعت تشکیل دی جس نے کسی یہودی کو زندہ نہ چھوڑنے کا حلف اٹھایا۔ اس جماعت نے درز برگ کے تمام یہودیوں کو ہلاک کر دیا جب کہ نیورنبرگ کے ۶۹۸ یہودیوں کو قتل کیا گیا۔ یہ سلسلہ اتنی تیزی سے پھیلا کہ اگلے چھ مہینوں میں یہودیوں کے ۱۴۰ مذہبی گروہوں کو قتل کر دیا گیا۔ ظلم و زیادتی کے ان واقعات

کے بعد یہود نے جرمنی چھوڑ دینے کا پروگرام بنالیا۔ ۱۲۸۶ء میں مینز، ورمز سپئیر اور دیگر جرمن قصبوں کے سینکڑوں یہودیوں نے فلسطین پہنچ کر اسلام کے پرچم تلے پناہ لے لی۔

برطانیہ کے یہودیوں کو زمینیں حاصل کرنے اور ان پر کاشت کرنے کی اجازت نہ تھی، اس لیے انہوں نے سودی کاروبار اور تجارت کو اپنایا۔ جس کی وجہ سے وہ بہت جلد دولت مند ہوجایا کرتے تھے۔ اس لیے مقامی لوگ ان سے نفرت کرتے تھے۔ دولت مند طبقہ ان سے بالعموم سودی قرضہ لے کر صلیبی جنگوں میں حصہ لینے کا اہتمام کرتے پھر ان قرضوں کو ادا کرنا ان کے کاشتکاروں کے ذمہ ہوتا۔

۱۱۴۴ء میں لندن میں ایک عیسائی نوجوان مارا گیا، الزام یہودیوں پر لگا، چنانچہ شہر بھر کے یہودی محلے لوٹ لیے گئے اور تمام گھروں کو نذر آتش کردیا گیا۔ ہنری دوم اور سوم نے اپنے دور حکومت میں انہیں پناہ دی اور عوام کے غضب سے انہیں بچانے کی کوشش کرتے رہے لیکن اس کے عوض ان سے ساڑھے چار لاکھ پونڈ وصول کیے۔ رچرڈ اول کی تخت نشینی کے موقع پر بعض مقروض امراء نے ان پر چڑھائی کردی اور ان کا قتل عام کیا۔ جس میں ۳۵۰ یہودی مارے گئے اور ڈیڑھ سو یہود نے ازخود موت کو گلے لگالیا تاکہ ان کے ہتھے نہ چڑھیں۔ ۱۲۱۱ء میں تین سو ربی انگلینڈ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور بھاگ کر فلسطین میں پناہ لے لی۔

سات برس بعد حالات اتنے خراب ہوگئے۔ مقامی عیسائیوں کے مطالبے پر ہنری سوم نے یہودیوں کو تخصیصی علامت استعمال کرنے کا حکم دیا تاکہ انہیں آسانی سے شناخت کیا جاسکے۔ اس شناخت نے ان کے لیے مزید مسئلہ پیدا کردیا، لوگ انہیں پہچانتے ہی مارنے کو دوڑنے لگتے۔ چنانچہ انہیں اس ملک سے فرار ہونا پڑا۔ ۱۲۵۵ء میں افواہ اڑی کہ چند یہودیوں نے ایک عیسائی بچے کو اذیتیں دے دے کر ماردیا ہے۔ مسلح مسیحی نوجوانوں نے یہ دیکھے بغیر کہ واقعہ ہوا بھی ہے یا نہیں، ایک ربی سے اس کا انتقام یوں لیا کہ اسے گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔ بہت سے دوسرے یہودی بھی اسی افواہ کی وجہ سے ماردیئے گئے۔ ۱۲۵۷ء اور ۱۲۶۷ء کی خانہ جنگیوں میں سات شہروں لندن، کنٹربری، نارتھمپٹن، ونچسٹر، ورسسٹر، لنکن اور کیمبرج کے یہودی خاندانوں کا کلیتاً خاتمہ کردیا گیا۔ جو یہودی ہلاک ہونے سے بچ گئے ان کے گھر لوٹ لیے گئے اور انہیں پائی پائی کا محتاج کردیا گیا۔ اب بادشاہ کو بھی ان سے قرضے لینے کی ضرورت نہ رہی۔ ایڈورڈ اول نے ۱۲۹۰ء میں ۱۶ ہزار یہود کو حکم دیا کہ وہ اپنا مال و متاع اور قرضوں کو چھوڑ کر نکل

جائیں۔ نکلتے ہوئے شدید بھگدڑ مچ گئی۔ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں انگلش چینل کے راستے روانہ ہوئے۔ ان میں سے بہت سی کشتیاں ڈوب گئیں اور جو لوگ فرانس کے ساحل پر پہنچ گئے انہیں اگلے سال ملک خالی کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

فرانس میں بھی ان کے حالات خراب ہی رہے۔ یورپ بھر میں چلنے والی مخالفانہ ہوا یہاں کیسے نہ پہنچتی۔ لوگ ان کی جانوں کے درپے تھے۔ ۱۱۷۱ء میں بلائس کے مقام پر بیشمار یہودی مار دیئے گئے۔ ۱۱۸۰ء میں شاہ فلپ نے تمام یہودیوں کو جیل میں ڈال دیا، پھر بھاری رقوم لے کر رہا کیا اور ایک سال بعد ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ ان کی جائیدادیں اور مال و متاع ضبط کر لیا گیا اور ان کے کنیسا چرچ (کلیسا) کے حوالے کر دیئے گئے۔ جو لوگ بادشاہ کے حکم پر ملک سے نکل جانے کی بجائے ادھر ادھر چھپ چھپا گئے تھے۔ پتہ چلنے پر انہیں پکڑ لیا گیا۔ ان میں سے ۸۱ افراد کو اورینج کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ ۱۱۹۸ء میں یہودیوں کو دوبارہ فرانس میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ رکھی گئی کہ ان کے کاروبار کے منافع میں بادشاہ کا تین چوتھائی حصہ ہوگا۔ ۱۲۳۶ء میں صلیبی جنگجوؤں نے انجو اور بائیٹو کے یہودیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ عیسائیت اختیار کر لیں۔ انکار کرنے پر تین ہزار یہود کو گھوڑوں کے سموں تلے کچل دیا گیا۔ اس موقع پر ایک پادری نے اعلان کیا کہ ''یہودیوں سے مذہبی بات کرنا ممنوع اور حرام ہے اور اگر کوئی یہودی عیسائیوں کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالے تو سننے والے کا مذہبی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی تلوار اس کے پیٹ میں وہاں تک گھونپ دے جہاں تک وہ پہنچ سکتی ہو۔''

۱۲۵۴ء میں یہودیوں کو پھر ایک مرتبہ فرانس سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا اور ان کا تمام مال و اسباب بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ چند سال بعد انہیں واپس آنے کی اجازت ملی جو نیک چلنی اختیار کرنے اور شرح سود ظالمانہ مقرر نہ کرنے کی ضمانت دینے پر دی گئی تھی۔

ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حکومت کو ان کے خلاف ضمانت کی پابندی نہ کرنے کے الزامات عائد ہونے لگے۔ وہ اپنے کنیساؤں کی تعمیر میں مصروف تھے کہ سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ تن کے کپڑوں اور ایک دن کی خوراک کے سوا، انہیں سب کچھ یہیں چھوڑ کر نکل جانے کا حکم مل گیا۔ اس ہلے میں ایک لاکھ یہودی فرانس بدر ہوئے۔ اس اقدام سے اتنی دولت اکٹھی ہوگئی کہ بادشاہ نے خوش ہو کر ایک کنیسا اپنے سائیس کو بخش دیا۔

۱۳۲۱ء میں اسپین کے ایک شہر ہائیٹو میں جذام (کوڑھ) کے ایک مریض کو ایک ''خفیہ'' بنڈل دریا برد کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا۔ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سے عبرانی زبان میں لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا۔ اسے پڑھوانے کے لیے دو ایسے افراد کو طلب کیا گیا جو یہودیت سے تائب ہو چکے تھے۔ انہوں نے خط کو پڑھ کر انہیں بتایا کہ اس میں عیسائی قوم کو ختم کرنے کے لیے ایک سازش درج ہے۔ یہ غرناطہ کے بادشاہ نے تیار کی ہے جس میں یہود کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ''عیسائی دنیا کے تمام کنوؤں میں زہر پھینک دیں اور یہ کام لاعلاج مریضوں اور بالخصوص جذامیوں کے ذریعہ مکمل کرایا جائے۔ کیونکہ لاعلاج مریض، ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ملتا ہے۔''

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ گھروں سے باہر نکل آئے اور یہودیوں کو چن چن کر مارنا اور تڑپا تڑپا کر ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ یہود پر اسی قسم کی دوسری مصیبت ۱۳۴۸ء میں اس وقت آپڑی جب سارے یورپ میں طاعون پھیل گئی۔ لوگ دھڑا دھڑ مرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک چوتھائی آبادی چند دن میں ختم ہو گئی۔ اس کی ذمہ داری بھی یہود کے کھاتے میں پڑ گئی کیونکہ وہ عام عیسائیوں کی بہ نسبت صاف ستھرے رہتے تھے، اس لیے ان میں شرح اموات کم تھی۔ اس سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ ''پراسرار بیماری'' اس لیے آئی ہے کہ یہودیوں نے کنوؤں میں زہر ملا دیا ہے۔ چنانچہ جو یہودی طاعون سے بچ نکلے تھے وہ اس عوامی انتقام کا نشانہ بن گئے۔ یورپ بھر میں لاکھوں یہودی زندہ جلا دیئے گئے۔ تاتاریوں اور عثمانیوں نے جب یورپ پر حملے شروع کیے تو اس کے لیے بھی یہودی ذمہ دار قرار پائے کیونکہ عیسائی عوام کا خیال تھا کہ ان حملوں کی دعوت یہودیوں نے دی ہے جو اپنی قدیم رنجشوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔

اوہام بھی یہود کے لیے مصائب کا نیا دروازہ بن گئے۔ اگر راہ چلتے کسی کے سامنے سے کوئی یہودی مل جاتا یا اس کے بعد اسے کوئی نقصان پہنچ جاتا تو وہ اسے یہود کی نحوست یا اس کے ''کالے علم'' کے اثر سے تعبیر کرتا۔ اس کے نتیجے میں بے شمار یہودی زندہ جلا دیئے گئے۔

پرتگال، فرانس اور انگلستان سے نکالے ہوئے یہودی ۱۶ ویں صدی میں جرمنی میں پناہ لینے کے لیے پہنچنا شروع ہوئے تو یہاں بھی انہیں شدید مزاحمت اور عوامی نفرت کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ عیسائی عوام کے دلوں میں ان کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ انہیں کسی شہر میں سکون سے نہ رہنے دیا جاتا، ایک شہر سے دوسرے اور پھر تیسرے شہر میں دھکیل دیئے جاتے۔ کولون، فرینکفرٹ، آگزبرگ

اور نیورنبرگ میں ان کی کالونیاں تنگ و تاریک مکانوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔ وہ شہروں میں اپنے مضحکہ خیز لباس اور لمبی لمبی ٹوپیوں کی وجہ سے پہچانے جاتے۔ بچے انہیں دیکھتے ہی پتھراؤ کرنا شروع کر دیتے۔ جرمنی میں چونکہ داڑھی شرافت اور عالی نسبی کی علامت تھی اس لیے انہیں داڑھی رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ ایسا کرنے کی جسارت، عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش قرار دیا جاتا۔

یہودیوں کو گرجوں کے قریب سے بھی گزرنے کی اجازت نہ تھی۔ ان کے لیے عیسائی بچوں سے بات کرنے کی بھی ممانعت تھی تاکہ یہ ننھے ذہنوں میں اپنے مذہبی تعصبات داخل نہ کردیں۔ سب سے بڑا عذاب یہ تھا کہ وہ شہر کے وسط میں چھوٹے چھوٹے رقبوں میں رہنے پر مجبور تھے۔ ان کے گھر کبوتروں کے ڈربوں جیسے تھے جن میں سورج کی کرنیں اور ہوا بمشکل پہنچ پاتیں۔ یہ ڈربے کئی منزلہ ہوتے، نچلی منزل والوں کو آسمان نظر آتا اور نہ موسم کا اندازہ ہوسکتا۔ ان کے بچے کھیلنے کو ترستے رہتے۔ ان کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے ایک طریقہ یہ اپنایا گیا کہ ہر گرجا کے باہر ایک ننھے بچے کی تصویر چسپاں کردی جاتی جو اس بات کی علامت تھی کہ یہودی ایسی معصوم جانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی بچہ ہلاک ہوجاتا تو سارا شہر یہودی آبادیوں پر ٹوٹ پڑتا اور کالونیوں کی کالونیاں جلا کر خاکستر کردی جاتیں۔

پورے جرمنی میں کہیں بھی یہودیوں کو عیسائیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ نہ وہ کھیتوں میں کام کر سکتے اور نہ کارخانوں میں مزدور کے طور پر انہیں برداشت کیا جاتا۔ وہ صرف سود پر قرضے دے سکتے تھے اس کے لیے بھی انہیں اپنے علاقے سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ چونکہ ساہوکاری ان کا واحد ذریعہ آمدنی تھا اس لیے شرح سود زیادہ ہوتی تھی۔ اسی لیے انہیں ضرورت مندوں کا ''خون چوسنے والے'' قرار دیا جاتا، اس طرح ان کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ شہر کا تقریباً ہر طبقہ ان سے قرضے حاصل کرتا۔ کاروبار میں لگانے کے لیے بھی انہی سے رقوم لی جاتیں، کاروبار فیل ہوجاتا اور رقم کی واپسی مشکل ہوجاتی یا کسی اور وجہ سے لوگ سود مع اصل زر واپس کرنے میں ناکام رہتے تو ان کی بستیوں پر ہلہ بول دیا جاتا۔ بعض یہودی ہلاک کر دیئے جاتے۔

اے بسا آرزوئے کہ خاک شدہ

یہود کے لیے تیرہویں صدی کے یورپ میں محفوظ اور باعزت زندگی کے لیے صرف ایک ہی

صورت دکھائی دیتی تھی کہ پاپائی نظام کی اصلاح کی جائے اور کلیسا کو بے جا نفرتیں پیدا کرنے اور انہیں ہوا دینے سے روکا جائے۔ مارٹن لوتھر نے پروٹسٹنٹ تحریک شروع کی جس میں پادریوں کی بے اعتدالیوں کو لگام دینے اور کلیسا کی اصلاح کے لیے بے شمار مواد سامنے لایا گیا۔ کالوین (Calvin) اور ناکس (Knox) کی تحریروں نے بھی عام عیسائیوں کو جھنجھوڑا کہ وہ پوپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ صدیوں سے تنگ آئے ہوئے عوام نے اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہود کا خیال تھا کہ ہمارے خلاف نفرت کے جذبات کا اصل منبع چونکہ پاپائیت ہے، اس کا زور ٹوٹنے سے شاید ہمارے لیے بھی امن کا کوئی گوشہ پیدا ہو جائے گا مگر ان کا خیال خواب ہی رہا۔ وقتی طور پر یہودیوں نے پروٹسٹوں کو خفیہ طور پر بھاری چندے دیئے لیکن ان پر جلد منکشف ہو گیا کہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔ پوپ کو ان خفیہ چندوں کی سن گن ہوئی تو یہود کے خلاف اس کی نفرت میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ ادھر خفیہ چندوں کی اچانک بندش سے پروٹسٹنٹ ازم کے علمبرداروں کو بھی غصہ آ گیا، انہوں نے یہودیوں کو بھی بہت سی معاشرتی اور معاشی خرابیوں کے ذمہ دار قرار دے کر ان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

مارٹن لوتھر نے شروع میں یہودیوں کے حق میں جو پمفلٹ لکھا، دلچسپ بھی تھا اور عبرت انگیز بھی۔ یہ ١٥١٧ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

> ''ہمارے پادریوں، بشپوں، راہبوں اور عیسائی عوام نے یہود کے خلاف احمقانہ اور غیر انسانی رویہ اختیار کر رکھا ہے جسے دیکھ کر کوئی شخص یہودی مذہب تو اختیار کر سکتا ہے لیکن عیسائیت کو قبول نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر میں یہودی ہوتا اور دیکھتا کہ کیسے کیسے احمق اور ذلیل لوگ عیسائی دنیا پر حکمراں بنے ہوئے ہیں تو میں عیسائی بننے کی بجائے سور بننا گوارہ کر لیتا۔ ان لوگوں نے یہود کے ساتھ کتوں سے بھی بدتر سلوک کیا ہے۔ حالانکہ یہود ہمارے مسیحؑ کے عزیز و اقارب بھی ہیں اور خون کے رشتے سے ہمارے بھائی بھی ہوتے ہیں۔ اگر ہم قومیت اور حسب و نسب کی خوبیوں پر فخر کرتے ہیں تو پھر یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیحؑ ہماری نسبت ان سے قریب تر ہیں۔ خدا نے کسی قوم کو ماسوائے مسیحؑ کے پیغام کا اہل نہیں ٹھہرایا۔ اس لیے میں اپنے بھائیوں سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں سے رواداری برتیں۔ جب تک ہم ان پر مظالم ڈھاتے رہیں گے ان پر جھوٹے بہتان باندھتے رہیں گے، جب تک انہیں تجارت اور کام

کاج سے محروم رکھیں گے، معاشرتی تعلقات منقطع رکھیں گے، انہیں سودی کاروبار کرنے پر ہی مجبور رکھیں گے۔ ہم ان کے دل نہیں جیت سکیں گے اور نہ ہی انہیں بہتر شہری بنا سکیں گے۔ اگر ہم ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم مسیحی محبت سے کام لیں اور پوپ کے قوانین کے بنائے ہوئے قوانین سے منہ موڑ لیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم یہود کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں، انہیں کاروبار مہیا کریں، ان سے دوستانہ فضا میں ملیں تاکہ یہ ہمارے بن جائیں اور ہمارے ساتھ آگے بڑھیں۔"

جب لوتھر بوجوہ، یہودیوں کا مخالف ہوگیا تو اس نے ان کو — "کنوؤں میں زہر ڈالنے والے" "عیسائی بچوں کے قاتل" — "طاعون پھیلانے والے" اور "کالے جادو سے کام نکالے والے" وغیرہ قسم کے خطابات دیئے۔ اب کے اس نے جو پمفلٹ لکھا وہ یہ تھا:

"یہودی بنکار عیسائی عوام کا خون چوستے ہیں۔ یہودی ڈاکٹر، عیسائی مریضوں کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ ان کے کنیساؤں کو تباہ کرنا عیسائیوں کا مذہبی فریضہ ہے کیونکہ ابتدائی دور میں مسیحیوں کو انہی کنیساؤں کے اندر لے جا کر ذلیل کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ جہاں کہیں بھی پایا جائے اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ یہود کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے اور انہیں کھلے آسمان تلے خانہ بدوشوں کی طرح رہنے پر مجبور کر دیا جائے اور اگر یہود نے تین خداؤں (تثلیث) کے وجود کو تسلیم نہ کیا تو میں ان کی زبان کھینچ کر باہر نکال دوں گا۔ میں ہر خدا ترس عیسائی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ انہیں ہانک کر اپنے وطن سے باہر نکال دے تاکہ ہماری ارض مقدس ان کے وجود سے پاک ہو جائے۔"

لوتھر کے یہ الفاظ یورپ میں صدیوں گونجتے رہے اور ان پر خدا کا قہر بن کر ٹوٹتے رہے۔ پروٹسٹنٹ تحریک کے لیڈروں نے شروع کے دنوں میں ان کی جو حمایت کی تھی ممکن ہے ان کے فنڈز ہتھیانے کے لیے ہی کی ہو اور یہودیوں نے اس "حمایت" کو سطحی ہمدردی سے تعبیر کر کے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو، اس کے پیچھے ان کے وہ تلخ تجربات کارفرما تھے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں انہیں پیش آتے رہے۔

کسی قوم کے خلاف نفرت کی مہم ایک بار شروع ہو جائے تو اس میں کئی دوسرے عوامل بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اس میں افواہیں اور جھوٹ سچ سب کچھ ملا دیا جاتا ہے۔ یہود کے بارے میں ایک

بات یہ مشہور ہوگئی کہ وہ عیسائی بچوں کو قتل کر کے اپنی مذہبی رسومات کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ اس افسانے یا حقیقت نے ان کے خلاف نفرت میں مزید شدت پیدا کردی۔ اس نفرت نے عورتوں کو خاص طور پر متاثر کیا۔ کیونکہ بچوں کے ساتھ ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو بیحد محبت ہوتی ہے۔ اس طرح یہودیوں کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات زیادہ گہرے ہوتے چلے گئے۔ صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے جنون کا رخ، کسی وقت بھی یہودیوں کی طرف منتقل ہوجایا کرتا تھا، جیسا کہ پچھلے صفحات میں آچکا ہے کہ عیسائی جنگجو لڑائی لڑتے لڑتے اچانک یہودیوں پر ٹوٹ پڑتے کہ یہ مسیحا کے قاتل ہیں۔

ان حالات سے گھبرا کر جو یہودی عیسائیت قبول کر لیتے انہیں ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا جاتا، کیونکہ یہ روایت بھی مشہور تھی کہ یہودی کبھی اپنا مذہب نہیں بدلتا۔ اگر بدلتا ہے تو سچے دل سے تائب نہیں ہوتا۔ موقع پا کر پھر واپس چلا جاتا ہے۔ اسپین کی تحقیقاتی عدالتوں (Inquisitions) میں ان "نئے عیسائیوں" پر مقدمے چلائے جاتے جہاں انہیں یہ ثابت کرنا پڑتا تھا کہ وہ سچے دل سے عیسائی بنے ہیں اور یہودیت سے اپنی نفرت کی حقیقی وجوہ بتانا بھی ضروری تھا۔ بعض مقامات پر انہیں زندہ آگ میں ڈال کر دیکھا جاتا کہ ان کا دل عیسائی ہوچکا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آگ حقیقی عیسائی پر اثر نہیں کرتی۔ اگرچہ اس مفروضے کی کسوٹی پر پوپ سمیت کوئی بھی عیسائی پورا نہیں اتر سکتا۔ تاہم اس قوم کے ماضی کے کرتوت، اس کے حال اور مستقبل پر صدیوں بری طرح اثر انداز ہوتے رہے۔ عیسائی ہر واقعے یا حادثے کا تعلق کسی نہ کسی طریقے سے یہودیوں کے ساتھ جوڑ دیتے اور ان سے بھرپور انتقام لیتے۔ ضرورت پڑنے پر ان سے قرضہ بھی لے لیتے، لیکن وہ جب وصولی کے لیے آتے تو ان کی درگت بنادی جاتی۔

اس ضمن میں چودھویں صدی کے وسط کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ فرانس اور برطانیہ کے مابین ایک جنگ ہوئی۔ برطانیہ نے فرانس کے بادشاہ جان دوم (John-II) کو گرفتار کرلیا، اور رہائی کے لیے تاوان جنگ کی ادائیگی کی شرط لگادی۔ تاوان کی رقم بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ فرانس کو یہودیوں سے قرض لینا پڑا۔ اس قرضے پر شرح سود دوگنا سے بھی زیادہ رکھی گئی اور اس کے ساتھ یہودیوں کے لیے بیس سالہ قیام کا اجازت نامہ بھی مانگا گیا۔ اہل فرانس نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ جگہ جگہ ہنگامے بھی ہوئے۔ جان دوم ۱۳۶۴ء میں لندن ہی میں وفات پا گئے لیکن حکومت فرانس

نے یہود کو تیس برس تک عوام سے سود لینے کی کھلی اجازت دیئے رکھی۔ بعدازاں انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہودی، حکمرانوں کو بھاری رشوتیں دے کر دوبارہ فرانس میں آ گئے۔

دوسری بار وہ زیادہ خم ٹھونک کر آئے، ان کے انداز بھی نرالے تھے اور سود کی شرح بھی دو گنا، تین گنا ہو گئی۔ ڈوبے ہوئے قرضے نکلوانے کے لیے وہ جتنے مقدمے بھی دائر کرتے۔ ۹۰ فیصد فیصلے ان کے حق میں ہوتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ججوں سے کام نکلوانے کے لیے مالی رشوت کے ساتھ جنسی رشوت دینے کے طریقے بھی سیکھ لیے تھے۔ عوام ہر فیصلہ سودخور یہودی کے حق میں ہوتا دیکھ کر برہم ہو گئے۔ مختلف شہروں میں شدید ہنگامے ہوئے۔ بالآخر ۱۳۹۴ء میں یہودیوں کو مار پیٹ اور لوٹ مار کر کے نکال دیا گیا اور وہ اگلے چار سو سال تک یعنی انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) تک اس ملک کا رخ نہ کر سکے۔

جرمنوں کا سلوک

یہودیوں کو جرمنی میں بھی بڑی ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائی پادریوں نے ان سے حلف لینے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہودی کو ننگے پاؤں سور کی کھال پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہنے پڑتے:

> ''اگر جھوٹ بولوں تو خنزیر کی یہ خون آلود کھال میرے جسم کے ساتھ لپٹ جائے.... اس کا گوشت میری ماں کا گلا گھونٹ دے..... اگر میں جھوٹ کہوں تو اس سور کا سر میری بیٹی کا سر بن جائے..... اگر سچ نہ بولوں تو اس سور کا خون تین پشت تک میرے بچوں کی پیشانی پر جھلکتا رہے.....''

یہود کو اس کے علاوہ یہ اقرار بھی کرنا پڑتا تھا کہ:

> ''میں نجس یہودی ہوں جس کے آباؤ اجداد نے سچے مسیحا کو صلیب چڑھایا تھا۔ میں آوارہ ہوں میرا کوئی گھر نہیں اور کوئی وطن نہیں۔ سوائے اس کے جو چرچ کی مہربانی سے مجھے نصیب ہوا ہے..... میں ذلیل ہوں اور تمام بنی نوع انسان کی ذلت کا صرف باعث ہی نہیں بلکہ اس کی تباہی کا سامان بھی ہوں۔ میں کنوؤں کے پانی میں زہر ملاتا ہوں۔ طاعون پھیلاتا ہوں۔ عیسائی بچوں کا خون بہانے کے لیے ان کے قتل کو بھی جائز سمجھتا ہوں۔ میری عورتیں طوائفیں

ہیں اور میرا انجام دائمی جہنم ہے کیونکہ میں چرچ اور تمام نیک عیسائیوں کا بدترین دشمن ہوں۔"

پولینڈ میں داخلہ

برطانیہ، فرانس اور جرمنی میں ذلتوں اور رسوائیوں سے تنگ آکر یہود پولینڈ پہنچنے لگے جو چودہویں صدی میں ان کی آخری جائے پناہ بنی۔ یہاں آباد کاری کے لیے کافی گنجائش تھی۔ وسیع زمینوں کو کاشت کرنے اور نئے نئے کاروبار شروع کرنے کے وسیع امکانات تھے۔ یہود بہت سے نشیب و فراز اور ترش و تلخ تجربات کے علاوہ مختلف فنون میں مہارت لے کر بھی آئے تھے۔ تجارت اور سودی کاروبار کے فن میں مقامی آبادی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ حکمرانوں اور عدالتوں سے ساز باز کر کے مراعات حاصل کرنے کے لیے انہیں مالی اور جنسی رشوت دینے کے طور طریقے بھی خوب آتے تھے جن کے بل بوتے پر وہ ڈھائی تین سو سال تک انہوں نے بے پناہ دولت اکٹھی کی۔ یہ جتنی جمع ہوتی جائے اس کی آخری حد نہیں آتی۔ چنانچہ ان کی مہاجنی قرضوں کی شرح میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ ہوگیا۔ سودی حساب کتاب بنانے کے لیے ان کا طریق کار بھی مقامی آبادی کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ معمولی قرضہ لینے والا شخص بالآخر ان کے ہاتھوں دیوالیہ ہوجاتا اور اس کا مکان تک قرق ہوجاتا۔ ہوتے ہوتے پولش امراء بھی ان کے قرضوں میں بری طرح پھنس گئے۔ جب امیر طبقے نے خود کو غریبوں اور متوسط لوگوں جیسی مشکلات میں پھنسے ہوئے پایا تو وہ بھی کھلم کھلا ان کے خلاف اظہار نفرت کرنے لگے۔

چھوٹے کاشتکاروں کے حالات ذرا مختلف قسم کے تھے، انہیں یہودی قرض خواہ کے بڑھتے ہوئے سود سے جو پریشانی ہورہی تھی، مالک اراضی یعنی زمیندار کی طرف سے بٹائی کی شرح بڑھانے کے مطالبے سے بھی تکلیف پہنچ رہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے زمینداروں کے خلاف شدید ہنگامے کئے۔ کئی مقامات پر بلوے اور آتش زنی کے واقعات ہوئے۔ ۱۶۴۸ء میں کاشتکاروں نے زمینداروں کے خلاف بڑے پیمانے پر بغاوت کردی جس کی آگ نے یہودیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تین برس کے عرصے میں ان کے ساتھ ایسا سلوک ہوا جس سے وہ برطانیہ، اسپین، فرانس اور جرمنی میں بھی دوچار نہیں ہوسکے تھے اور چونکہ انہوں نے اپنے الگ تجارتی شہر اور کالونیاں تعمیر کر رکھی تھیں۔ اس لیے انہیں لوٹنا اور نذر آتش کرنا بھی، بلوائیوں کو آسان کام لگا۔ اس تباہی و بربادی کے بعد بیشتر

یہودی باہر بھاگ گئے۔ تاہم جو بھاگ نہیں سکتے تھے وہ ذلت اور رسوائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

یہود کی ترکی میں آمد

یہود پر جب دنیائے عیسائیت، اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی تو ان پر یہ بات کھلی کہ انہیں عالم اسلام میں جگہ مل سکتی ہے۔ جہاں غریب سے غریب یہودی بھی اپنے دین و مذہب پر آسانی سے عمل کر سکتا ہے اور امن سے زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ قسطنطنیہ (استنبول) میں اشیائے ضرورت کی ریل پیل ہے تجارت خوب فروغ پا رہی ہے۔ اس کا شمار دنیا کے عظیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ یہودی وہاں اپنی مرضی کا لباس پہننے اور رہنے سہنے میں بھی آزاد ہوں گے۔ ان کے بچوں کو گلیوں میں کھیل کود کی بھی اجازت ہوگی۔ جب کہ ترکی کے کئی شہروں میں ان کی بڑی بڑی عبادت گاہیں (کنیسا) نہ صرف موجود ہیں بلکہ مزید بھی تعمیر کی جا سکتی ہیں اور ایک یہودی المذہب شخص سلطان ترکی کے مشیروں میں بھی شامل ہے۔ یہ خبر جرمنی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور انہوں نے ایک ایک اور دو دو کر کے ترکی پہنچنا شروع کر دیا۔ لیکن راستے میں عیسائی انہیں لوٹ لیتے، عورتوں کی بے حرمتی کرتے اور مردوں کو قتل کر دیتے۔

پانچواں باب

یہودیت اور دور جدید

تاریخ نے یہود پر واضح کر دیا کہ وہ دنیا میں کہیں بھی بطور یہودی نہیں پنپ سکتے۔ انہیں مختلف تحریکوں اور نظریاتی فلسفوں میں پناہ لینا پڑے گی، تاجر اور صنعت کار بن کر روزی کمانا ہوگی اور ہر ملک کے حکمراں طبقے میں اپنے لیے جگہ بنانا ہوگی، دانشوروں کا روپ دھارنا ہوگا، سائنس کے میدان میں کارنامے انجام دینا ہوں گے تاکہ وہ ہر کسی کی ضرورت بن جائیں۔ اس منصوبے کو ذہن نشین کر کے انہوں نے اپنے لیے کئی لبادے تیار کئے اور متعدد روپ اپنائے یورپ میں نیشنل ازم کو عروج ملا، سوشل ازم کی تحریک بھی پروان چڑھی اور کمیونزم کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ ان میں یہودی کہیں پہلی صف میں نظر آتے تھے، کہیں دوسری، تیسری اور چوتھی صف میں چھپے ہوئے پائے جاتے تھے۔ یہ کوئی اتفاقی امر نہیں، بلکہ واضح منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔ تاہم یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ ان منصوبہ سازوں کا اصل ''دماغ'' کون ہے اور ان کا ہیڈکوارٹر کہاں واقع ہے؟ کسی کی ان حقائق تک رسائی ہو جانا ان کے مفاد میں نہیں تھا۔ اس لیے وہ اپنے اصل مرکز کا کسی کو پتہ نہیں چلنے دیتے تھے (اس کتاب کے آخری حصے ''پروٹوکولز'' میں اس پراسرار منصوبہ بندی کا تفصیلی خاکہ پیش کیا جائے گا۔)

اسپین پر یہود کے مرانو خاندان نے تقریباً تین سو سال حکمرانی کی، بظاہر یہ عیسائی خاندان تھا۔ سترہویں صدی میں جب حالات مناسب نظر آئے تو اس نے اپنے یہودی ہونے کا کھلم کھلا اظہار کر دیا۔ اس خاندان نے شمالی یورپ کے بندرگاہی شہروں میں بنکوں کا ایک سلسلہ قائم کر رکھا تھا جو لزبن سے لے کر اینٹیورپ تک پھیلا ہوا تھا اور سارے شمالی یورپ کی تجارتی منڈیاں ان کی مٹھی میں تھیں۔ انگلستان نے ملکہ الزبتھ کے دور میں اسپین، پرتگال اور ہالینڈ کے خلاف جنگیں لڑیں تو ان یہودیوں کے ایمان ہر دوسرے روز بدل جاتے رہے۔ مذہبی منافرت کی زد میں آنے کے خوف سے یہ لوگ کبھی عیسائیت کا لبادہ اوڑھ لیتے اور کبھی اپنے یہودی ہونے کا اظہار کر دیتے۔ کبھی جہازوں میں

اپنا مال اور سرمایہ لاد کر ایک ملک کو بھیج دیتے کبھی دوسرے کو، اس طرح وہ ملکوں کی قسمتوں کا پانسہ پلٹ دیتے اور پھر جو کامیاب ہو جاتا اس کے ہمنوا بن کر اس کی فتح کے فوائد میں حصہ دار بن جاتے۔ بالآخر ۱۸ویں صدی میں انہوں نے ایمسٹرڈم میں یہاں تک استحکام حاصل کر لیا کہ اس کا نام "نیا یروشلم" رکھ کر اپنے روشن مستقبل کا انتظار کرنے لگے۔

مرانو نے چند منزلیں اور طے کیں۔ انہوں نے برطانیہ، پرتگال، ہالینڈ اور فرانس کے ساتھ تجارتی روابط مستحکم کیے اور اس کے بعد براعظم امریکہ، افریقہ اور ایشیا سے بھی تجارت شروع کر دی اور وہاں کے حکمرانوں سے بھی روابطہ قائم کر لیے۔ ہر ملک کے یہود ان کے ساتھ تعاون کرنے لگے، انہیں سرمایہ بھی فراہم کرتے اور اپنے حکمرانوں کے ذاتی معاملات اور کمزوریوں سے بھی باخبر کرتے رہے۔ پرتگال میں وہ کیتھولک عیسائیوں کا روپ بھر کر آئے۔ انہوں نے ڈچ اسٹیٹ کمپنی اور ویسٹ انڈین کمپنی بن کر بھی کاروبار کیا اور بے پناہ دولت سمیٹی۔ اسپین اور پرتگال میں انہوں نے اپنے نام مقامی باشندوں کے ناموں کے ساتھ ملتے جلتے رکھے جس سے ان کی پہچان مشکل ہو گئی۔

بعض یہودیوں نے "نئے عیسائی" کہلوانا شروع کر دیا۔ جب وہ دیکھتے کہ اصلاح کلیسا کے پرجوش کارکن ان کی پٹائی کے لیے نکل آئے ہیں تو وہ اپنی پرخلوص عیسائیت ثابت کرنے کے لیے گرجا کے ساتھ تعلق اور مخیرانہ کاموں کی تفصیل بتانے لگتے لیکن حملہ آور ان باتوں کا اعتبار نہ کرتے، لوٹ مار اور تلاشی کے دوران ان کے بہروپ کا پردہ چاک ہو جاتا۔ چنانچہ "نئے عیسائیوں" کی بہت بڑی تعداد کو بھاگ کر ترکی، انگلستان، ایمسٹرڈم اور شمالی یورپ میں منتقل ہونا پڑا۔

صدیوں کے مظالم کے بعد ۱۶۰۶ء میں انہیں پہلی مرتبہ ایمسٹرڈم میں اپنا مذہبی اجتماع منعقد کرنے کا موقع ملا جس میں انہوں نے سرعام اپنے عقائد کا اظہار کیا اور اپنے مسائل حل کرنے کے لیے "لائحۂ عمل" مرتب کیا، لیکن اس لائحۂ عمل کو خفیہ رکھا گیا۔ البتہ ہر ملک اور ہر شہر میں اپنے یہودی قبرستانوں کے لیے زمینیں خریدنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ۱۶۱۵ء میں ہالینڈ کی حکومت نے اپنے صوبوں کے جو اختیارات بڑھائے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ چاہیں تو یہود کو آبادکاری کی اجازت دے دیں اور چند دیگر شہری حقوق بھی دے دیں۔ صوبائی حکوموں نے انہیں مشروط طور پر چند حقوق دیئے۔ اس سلسلے میں انہیں عبادت کے لیے بعض حدود کے پابند بنا دیا گیا اور کاروبار میں پرچون فروشی کرنے سے منع کر دیا گیا۔ البتہ مخصوص شناختی لباس پہننے کی پابندی ہٹا دی گئی۔

ان پابندیوں کو قبول کر کے انہوں نے اور زیادہ سرگرمیاں دکھائیں اور اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ حکمرانوں سے مزید قربت پیدا کرنے کی کوششیں بھی جاری رکھیں۔ بالآخر ۱۶۵۷ء میں انہوں نے بہت سے مزید حقوق حاصل کر لیے اور تقریباً تقریباً مکمل ڈچ بن گئے مگر شرط یہ تھی کہ موجودہ ''نئے عیسائیوں'' کی اولاد کو شہری حقوق خود بخود نہیں ملیں گے۔ اس کے لیے انہیں باضابطہ درخواست دینا پڑے گی، حکومت مناسب غور کے بعد اسے قبول یا مسترد کرنے کی مجاز ہوگی۔ ایمسٹرڈم کانفرنس میں جس لائحۂ عمل کو خفیہ رکھا گیا تھا اس کے تحت یورپ کے دیگر ملکوں میں بھی اپنی جگہ بنانے کی کوششیں جاری رہیں۔ چنانچہ فرانس کے جنوب مشرق کے دو شہروں ''بایونے'' اور ''بورڈیو'' میں مرانو خاندان کے کچھ یہودیوں نے اپنے تجارتی مراکز قائم کر لیے اور چند بنک بھی کھول لیے جو حیرت انگیز طور پر ترقی کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ۱۶ ویں صدی میں اقتصادی زندگی پر پوری طرح چھا گئے۔ ان شہروں کی آبادی کیتھولک تھی۔ اسپین اور پرتگال کے بعض ''نئے عیسائیوں'' نے بھی یہاں پناہ لے رکھی تھی۔ ۱۶۸۶ء تک یہ لوگ جس عیسائیت کا دم بھرتے رہے، اب اس کی ضرورت باقی نہ رہی، چنانچہ اس لبادے کو اتار کر پھینک دیا گیا اور علی الاعلان یہودیت کا نقارہ بجانے لگے۔ ۱۷۷۶ء میں مکمل شہریت کے حقوق بھی مل گئے۔

فرانس میں انہیں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ ہالینڈ میں انہیں حاصل نہ ہو سکی۔ جب کہ یہاں ابتدائی پیش رفت کافی حوصلہ افزا تھی۔ ہالینڈ میں تجراتی معاملوں میں تو انہیں پوری آزادی حاصل ہوگئی لیکن یہود کے طور پر وہ یہاں کے لوگوں کے لیے قابل برداشت نہ تھے۔ سولھویں اور سترھویں صدی یہاں سفاردیم (Sephardim) یہودی مقامی کیتھولکوں کو رام کرنے کی کافی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس دوران جرمنی سے اشکناز (Ashkenazim) یہود یہاں منتقل ہونا شروع ہو گئے۔ کیونکہ جرمنی میں جنگوں کی وجہ سے ان پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ اب یہاں نئے اور پرانے یہودی کے امتیاز نے انہیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیا جس کی وجہ سے اٹھارھویں صدی میں انہیں ہیمبرگ خالی کرنا پڑا اور ایمسٹرڈم میں جا بسے۔

فرانس اور ہالینڈ کے بعد انگلستان میں بھی یہود کے لیے فضا سازگار ہوگئی۔ کیونکہ چارلس اول کے تختہ دار پر چڑھنے کے بعد جب کرامویل نے اقتدار سنبھالا تو اس نے یہودی سرمایہ داروں کو نوازنے کے لیے بستیاں تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ ۱۶۶۰ء میں ہر قابل ذکر مقام پر ان کی

کالونیاں بن گئیں لیکن پریوی کونسل نے ۱۶۸۰ء میں انہیں مزید جداگانہ بستیاں تعمیر کرنے سے روک دیا اور ان پر واضح کردیا کہ ریاست کے اندر ریاست بنانے کا سلسلہ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے آبادکاری کا توسیعی منصوبہ ترک کرکے اپنی توجہ تجارت اور علمی سرگرمیوں پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ جس کے تحت انہوں نے اپنے بچوں کو سائنسی علوم میں آگے بڑھانے اور اپنے مذہبی عقائد کی ترویج کا کام شروع کردیا۔ انہوں نے اپنی تمام کلاسیکی کتابوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرکے اس کی وسیع اشاعت کا اہتمام کیا۔ اس دوران بہت سے یہودی پرتگالی کیتھولکوں کے روپ میں یہاں آوارد ہوئے۔ جب انگلستان اپنی سلطنت کی توسیع کے لیے سمندروں پر پھیلنے لگا اور اس کی غیرملکی تجارت میں دن دوگنا رات چوگنا ترقی ہونے لگی تو اس تاجروں میں پرتگالی کیتھولکوں کے لبادے میں ملبوس یہودیوں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔

سترھویں صدی میں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے ظہور ثانی کے زمانے میں یہودی ساری دنیا میں پھیل چکے ہوں گے جنہیں حضرت عیسیٰؑ اپنے ہاتھ سے اپنے دین میں داخل کریں گے۔ اس خیال کو تقویت دینے میں اس افواہ نے بڑا کام کیا کہ شمالی امریکہ کے ریڈ انڈین دراصل یہود کے دس گم شدہ قبائل ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے وقت یہود کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے انگلستان کے مسیحیوں نے ان کی آبادکاری کا خیر مقدم کیا تاکہ حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں انجام پانے والے اس کارخیر میں شریک ہوسکیں۔ کٹر مذہبی عیسائی ان کی آبادکاری میں بے پناہ جوش وخروش سے حصہ لینے لگے۔ برطانیہ میں ان کی آؤ بھگت کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ برطانیہ کی غیرملکی فتوحات اور تجارت کے فروغ نے انگریزوں کو اس ضرورت کا احساس دلا دیا کہ یورپ کی کسی قوم کو اپنا مال خریدنے کی دعوت دی جانی چاہیے۔ اس سلسلے میں ایمسٹرڈم کے "مرانو" بیحد کارآمد ہوسکتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انگریزوں نے یہود کے لیے خاص لباس، امتیازی نشان اور مخصوص کالونیوں میں رہائش رکھنے کی پابندی ختم کردی اور ہر قسم کے ٹیکسوں سے بھی انہیں مستثنیٰ کردیا، یہود کی اس طرح دیرینہ خواہش پوری ہوگئی اور انہوں نے دوسرے علاقوں سے خام مال درآمد کرنے اور انگلستان سے پختہ مال (Processed Commodities) لے جانے کی اجارہ داری حاصل کرلی اور اسے بحر اوقیانوس کے ساحلوں تک پہنچانا شروع کردیا۔

برطانیہ، پرتگال، ہالینڈ اور اسپین میں اپنے لیے میدان ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ یہود نے

ان ممالک کی نوآبادیات پر بھی توجہ مرکوز کردی اور ان میں آمد و رفت اور تجارتی روابط بڑھانا شروع کردیئے۔ ۱۸ویں صدی میں روس، پولینڈ اور جرمنی کے سوا تقریباً پورے یورپ میں ان کی پوزیشن مستحکم ہوچکی تھی۔ پولینڈ سے یہود کے انخلاء کے نتیجے میں روس میں موجود دس لاکھ یہود کے لیے حالات سنگین تر ہوگئے۔ زار اور روسی چرچ کے جبر وانتقام کی چکی نے انہیں پیس کر رکھ دیا۔ اس کے برعکس جو ممالک نوآبادیات کی دولت اور تجارت سے مالا مال ہو رہے تھے۔ ان میں مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی اور یہودیوں سے نفرت میں بھی کافی کمی آچکی تھی۔ اس لیے ان کے لیے دن بہ دن بہتر ہو رہے تھے۔ سفاردیم یہود، بنکاری کے فن اور دیگر علوم میں مہارت کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ بن گئے۔ فرانس میں وہ عدلیہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوگئے اور شاہی دربار میں بھی نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ یورپ میں اقتصادی ترقی کی رفتار بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہود کا وقار بھی بلند ہوا۔ بعض ملکوں میں اگر ان کے ساتھ زیادتی ہوتی تھی تو دوسرے ملکوں میں اس کی تلافی بھی ہونے لگی۔ مثلاً ۱۷۴۵ء میں پراگ میں یہود کو لوئی چہاردہم نے اور فرانس کی ملکہ ماریہ تھریسا نے شدید برف باری کے دنوں ملک بدر کردیا۔ برطانیہ کے اشکنازی یہود کو جب اس کا پتہ چلا تو اس نے شاہ انگلستان جارج دوم کے سامنے اس داستان کو اتنے دردناک طریقے سے بیان کیا کہ وہ آبدیدہ ہوگیا، اس نے وی آنا میں اپنے سفیر کو ان یہودیوں کی وکالت کرنے کا حکم دیا۔ برطانیہ میں یہود کے حق میں اتنی ہمدردی پیدا ہوجانا پہلی تاریخی کامیابی تھی جس کے بعد انہوں نے لندن کو اپنی ریشہ دوانیوں کا مرکز بنالیا۔ یہاں ان کی ایک ''مجلس بہبود یہود'' قائم ہوگئی۔ برطانیہ میں ان کی دوسری شاندار کامیابی یہ تھی کہ انہیں رائل سوسائٹی کی ممبر شپ حاصل کرنے کی اجازت مل گئی جس کے بعد وہ سائنسی طبی اور علمی صلاحیتوں کا برملا مظاہرہ کرکے اپنا لوہا منوانے لگے۔ ۱۷۵۳ء میں ان کے سیاسی مقام کو بہتر بنانے کے لیے برطانوی پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کردیا لیکن عوام نے اس پر اس قدر احتجاج کیا کہ اسے کالعدم قرار دینا پڑا۔ جہاں برطانیہ میں انہیں شہریت کے حقوق حاصل کرنے میں دیر لگی وہاں امریکہ میں انہیں جلدی پورے شہری حقوق حاصل بھی ہوگئے۔ یوں وہ پہلی مرتبہ عیسائیوں کے استحصال، مذہبی تعصبات اور عوام کی نفرت اور غیظ وغضب سے محفوظ ہوکر اپنے درخشندہ مستقبل کا خواب دیکھنے لگے۔

جمہوریت، سوشلزم اور یہودی

کلیسا اور بادشاہت نے ایک دوسرے کی پشت پناہی اور ہمنوائی بھی کی اور ایک دوسرے کے خلاف مزاحمت اور تصادم کی راہ بھی اپنائی۔ ہر دو صورتوں میں انہوں نے یہود کے لیے مشکلات اور مصائب پیدا کیے۔ لہٰذا ان دونوں نظاموں یا اداروں سے مخاصمت اور دشمنی، یہودیوں کا اولین اور حتمی ہدف ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کے ساتھ صدیوں جو جوظلم وستم روا رکھا تھا عیسائیت اور اس کی قائم کردہ بادشاہت نے اس کا گن گن کر حساب لیا اور یہودیوں کی کئی نسلیں صدیوں اپنے آبا و اجداد کے مظالم کا خمیازہ بھگتتی رہیں۔ یورپ کے بادشاہوں نے انہیں اپنا کھلونا بنا کر بھی استعمال کیا اور تیر و تلوار اور نیزوں کی انی میں پرو کر بھی ان سے انتقام لیا۔ کبھی ان سے ساری دولت چھین کر انہیں ملک بدر کر دیا اور کبھی عوام کو اکسا کر انہیں مروا دیا۔

اس لیے یہود نے اپنی بقا اور اپنی آئندہ آنے والی نسل کے تحفظ کے لیے جمہوریت ہی کو اپنی جائے پناہ سمجھا۔ انہوں نے سوچا کہ بادشاہت کی طاقت اگر ایک فرد کی بجائے لاکھ دو لاکھ، دس لاکھ یا ایک دو کروڑ انسانوں میں بٹ جائے تو یہود سے باز پرس کرنے والا کون ہوگا؟ کیوں نہ ہم تجارت، علم اور دولت کے حربوں سے معاشروں، ذہنوں اور مزاجوں کو بدل دیں؟ انسانوں کی ٹھوس مجموعی قوت کو ووٹ کی کاغذی پرچی میں کیوں نہ منتقل کر دیا جائے؟ اور کرپشن کے گوناگوں حربوں کو استعمال کر کے ''جمہور کی قوت'' کو اپنی تابع فرمان لونڈی کیوں نہ بنا لیا جائے؟ ان سوالوں کے مثبت جواب نے ''جمہوریت'' کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ وہ کام جو ایتھنز، روم غرناطہ، بغداد اور فلورنس میں ممکن نہ ہوا تھا، لندن، پیرس اور نیویارک سے ہوتا ہوا آدھی دنیا کا مطالبہ بن گیا اور باقی آدھی دنیا کو بھی ایک یہودی کارل مارکس نے کمیونزم کی قربان گاہ پر لا کھڑا کیا۔

بادشاہوں سے اظہار بیزاری اور جمہوریت کے قیام کے لیے دوسروں کے پاس جو دلائل ہیں

ہم ان سے صرف نظر کرتے ہوئے یہود کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیتے ہیں جو اس کتاب کا اصل موضوع ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سرمائے کی قوت، ووٹر کی رائے پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اور وہ کس طرح ایک کٹھ پتلی کی طرح سرمایہ دار کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے مغربی جمہوریت کے باطن میں اچھی طرح جھانکنے کے بعد ہی کہا تھا:

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
گرمئ گفتار اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

مغربی جمہوریت کے اندر کئی تناقضات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ منتخب شدہ نمائندہ اکثریت کا نمائندہ نہیں بلکہ درحقیقت اقلیت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک حلقہ انتخاب ایک لاکھ ووٹرز پر مشتمل ہے اور دس امیدوار کھڑے ہیں۔ ۹ امیدوار اگر برابر برابر ووٹ لیتے ہیں تو کامیاب قرار پانے والا امیدوار وہی ہوگا جس کے چند ووٹ دیگر امیدواروں سے زیادہ ہوں گے، اس طرح وہ ان سب ووٹروں کا نمائندہ تو نہیں ہوگا جنہوں نے دوسرے امیدواروں کے حق میں ووٹ ڈال دیئے ہیں (یا بقول کسے ضائع کر دیئے ہیں) اس طرح وہ ایک حقیر اقلیت کا نمائندہ ہونے کے باوجود، اکثریت سے کامیاب شدہ قرار پائے گا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا کہ ووٹروں کی رائے کو متاثر کرنے میں سرمایہ دار غالب کردار ادا کرتا ہے، انتخابات میں نادیدہ قوتیں بہت کچھ کر جاتی ہیں اور ووٹروں کو احساس تک نہیں ہونے دیا جاتا کہ ان کے ساتھ کیا گھات ہو گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت میں دوسرا ناقابل علاج نقص، اہل علم اور علم سے کورے افراد کو یکساں عقل مند اور اصحاب دانش قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ ہر ایک کا ایک ہی ووٹ ہوتا ہے۔ بقول اقبال:

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ایسے "عوامی" نمائندوں کو خریدنا اور ان پر مشتمل ایوان سے اپنی مرضی کے فیصلے کرانا سرمایہ

داروں کے لیے کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہوتا۔ جرمن فلسفی تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl) جو صہیونیت کے بانیوں میں سے تھا، اس نے اپنی تصنیف ''یہودی ریاست'' میں جو اس نے ۱۸۹۶ء میں لکھی کہا تھا:

''دانشمندانہ اور معقول فیصلے پارلیمانی اداروں سے سرزد نہیں ہوسکتے۔ عوامی خواہشات کی صحیح نمائندگی اور ریاست کے حقوق و مفادات کی محافظ وہی شخصیتیں ہوتی ہیں جو تاریخی قوتوں کی پیداوار ہوں۔ حکمرانی کے لیے یہی شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں، یہ کام عوام کا نہیں۔''

ہرزل کو عیسائیت سے جو دشمنی تھی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی اور جمہوریت یہودیوں کے لیے ایک مفید اور کارآمد چیز بھی تھی، اس کے باوجود جمہوریت کی اصل حقیقت کے بارے میں وہ غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا۔ بالآخر اس نے صحافیانہ دیانت داری سے جمہوریت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔

فرانسیسی ادیب والٹیئر (Voltaire) جس کی تحریروں نے انقلاب فرانس کے لیے راہ ہموار کی، جمہوریت کے بارے میں طنزیہ سوال کرتا ہے:

"Whom Do You Want To Be Eaten By, One Thousand Rats Or A Lion."

(تمہاری موت آئے تو کیا پسند کرو گے؟ تمہیں ایک ہزار چوہے نوچ نوچ کر کھا جائیں یا شیر کا ایک ہی نوالہ بن جاؤ۔)

جرمن فلاسفر نیٹشے (Nietzche) کی عظیم تصنیف ''یوں کہا زرتشت نے'' کے چھٹے ایڈیشن مطبوعہ جارج ایلن اینڈ نون لمیٹڈ ۱۹۴۲ء کا دیباچہ ایک یہودی ڈاکٹر آسکر لیوی نے جس میں اس نے یہود کی ''جمہوریت'' کا یوں پول کھولا ہے:

''غریب اور امیر برابر ہوں، کمزور اور طاقتور برابر ہوں، جاہل اور عالم، ایک دوسرے کے مساوی ہوں — نہیں بلکہ جہلا امیروں، علماء اور طاقت وروں پر بھی سبقت لے جائیں — یہود نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر جمہوریت کا علم اٹھایا اور اپنے اخلاق سے دنیا کو مسخ کیا۔ سیاہ تہہ خانوں میں چھپ کر اس نے بڑی صفائی سے عظیم رومن ایمپائر کو پامال کیا۔ اس کے بعد اس نے دوسروں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ دنیا میں یہودیت کے علاوہ ایسے اخلاقی نظام موجود ہیں جو مخزن حیات نہیں، جو دنیا کو باطل قرار نہیں دیتے۔ منو کی کتاب والے قدیم ہندو، روما

اور یونان کی تہذیبیں، اسلام کی فتوحات اور اٹلی کی نشاۃ ثانیہ اس کی درخشاں مثالیں ہیں۔
انہوں نے ہماری طرح دنیا کو گداگر نہیں بنایا بلکہ اسے نعمتوں سے مالا مال کیا۔ ان کی قیادت
صرف چند لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو لاکھوں لوگوں کو ان کے مقام پر رکھتے تھے۔ ایتھنز، روم،
غرناطہ اور فلورنس نے کہاں گندی نالیوں والے علاقوں میں پھرتے پھرتے ووٹوں کی بھیک
مانگی تھی۔ ان کی پشت پر ایک عظیم اخلاق تھا جو عوام کو قول و فعل سے نیٹشے کے خدا کی طرح
مطمئن کر سکتا تھا۔ مخلوق میں سے کون ہے جو بلا قیمت زندہ رہنا چاہتا ہے۔ ہم وہ ہیں جن کو
زندگی نے خود ہمارے حوالے کیا ہے، ہم ہر لحظہ سوچتے ہیں کہ ہم نے اس احسان کے بدلے
انسانیت کو کیا دیا ہے؟''

یہ تھے وہ لوگ جنہوں نے یورپ کو سیکولر ڈیموکریسی کے آگے جھکایا اور خود اپنے دین کے
علمبردار بن کر یورپ کو ہر قدر، ہر عقیدے اور ہر مذہب سے بیگانہ کر کے اسے گمراہی اور جہالت کی
پٹی پڑھائی اور ماڈرن ازم اور ترقی پسندی کے خالی خولی نعروں پر رضامند کر دیا۔ یہودی از سرتاپا،
مذہبی ہوتا ہے لیکن دوسروں کا مذہبی ہونا اسے اس لیے گوارہ نہیں ہے کہ اس سے ان کی کھال بچی
رہتی ہے۔

یہودی روس میں

یہود کسی طرح روس میں بھی پہنچ گئے لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ دس لاکھ تعداد میں، کسی کے
خاص نوٹس میں آئے بغیر وہ کیسے جمع ہو گئے۔ روسی حکام کے لیے ان کا وجود قابل برداشت نہیں تھا۔
کیونکہ پولینڈ کو انہیں پناہ دینے کے بعد جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اہل روس کے لیے وہ کافی سامان
عبرت تھا۔ روسی عوام کے لیے ان کا مذہب اور تجارتی ہتھکنڈے بہت پریشان کن تھے۔ چنانچہ انہوں
نے ان کے خلاف مزاحمت شروع کر دی۔ روس کے دروازے ہر قوم کے باشندوں کے لیے کھلے
رہے تھے لیکن یہ رعایت یہود کے لیے نہ تھی۔ انہوں نے حکام سے مدد طلب کی اور اپنے تجارتی مفادات
کے تحفظ کی استدعا کرتے ہوئے یہ بھی یقین دلایا کہ ہم اپنی کاروباری صلاحیتوں سے روس کو بہت
فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن جواب ملا کہ ''ہم عیسیٰ کے دشمنوں سے کوئی مفاد نہیں چاہتے'' تاہم یہود نے
کسی نہ کسی طریقے سے روس کے چند علاقوں میں بعض شرائط قبول کر کے رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔

اس طرح یہ بحیرہ بالٹک سے بحیرہ اسود تک پھیل گئے۔ زار الیگزینڈر اول (۱۸۰۱-۱۸۲۵ء) نے ان کے لیے خصوصی قوانین نافذ کئے جن کی رو سے وہ صرف ان علاقوں میں زمینیں آباد کر سکتے تھے جن کے باشندے بیحد پسماندہ اور وحشی تھے۔ یہود کے بچوں کو تعلیمی اداروں میں اس شرط کے ساتھ داخلے دیئے گئے کہ وہ مسیحیت کا نصاب لازمی طور پر پڑھیں گے۔ ۱۸۲۶ء میں نکولس اول برسراقتدار آیا تو اس نے انہیں فوجی ملازمت میں لینے کا فیصلہ کیا۔ اس غرض سے بارہ بارہ سال کے یہودی بچے والدین سے چھین لیے جاتے۔ انہیں یہودیت کے اثرات سے پاک کرنے کے لیے خصوصی تعلیم و تربیت دی جاتی جس میں ان کی مار پٹائی، بھوکے پیاسے رکھنا، برفانی پانی میں غوطے دینا، سور کا گوشت زبردستی کھلانا اور برین واشنگ کر کے یہودیت کے مقابلے میں عیسائیت کی برتری تسلیم کرانا شامل تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہود کے مرکزی نظام کو، جسے وہ ''کہل'' کہتے تھے کمزور کر دیا گیا۔ انہیں اپنے معاملات اور جھگڑے خود طے کرنے سے روک دیا گیا، اس سے یہود اور روسی عوام کے درمیان نفرت کی ایک ناقابل عبور خلیج حائل ہوگئی۔ لیکن حکومت کو یہودیوں کے ردعمل کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ ۱۸۳۶ء میں روسی پادریوں نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ سارے فساد کی جڑ تلمود ہے۔ اسی نے انجیل کے تقدس کو مجروح کیا اور یہود کو عیسائی بننے سے روکا ہے۔ چنانچہ ۱۸۴۴ء میں ''کہل'' کے تمام اختیارات سلب کر لیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ایسے اقدامات بھی کیے گئے جن سے ایسے بچے جو فوجی تربیت کے قابل نہ تھے۔ ان کے لیے عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار پایا گیا۔ جو یہودی والدین اپنے بچوں کو گھر پر پڑھاتے تھے انہیں اس سے روک دیا گیا۔ اس کی ترغیب یوں بھی دلائی گئی کہ جن بچوں کو عیسائی اسکولوں میں بھیجا جاتا وہ فوجی تربیت سے مستثنیٰ کر دیئے گئے۔ ان اسکولوں کے سربراہ عیسائی ہوتے تھے اور اساتذہ کی بھرتی کے وقت ایسے افراد کو ترجیح دی جاتی جو یہودیت سے تائب ہو چکے ہوں۔ اس تعلیم کا مقصد بچوں کو بپتسمہ دے کر عیسائی بنانا تھا۔ نکولس کے عہد حکومت کے آخری دنوں چند یہودیوں کو اس جرم کی سزا ملی کہ انہوں نے ایک عیسائی بچے کا خون بہا کر بہوا کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔

جنگ کریمیا (۵۴-۱۸۵۶ء) میں مزید فوجیوں کی ضرورت پڑی تو یہودی بچوں کو بھرتی کرنے کا حکم دیا گیا جس کے انکار پر شدید سزائیں دی جانے لگیں۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو بھرتی

سے بچانے کے لیے ان کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں کاٹنا شروع کر دیں۔ یہودی نوجوان خودکشیاں کرنے لگے۔

فرار نکولس کے بعد ۱۸۵۵ء میں الیگزنڈر دوم جانشین ہوا تو اس نے یورپ کے کئی ممالک کی طرح اپنے کاشتکاروں کی بہبود کے لیے نئے قوانین بنائے جن سے یہود کو بھی فائدہ پہنچا، ان کے خلاف امتیازی سلوک کا کسی قدر خاتمہ ہوگیا، ان کے بچوں کی بھرتی کا قانون بھی کالعدم قرار دے دیا گیا، کسی حد تک انہیں دولت جمع کرنے کے اختیارات بھی مل گئے۔ اس دوران روس میں یہودیوں کی تعداد ۳۰ لاکھ سے بڑھ چکی تھی۔ انہیں روس کے علاقوں میں تجارت کا حق بھی دے دیا گیا۔ لیکن عوام اور پولیس نے ان اصلاحات پر عمل نہ ہونے دیا۔ اس پر رشوت کا سلسلہ چل نکلا اور نئے نئے مظالم بھی ہونے لگے۔ اب یہودی نوجوانوں میں آوارگی بھی پھیلنے لگی، وہ اپنے مذہب کی پابندیوں کو بہت بوجھ محسوس کر رہے تھے اور عیسائیت قبول کرنے کے فوائد سے بھی متمتع ہو رہے تھے۔ اب وہ اتنے آزاد خیال بھی ہو گئے کہ اپنے بچوں کو عیسائی اسکولوں میں بھیجنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔

خوفناک منصوبے کا انکشاف

حالات یہودیوں کے حق میں جا رہے تھے لیکن ایک واقعے نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ ۱۸۵۸ء میں جیک بریف نامی ایک یہودی نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد عبرانی زبان کی درس و تدریس شروع کر دی۔ اس نے یہودی لائحہ عمل پر مبنی کتاب "کہل" کے بارے میں ایک کتاب "دی بک آف کہل" تصنیف کی جس میں اس نے یہ ثابت کر دیا کہ یہود عیسائیت کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں اس کتاب کو سرکاری سرپرستی میں بڑے پیمانے پر شائع کیا گیا۔ اس پر ملک بھر میں ہنگامے ہونے لگے جن کے نتیجے میں ۱۸۷۱ء میں یہود کا قتل عام شروع ہوگیا جو چار دن جاری رہا۔ حکومت نے کوئی روک ٹوک نہ کی بلکہ الزام یہود پر لگا کہ انہوں نے میزبان ملک کے مذہب کے خلاف یہ سازش کیوں کی تھی۔ اس پر یہود کی اکثریت روس سے فرار ہو کر مغربی یورپ اور امریکہ پہنچنے لگی۔ جہاں انہیں "آبرومندانہ" طریقے سے آباد ہونے کے خاصے مواقع میسر آ گئے۔

روس کے زار الیگزینڈر دوم کے قتل کے بعد اس کا بیٹا الیگزینڈر سوم تخت نشین ہوا، اس کے زمانے میں اور اس کے جانشین زار نکولس ثانی (۱۸۹۴-۱۹۱۷ء) کے دور میں یہودیوں کی پکڑ دھکڑ مار

پٹائی اور قتل وغیرہ کا سلسلہ زوروں پر رہا۔ روسی چرچ کا وہ غصہ ابھی فرو نہیں ہوا تھا جو "دی بک آف کہل" کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا، یہودی معافی مانگنے روسی چرچ کے اسقف اعظم کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ "میری پالیسی یہ ہے کہ روس کے ایک تہائی یہودیوں کو قتل کرادوں، ایک تہائی کو فرار پر مجبور کردوں اور ایک تہائی کو عیسائی بنادوں۔"

یہود کا یہ وفد شدید مایوس ہو کر واپس آ گیا اور کنیسا میں ایک بڑے اجتماع کے اندر صورت حال کے بارے میں جب اپنی رپورٹ پیش کی تو سب زار و قطار رونے لگے، اجتماع میں اس صورت حال کو صبر سے برداشت کرنے اور مناسب موقع پر کارروائی کرنے کا فیصلہ کر کے خاموش ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء میں جب زار کے خلاف بغاوت کا لاوا پھوٹا تو یہودی اس کے مشعل بردار تھے۔ انہوں نے زار کو ختم کیا، روسی چرچ کو فنا کیا اور کیمونزم کی آڑ میں اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر اس لادینی اور کفر کو رائج کیا جس کے شعلے رفتہ رفتہ تمام مذاہب عالم کو آنچ دکھانے لگے۔ ایک یہودی (کارل مارکس) نے "نئے مذہب" کی بائبل "داس کیپٹل" لکھی، دوسرے دو یہودیوں (لینن اور ٹراٹسکی) نے اس کو روس کے "سرکاری مذہب" کے طور پر نافذ کیا۔ پھر اس کی تبلیغ مشرق اور مغرب کے ممالک میں اس طور پر کی گئی کہ سیکولر جمہوریتیں لرزہ براندام ہو گئیں۔

ساتواں باب

کمیونزم اور یہودیت کا تعلق؟

کیا یہ محض اتفاق ہے کہ کمیونزم کا خالق اور اس کے دست راست لینن اور ٹراٹسکی یہودی تھے اور روس میں کمیونزم کی راہ میں سے رکاوٹوں کو دور کرنے والا مرد آہن جوزف سٹالن بھی یہودی ماں کی گود میں پلا تھا۔

کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں جرمنی کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا، بون اور برلن یونیورسٹیوں میں قانون، فلسفہ اور تاریخ پڑھی اور پھر اقتصادیات کے مطالعہ میں مستغرق ہوگیا۔ اس نے اپنے ایک دوست انجلز (عیسائی) کے ساتھ مل کر ''کمیونسٹ مینی فیسٹو (۱۸۴۸ء)'' مرتب کیا اور اپنی ان سرگرمیوں کے باعث ملک بدر ہوکر لندن پہنچ گیا جہاں اس نے ''داس کیپٹل'' لکھی جسے ''کمیونزم کی بائبل'' بھی کہا جاتا ہے۔ مارکس نے بلاشبہ بڑی محنت سے اپنے معاشی اور معاشرتی نظریات پیش کئے اور ''تاریخ کی مادی تعبیر'' کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ دنیا میں جتنی بھی تبدیلیاں آتی ہیں ان کا محرک اقتصادی عمل ہوتا ہے اور تاریخ، طبقاتی جدوجہد کے حوالہ سے قدم آگے بڑھاتی ہے۔ مظلوم طبقے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے جو جدوجہد بروئے کار لاتے ہیں وہ سماجی تبدیلیوں کے لیے ایک قوت محرکہ (Motivating Force) ہوتی ہے۔ اس طرح اس نے جدلی مادیت (Dialectical Materialism) کا نظریہ پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دور میں دو معاشی طبقے موجود ہوتے ہیں۔ ایک ظالم اور دوسرا مظلوم۔ جب ظالم اپنے ظلم میں ایک خاص حد تک جا بڑھتا ہے تو دونوں میں خونریز تصادم ہوجاتا ہے۔ پھر ان دونوں میں ایک مصالحت (Synthesis) ہوجاتی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس مصالحتی وجود کے اندر ایک تضاد (Anithesis) ابھر آتا ہے، حسب سابق، ان دونوں میں پھر تصادم ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں تیسرا مصالحتی وجود، آ موجود ہوتا ہے۔ تاریخ اسی طرح ٹیڑھے میڑھے راستوں سے آگے بڑھ رہی ہے۔ بالآخر ایک غیر طبقاتی معاشرہ

(Classless Society) قائم ہو جائے گا اور ہر طرف اشتراکیت ہی اشتراکیت ہوگی۔

مارکس کے اس جدلی مادیت کے نظریئے (Dialectical Materialism) میں اہل علم نے کئی لغزشوں کی نشاندہی کی تھی۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ پھر تو کیمونزم دنیا کے ترقی یافتہ ترین صنعتی ممالک میں آنا چاہیے تھا، جب کہ یہ روس اور چین جیسے پسماندہ اور زرعی ملکوں میں آیا ہے۔ روس میں کیمونزم کی عمارت ۷۰ برس ہی قائم رہ سکی، اس کے گرتے ہی ملک ٹکرے ٹکڑے ہو گیا۔

مارکس کے اس فلسفے میں مذہب کو قوت محرکہ اور انقلاب خیز قوت تسلیم کرنے سے انکار کا عنصر موجود ہے۔ پر جوش کیمونسٹ اپنی مذہب دشمنی میں یہاں تک چلے گئے کہ مذاہب کے پیروکاروں کو پسماندہ، رجعت پسند اور سرمایہ پرست جیسے ذلت آمیز خطابات دیتے رہے۔

اس ضمن میں نیٹشے کی کتاب — ''یوں کہا زرتشت نے'' کے مقدمہ نگار ڈاکٹر لیوی کی تحریر کا حوالہ دینا نامناسب نہ ہوگا، یہ خود بھی یہودی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ کہتا ہے:

''سوشلسٹ، اس دنیا کو مادی مفاد کی عینک سے دیکھتے ہیں، لیکن بالغ نظر افراد جانتے ہیں کہ انسان کو محض مادی محرکات ہی عمل پر نہیں اکساتے۔ اس کے اندر نور فروزاں ہوتا ہے، اسے بعض ''دیگر عناصر'' سے بھی تحریک ملتی ہے۔''

''دیگر عناصر'' سے ڈاکٹر لیوی کا اشارہ (کیونکہ وہ یہودی ہے) اس ''سرچشمے'' کی طرف ہے جس نے یہود کو فلسطین دوبارہ حاصل کرنے کی ترغیب دی اور انہوں نے اس کے لیے کئی قربانیاں دیں اور مسلسل متحرک رہے۔

ڈاکٹر لیوی کے بقول:

''مارکس تاریخ کے مادی نظریئے کا علمبردار ہے، اس نے ہیگل کے پیغام کو الٹ دیا ہے۔ ہیگل کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک خیال (Idea) حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے جب کہ مارکس اس کے برعکس یہ نظریہ پیش کر رہا ہے کہ حقیقت (Matter) خیال کا روپ دھار لیتی ہے۔ مارکس کے نزدیک اقتصادی حالت ہر حال میں سیاسی طاقت کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ ایک زمانے میں اس طاقت کے حاملین نے اقتدار کو جنم دیا اور اپنے دور کے نظریات کو فروغ دیتے رہے۔ جب کہ مارکس تاریخ کو اس جدل سے تعبیر کرتا ہے جو دولتمندوں (Haves) اور ناداروں (Have Nots) کے درمیان جاری ہے۔ چنانچہ ہیگل کی ''روح کائنات'' کی جگہ

مارکس کی ''طبقاتی کشمکش'' سکہ رائج الوقت بن گئی۔''

ممتاز ہسپانوی مؤرخ لوئی کرال اپنی کتاب ''دی ریپ آف یورپ'' (The Rape of Europe) میں مارکسی نظریات پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مارکسی جدلیاتی تاریخ کے ٹیڑھے میڑھے راستے پر اس روحانی سطح کی وساطت سے نہیں پہنچا جس کا حوالہ ہیگل نے دیا تھا بلکہ تاریخی و اجتماعی فکر کی بدترین پست ترین اور ناقص ترین سطح سے ہوکر گزرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی یہودی اپنی تاریخ کو حال کے مثبت زاویئے سے نہیں دیکھ سکتا بلکہ اسے مستقبل میں لے جاکر اس کا جائزہ لیتا ہے کہ اس کا ماضی محض خیالی اور روایتی نہیں بلکہ تاریخی ہے۔ یہ تاریخ ایک شجرے کی شکل میں مرتب ہوئی اور تیر کی طرح حال سے ہوتی ہوئی مستقبل کی تکمیل میں کھو جاتی ہے— (صفحہ ۱۵۱)

''اگر ہیگل کے نظریئے کے مطابق تاریخ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ کر رک چکی تھی تو مارکس نے اسے نشیب کی طرف دھکیل دیا تاکہ گردش میں رہے۔ خواہ یہ گردش اس کو ٹکڑے ٹکڑے ہی کیوں نہ کردے— (صفحہ ۱۶۸)

''انجلز مارکس کا دوست تھا لیکن وہ مذہباً عیسائی تھا، شاید اس نے غیر محسوس طور پر اپنے دوست کی فکر میں یہودیت کی بو سونگھ لی تھی۔ اس نے اس کے نظریات میں ترمیم کرنے کی کوشش کی لیکن یہودی فنکار اپنا کام کر گیا تھا اور اس کا زہر سارے یورپ کی رگوں میں سرایت کر چکا تھا۔''

''انجلز نے خود اپنے دوست کے گیارہ برس بعد اس کے نظریات کو روسی سرمایہ داری کے پیش نظر نرم کرنے کی کوشش کی لیکن لینن (یہودی) نے مارکس کے خیالات کو اپنا لیا اور انہیں پوری طرح استعمال کیا۔'' (ریپ آف یورپ ص ۱۷۴)

''لینن نے مارکس کے نظریات کو جو معنی پہنائے اس کا مطلب سارے یورپ اور اس کے سماجی طبقات کو ذلیل کرنا یا کم از کم ان ملکوں کو ہدف بنانا تھا جو صنعتی ترقی کر رہے تھے۔ مارکس نہایت بے حیائی سے انتقام کا آلہ کار بن گیا، اس نے بغاوت کا علم اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی اس نظریئے کے جراثیم نے یورپ کے جسم میں پھیل کر خوفناک نتائج پیدا کیے۔

(دی ریپ آف یورپ ص ۱۸۲)

مارکس ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا جب کہ روس میں کیمونسٹ انقلاب ۱۹۱۷ء میں برپا ہوا۔ لینن نے اپنی زندگی یہودیت اور کیمونزم کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اسے جنگ عظیم کے دوران روس میں زار کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا اور وہ جرمنی میں بیٹھا، جرمنوں ہی کے خلاف سرگرم عمل تھا۔ ۱۵/مارچ ۱۹۱۷ء کو زار نے تخت سے دستبرداری کا اعلان کیا تو لینن دو سو مسلح یہودی کامریڈوں کے ساتھ اسپیشل ٹرین کے ذریعہ رات کے اندھیرے میں روس کی سرحد پر پہنچا۔ ٹراٹسکی جو بغاوت کے جرم میں روس بدر کیا جا چکا تھا وہ بھی تین سو مسلح یہودی کامریڈوں کے ہمراہ روس پہنچا۔ دونوں نے سٹالن کو اپنی آمد سے مطلع کیا اور تینوں نے بالشویک تحریک کو سنبھال لیا اور یہی تحریک بعد میں سرخ انقلاب کی شکل بن گئی۔

سرخ انقلاب کی کامیابی کے بعد ان لوگوں نے روسی مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ خفیہ پولیس نے مسلم کشی اور مسلم آزاری کے سلسلے میں ہر قسم کی شرافت اور حیاء کو بالائے طاق رکھ دیا۔ یہ اندوہناک اور لرزہ خیز داستان ابھی تک رقم نہیں کی جا سکی کہ مسلمانوں کو یہودیوں نے زیادہ دکھایا یا کیمونسٹوں نے۔

یہود کے خلاف عوامی نفرت

بیسویں صدی میں مغربی یورپ میں یہود کے خلاف عوامی سطح پر نفرت کے جذبات مزید شدت اختیار کر گئے۔ کیونکہ جمہوریت کے نام پر جو لوگ منتخب ہو کر ان کی قسمتوں کے مالک بن رہے تھے۔ وہ ان کے حقیقی رہنما نہ تھے۔ مٹھی بھر با اثر افراد سرمائے کے بل بوتے پر منتخب ہو رہے تھے، سرمایہ دار یہود اپنی پسند کے لوگوں کو کامیاب کروا رہے تھے۔ فیکٹریوں میں کام کرنے والے مل ورکرز کانیں کھود کر لوہا اور کوئلہ نکالنے والے مائین ورکرز، زمین کا سینہ چیر کر فصلیں اگانے والے کاشتکار بمشکل اپنی زندگی کی گاڑی کھینچ رہے تھے۔ محنت کشوں کی بھلائی کے نام پر معرض وجود میں آنے والے کیمونزم پر بھی یہود کی گہری چھاپ موجود تھی۔ جب لوگ دیکھتے کہ ان کے وطن میں غاصبوں کی طرح دھرنا مار کر بیٹھنے والے، خود کو جلاوطن سمجھنے والے، عوامی مقاصد سے کوئی ہمدردی نہ رکھنے والے یہود، عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی اور تجارت پر قابض ہیں اور امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے ہیں، انہیں اعلیٰ مقامات پر رسائی حاصل ہے، ملکوں ملکوں کے معاملات میں مداخلت کرتے ہیں، حکومت کو قرضے دے کر اپنا مطیع

بناتے ہیں، یہ فیکٹریوں بنکوں اور کانوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، جتنا روپیہ لگاتے ہیں اس سے کئی گنا کما لے جاتے ہیں۔ انہیں دلچسپی ہے تو صرف اپنوں سے، یا یروشلم سے، جس سے وفاداری کا عہد وہ ہر روز تازہ کرتے ہیں— "یروشلم! اگر میں تجھے بھول جاؤں تو میرا دایاں ہاتھ اپنی عیاری کو بھول جائے" تو عوامی ذہن کو شدید دھچکا لگتا۔

عوام کی یہود سے ویسے بھی صدیوں سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ وہ خدا اور چرچ سے بغاوت کرنے کے بعد بھی حضرت عیسیٰؑ پر ایمان رکھتے تھے جنہیں انہی یہود نے اذیتیں دی تھیں۔ چنانچہ انتخابات کے موقع پر ہر ملک کا سیاسی نمائندہ اپنے ملک اور علاقے کی پسماندگی کے لیے یہود کو ذمہ دار ٹھہراتا، مخالف امیدوار کو یہودی یا یہود کا ایجنٹ قرار دیتا اور عوام کا نمائندہ بن جاتا۔ چنانچہ ہر انتخابی مہم میں یہ بات دہرائی جاتی—

"ہر مصیبت یہود کی پیدا کردہ ہے" اس رویئے کی وجہ سے مغربی یورپ میں ایک تحریک اٹھی جسے "سامی کش" (Anti-Semitism) تحریک کہا جاتا ہے، جو آج بھی شدومد سے جاری ہے۔

یہ تحریک عوامی سطح پر نمایاں ہونے سے قبل بھی موجود تھی۔ یہود کے سازشی وجود کو تو لوگ صدیوں پہلے محسوس کرتے آرہے تھے مگر ہر نئے واقعہ کے پیچھے یہودی کی کارفرمائی کو دیکھ کر نفرتوں میں دن بہ دن، ماہ بہ ماہ اور سال بہ سال اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن بعض واقعات یا اتفاقات اچانک بھونچال بھی پیدا کردیتے۔ مثلاً ۱۸۷۰ء میں فرانس کی تجارتی منڈیوں میں بحران پیدا ہوگیا۔ سرمایہ یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ وہ اس بحران کے بھی مجرم (Manipulators) ٹھہرے۔ اسی دور میں ایک جرمن ولہم مارنے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا "یہود کی جرمن پر فتح— غیر مذہبی نقطۂ نظر سے محاسبہ" یہ کتاب سامی کش تحریک کی بائبل بن گئی۔ اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی، ایڈیشنوں کے ایڈیشن چھپتے اور چند دنوں میں ختم ہوتے جاتے۔

فرانس میں یہود کے خلاف چلنے والی نفرت کی آندھی جرمنی میں بھی پھیل گئی اور بیس برس تک ملک کی سیاسی اور معاشی زندگی کو متاثر کرتی رہی۔ اس سلسلے میں کئی مذہبی اور غیر مذہبی تحریکیں یہود کے خلاف ابھریں۔ یہاں تک کہ ان کا حلقہ اثر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی پھیل گیا۔ جرمن قوم سیاسی وحدت، آریائی نسل اور دوسری قوموں پر اپنی برتری قائم کرنے کے جذبے سے سرشار تھی۔ اس جذبے نے عیسائیت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ وہ بھی یہودیت کی پیداوار تھی لیکن حضرت عیسیٰؑ کو اس سے

مستثنیٰ قرار دینے کے لیے آریائی ثابت کیا گیا اور دعویٰ کیا گیا کہ آپ یروشلم کے باشندے نہیں بلکہ جلیلیہ کے رہنے والے تھے۔ اس خیال کو تقویت پہنچانے کے لیے جرمن فلاسفر اور تاریخ دان ٹریشکے (Treitshke) نے بڑا کام کیا۔ اس کا یہ مقولہ بہت مشہور ہوا— "یہود ہماری بدقسمتی ہیں۔"

فرانس میں سامی کش تحریک کو ایک اور واقعہ سے بھی تقویت ملی اور وہ یہ تھا کہ یہودیوں نے پانامہ شہر بنانے کا ٹھیکہ حاصل کرلیا اور اس سلسلے میں انہوں نے اتنا روپیہ خورد برد کیا کہ فرانس کے ہزاروں شیئر ہولڈر پائی پائی کے محتاج ہو گئے۔ ان کے دلوں میں یہود کے خلاف نفرت میں مزید شدت پیدا ہوگئی، اس کے ساتھ انہیں طاقتور اور "باوقار" وزیر اعظم کلیمنشو (Clemenceau) پر بھی شدید غصہ آیا جسے یہودیوں نے مالی اور جنسی رشوتوں کے بل بوتے پر خرید لیا تھا اور اسے یہاں تک "زیر بار احسان" کرلیا کہ اس نے ان کی پسندیدہ شرط پر اتنا بڑا ٹھیکہ نسبتاً کم بولی کا ٹھیکہ دے دیا۔ جو فرانسیسی شہری وزیر اعظم اور یہودیوں کی اس ملی بھگت کے نتیجے میں کنگال ہو گئے تھے ان کی نفرت ہر چہرے پر لکھی ہوئی تھی اور یہودی قدم قدم پر اس کا نشانہ بن رہے تھے۔

یہود نے عوامی نفرت کو محسوس کر کے اپنے داخلی دفاع کو مزید مضبوط بنانا شروع کر دیا۔ جو یہودی سرکاری ملازمتوں میں اعلیٰ عہدوں اور فوجی مہمات پر مامور تھے۔ ان کی خفیہ سرکاری رازوں اور کاغذات تک رسائی ہو چکی تھی، وہ یہ کاغذات دشمن کے ہاتھ فروخت کر کے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتے اور اپنے اندرونی اور بیرونی مفادات کا تحفظ کر لیتے۔ اس سلسلے میں ایک یہودی کیپٹن الفرڈ ڈرلفس کا نام مشہور ہے جسے راز چوری کرنے حکم عدولی اور بغاوت کے جرم میں کورٹ مارشل کر دیا گیا۔ اس پر یہود نے دنیا بھر میں "ظلم کے خلاف احتجاج" کیا، حکومت فرانس جو پہلے ہی ان کے دباؤ میں چلی آرہی تھی، بالآخر اسے بری کر دیا اور اسے ترقی دلوا کر اعلیٰ تر مقام بھی دے دیا۔

اس قسم کے واقعات کے پیچھے ان دنوں راتھس چائلڈ کا ہاتھ ہوا کرتا تھا، یہ بہت بڑا یہودی خاندان تھا جس کی دولت کا کوئی شمار نہ تھا۔ فرینکفرٹ، وی آنا، لندن، نیپلز اور پیرس میں کئی بنکوں کا مالک تھا۔ اکثر حکومتیں اس کے زیر اثر یا مقروض تھیں۔ اپنے اسی اثر و رسوخ اور لمبے ہاتھوں کے ذریعہ اس نے پہلی جنگ عظیم میں جرمن فوج اور اس کے جنگی نقشوں کے راز اتحادی طاقتوں تک پہنچائے اور اس کی قیمت کے طور پر یہود کے لیے فلسطین حاصل کیا۔ لیکن اس سازش پر ہٹلر نے یہود کو جو سزا دی اسے یہ قوم قیامت تک فراموش نہ کر سکے گی۔ نازیوں نے جرمنی میں ساٹھ لاکھ یہود کو کیفر

کردار تک پہنچایا، اس سلسلے میں یہود نے سینکڑوں کتابیں لکھیں اور اپنی بے گناہی اور نازیوں کے مظالم کا رونا رویا لیکن ان کے جرائم دغابازی کے سینکڑوں واقعات کس سے چھپے رہ سکتے ہیں۔

فحاشی اور عریانی کے اڈے

یہود نے ہر ''ہتھیار'' کو جو چل سکتا ہو، خوب چلایا اور میزبان ملکوں کے اخلاق کو تباہ کیا۔ انہوں نے اپنی سرگرمیاں سیاسی عیاری تک کبھی محدود نہیں رکھیں۔ عورت کو سیاسی عناصر تک رسائی کے لیے خصوصی ہتھیار بنایا۔ جرمنی میں انہوں نے کئی قحبہ خانے اور لواطت کے اڈے قائم کئے۔ ماہر جنسیات ہیولاک ایلس کے تیار کردہ ایک سروے کے مطابق برلن شہر میں ۲۰ ہزار لونڈے جنس فروشی کرتے تھے۔ جرمن صحافی جولیس اسٹریچر نے اس کاروبار کا ذمہ دار یہود ہی کو ٹھہرایا۔

انڈیانا یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ابلاغیات اسٹیون الن کار (Steven Carr) نے ۲۰۰۰ء میں ''ہالی وڈ اینڈ اینٹی سیمٹزم'' (Holly Wood & Anti-Semitism) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے فلمی صنعت کی تاریخ کے مختلف ادوار میں نسل پرستی کے اثرات اور دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصے میں یہودیوں کے کردار پر سیر حاصل معلومات فراہم کی ہیں اور بتایا ہے کہ یہودیوں نے دنیا کے اس سب سے بڑے فلمی مرکز کو کس طرح اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ کتاب میں امریکہ میں یہودیوں کے خلاف پائے جانے والی نفرت کے واقعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب کیمبرج یونیورسٹی پریس نے شائع کی ہے۔

کتابیں غائب کرانا

جیرالڈ سمتھ نے بین الاقوامی یہود کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے ناپید کرنے کے لیے یہودیوں نے ایک ایک کتاب آٹھ آٹھ سو ڈالر میں خرید کر ''امیوں'' کے ہاتھ لگنے سے بچا لی۔ اس کتاب میں جرمنوں کے خلاف یہود کی کارگزاریوں پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے فاضل مصنف لکھتا ہے:

> ''یہود نے ہمیشہ یورپی قوموں کے باہمی تنازعات میں ناجائز دخل اندازی کی اور امن و جنگ، دونوں صورتوں میں اس کے فوائد حاصل کئے۔ راتھس چائلڈ (جس کا ذکر پچھلے صفحات

میں آچکا ہے) خاندان نے ان معاملات میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور دوسرے دولتمند یہودی خاندانوں سے مل کر پہلی جنگ عظیم میں جرمنوں کو شکست دلانے میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ امیر یہودی جو جرمن فوجوں کو خوراک اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کرنے کے ٹھیکیدار تھے وہ گھٹیا مال سپلائی کرتے، جرمن مزدوروں اور کارکنوں کو ہڑتالیں اور پرتشدد مظاہرے کرنے کی ترغیب دیتے اور یہ کام اتنے ''خلوص' اور شائستگی'' کے ساتھ کرتے کہ جرمن حکام کو ان کی سبوتاژ کی کارروائیوں کا احساس تک نہ ہوسکا۔ اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے امریکہ پر دباؤ ڈال کر اسے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کرنے پر آمادہ کرلیا۔ ان کی چال کا کمال یہ ہے کہ پہلے تو یہ جنگ کا میدان گرم کرتے ہیں، بعد میں ان کے دشمنوں کی امداد کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ دونوں اطراف سے اپنا مفاد حاصل کرتے ہیں۔ جنگ کے اختتام پر فاتح اور مفتوح کے درمیان شرائط صلح طے کرتے ہیں اور ہر طریقے پر اپنی جیت کا واضح اطمینان کرلیتے ہیں۔ یہاں تک کہ شکست کھانے والے ملک سے بھی اپنے دیئے ہوئے قرضوں کی پائی پائی وصول کرلیتے ہیں۔ صلح نامہ ورسائی (Versailles-1919) اس کی واضح ترین مثال ہے۔''

پہلی جنگ عظیم میں امریکہ کا ملوث ہونا امریکی یہودیوں کے شدید دباؤ اور چالبازیوں کا نتیجہ تھا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو امریکی حکومت اس سے لاتعلق رہنا چاہتی تھی۔ لیکن یہودی اس میں شریک ہونے کے لیے بے چین تھے۔ ان کی یہ خواہش برنارڈ باروچ کی کوششوں سے پوری ہوئی جو صدر ولسن کا گہرا دوست اور دست راست تھا، اسے وہائٹ ہاؤس میں اتنا رسوخ حاصل تھا کہ وہ خود کو امریکہ کا بنجمن ڈسرائیلی (Disraeli) قرار دیتا تھا، جنگ کے دوران اس نے امریکی کانگریس سے بھی خطاب کیا اور کہا کہ میرے اثر کو امریکہ میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دعویٰ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ شخص نہ ہوتا تو امریکی قوم اس جنگ سے بدستور علیحدہ رہ سکتی تھی۔

جہاں تک امریکی عوام کا تعلق تھا وہ اصل صورت حال سے بالکل بے خبر تھے۔ کسی نے جنگ چھڑنے سے پہلے اس شخص کا نام تک نہ سنا تھا لیکن جنگ کے زمانے میں وہ حقیقی معنوں میں امریکہ کا ڈکٹیٹر بن گیا، فی الواقع امریکیوں کا وہ رہنما بن گیا اور غلط فیصلے کرانے میں زبردست مہارت کا مظاہرہ کرنے لگا۔

جنگ کے بعد صلح کانفرنس میں بھی باروچ نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور وہ اس کانفرنس میں وفد

کے رکن کی حیثیت سے شریک ہوا جس کی صدارت ولسن نے کی تھی۔ باروچ کے علاوہ بھی کئی اور یہودی کانفرنس کے خفیہ اجلاسوں اور نشستوں کی کارروائیاں مانیٹر کرتے رہے۔

امریکہ کے یہودی ہفت روزہ ''نیوز ویک'' نے اپنے ۵/جون ۱۹۵۷ء کے شمارے میں یہودیوں کے برطانیہ سے خفیہ معاہدے کو ازخود افشا کیا اور لکھا:

''پہلی جنگ عظیم کے دوران جرمنی کے خلاف یہود کی اعانت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ حکومت برطانیہ نے اعلان بالفور جاری کیا جس میں صیہونی اغراض و مقاصد کی حمایت کا وعدہ کیا گیا تھا۔''

نیوز ویک کی اس رپورٹ کی تائید فلسطین رائل کمیشن رپورٹ کے اس اقتباس سے ہوتی ہے۔

''یہودی لیڈروں نے ہم سے یہ حتمی وعدہ کیا تھا کہ اگر اتحادیوں نے فلسطین میں ان کے قومی وطن کے قیام کے لیے سہولتیں بہم پہنچانے کا عہد کرلیا تو وہ اتحادی مقاصد کی حمایت کے لیے یہود کی اعانت مجتمع کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔''

یہ معاہدہ رنگ لایا۔ یہود نے جرمنی کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ جس ملک نے چند سال قبل انہیں پناہ دی، ان کو وطنیت کا حق دیا، تجارت اور کاروبار کے سارے حقوق سونپے جن کی دولت اور عزت کا دار و مدار جرمنوں کے خون پسینے پر تھا، موقع پر یہود نے جرمنی کو ایسے ڈسا کہ پندرہ برس تک اسے سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوسکی۔ اسے ایسا معاہدہ صلح قبول کرنا پڑا جس کی رو سے وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔

یہ یہودی سازشوں کا ادنیٰ سا کرشمہ تھا لیکن یہ واقعہ صرف جرمنی ہی میں رونما نہ ہوا تھا، اس سے پہلے مسلمانوں نے انہیں اسپین میں کلی اختیارات بخشے تھے۔ بغداد میں مساوی حقوق دیئے، ترکی میں وزارتیں عطا کیں۔ مصر میں شاہی طبیب خاص کے عہدے پر بھی فائز کیا لیکن وہ بچھو کا کردار ادا کرنے سے باز نہ آئے۔ ہر مقام اور ہر موقع پر سازشیں کر کے مسلمانوں کو زک پہنچاتے رہے۔

❖

آٹھواں باب

فلسطین

یہود فلسطین کو تو صدیوں سے اپنے خوابوں میں سجائے ہوئے تھے اور ''ارض موعود'' پر بلاشرکت غیرے قبضہ کرنے کے لیے طویل المیعاد اور قلیل المیعاد منصوبے اور سازشیں کرنے میں مصروف رہے۔ کیونکہ اس قبضے کو وہ اپنا مذہبی، معاشرتی اور سیاسی حق سمجھتے ہیں۔ اس کے حوالے سے شاعر مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر بہت برمحل ہے۔

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ حق نہیں کیوں اہل عرب کا

یہودیوں کو اپنی بداعمالیوں کی جو سزا ملی، وہ اسے خندہ پیشانی سے سہتے رہے اور مختلف ملکوں میں اپنا سر چھپانے کے لیے مقامی لوگوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے لیکن ارض فلسطین میں واپسی کے خیال کو کبھی ذہن سے نکلنے نہیں دیا۔ ''اعلان بالفور'' نے ان کی آنکھوں میں امید کے چراغ جلا دیئے۔ ایک جرمن یہودی موسیٰ ہیس (۱۸۱۲-۱۸۷۵) نے صیہونیت کا علم بلند کر دیا۔ اس نے ''روم اور یروشلم'' کے عنوان سے ۱۸۶۲ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے فلسفے، سوشلزم، سائنس اور مذاہب عالم کی بنیادوں پر اپنے فکر کی تعمیر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ''اب ساری دنیا کا مستقبل یہود کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ فوراً اپنی قومی آزادی کے لیے جدوجہد کر کے ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں سے وہ ساری دنیا کا احاطہ کر سکیں، چاروں اطراف سے ان کے ساتھ بھی فوری رابطہ قائم ہو سکے اور مقام..... ان کے دلوں کا مرکز..... ان کی مقدس سرزمین...... یہوا کی بادشاہت کا اصل وطن..... ارض فلسطین ہے۔''

چنانچہ مختلف ممالک میں آباد زندگی کے مختلف شعبوں میں مصروف یہودیوں نے مرحلہ وار پروگراموں کے تحت فلسطین کا رخ کر لیا، موسیٰ ہیس کے علاوہ بھی یہودی مفکرین صحافیوں ادیبوں اور

دانشوروں نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ آسٹریا، روس، جرمنی اور فرانس میں ''یہودی ریاست'' کے حق میں مضامین اور مقالات چھپنا شروع ہو گئے۔ جو جو یہودی کسی وجہ سے اپنے کاروبار میں سیٹ نہیں ہو رہے تھے یا کسی مقامی مسئلے سے دوچار تھے انہیں ''چلو چلو فلسطین چلو'' کے مشورے ملنے لگے۔ متمول تاجر اور صنعت کار یہودی ان مفلوک الحال لوگوں کو چندے اکٹھے کرنے، بھاری بھاری رقوم دے کر فلسطین کے لیے وداع کرتے اور وہاں زمینیں خریدنے کے لیے بھی فنڈز دیتے۔

اسی طرح جرمن فلسفی تھیوڈور ہرزل کی تصنیف ''یہودی ریاست'' نے بھی جو ۱۸۶۹ء میں لکھی گئی دنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین پہنچنے اور اپنے قائدین کی ''ہدایات'' کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کی۔ ہرزل نہایت متعصب یہودی تھا اور تمام مروجہ مذاہب سے شدید نفرت و بغض رکھتا تھا۔

۱۸۸۷ء میں روسی یہودیوں نے ''محبان صہیون'' (Lovers of Zion) نام سے ایک پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اس پارٹی کے بعض سرگرم ارکان پر تقریباً چھ برس بیشتر زار الیگزینڈر (ثانی) کے قتل کا الزام لگا جس پر حکومت نے ان کی خوب درگت بنائی اور ان میں سے زیادہ تر فرار ہو کر امریکہ اور یورپ پہنچ گئے۔ بعض روسی یہودی فلسطین جا پہنچے جہاں انہوں نے طبریہ سفید اور یروشلم میں آبادکاری کے لیے خلافت عثمانیہ سے اجازت مانگی۔ اجازت نامے کے لیے انہوں نے رشوت اور سازش دونوں سے کام لیا۔ ترک حکومت نے یہودی اور عیسائی زائرین کو یروشلم کے مذہبی مقامات پر رسوم ادا کرنے کے لیے کافی فیاضی سے کام لیا تھا لیکن یہودیوں کو آبادکاری کی اجازت نہ دی۔

فلسطین پہنچنے والے یہودیوں نے تھیوڈور ہرزل کی اس نصیحت کو ہمیشہ طرز جاں بنائے رکھا:

''جب تک یہودیوں کو اپنا وطن نہیں ملتا، انہیں سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس قومی اور مذہبی نصب العین کے لیے — اور اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ اور ہر ہتھیار جائز ہے، زن، رشوت، شراب اور فحاشی — جہاں یہ کام نہ دیں تو قتل کرنے سے گریز نہ کیا جائے۔''

یہود نے جس سرزمین کو اپنے صدیوں کے خواب کی تعبیر قرار دیا وہ ان کی صدیوں کی غلط فہمی اور صدیوں کا فریب تھا، انہیں فلسطین پر غلبہ حاصل کرنے اور وہاں ریاست قائم کرنے کا کوئی اخلاقی، قانونی اور تاریخی جواز موجود نہیں تھا۔ ۱۹۱۴ء میں فلسطین میں ان کی تعداد عربوں کے مقابلے میں آٹھواں حصہ تھی اور حالت یہ تھی کہ یورپ میں جب انہیں اپنی غلط حرکتوں اور سازشوں پر مار پڑتی تو

وہ فلسطین کا رخ کرتے لیکن جب اس کے وحشت خیز صحراؤں اور بے آب وگیاہ زمینوں کو آباد کرنا پڑتا تو ان کا مذہبی جذبہ سرد پڑ جاتا اور جب انہیں کبھی خبر ملتی کہ جرمنی، اسپین، اٹلی، برطانیہ، پولینڈ، ترکی یا یورپ کے کسی اور حصے میں یہود کو قدرے سکون کی زندگی حاصل ہے تو وہ پھر بھاگ نکلتے اور یہوا کی موعود سرزمین سے فرار ہونے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔

ممتاز برطانوی مؤرخ ٹائن بی، فلسطین کے سرزمین یہود ہونے کے دعوے کو مضحکہ خیز اور احمقانہ قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''اٹھارہ سو برس کے بعد یہ بات ہرگز نہیں کہی جا سکتی کہ فلسطین یہود کا وطن ہے، ورنہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ (یو ایس اے) ریڈ انڈینوں کی ملکیت ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو برطانیہ اور دوسرے کئی ممالک کی صورت حال بالکل بدل جائے گی۔ میرے خیال میں یہود کا فلسطین پر بجز اس کے کوئی حق نہیں کہ وہ وہاں ذاتی جائیدادیں خرید سکتے ہیں۔ انہیں وہاں ریاست قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بیحد بدنصیبی کی بات ہے کہ وہاں مذہب کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کر دی گئی ہے۔''

ایچ جی ویلز اپنی کتاب (The Outlook For Homosapiens) میں لکھتا ہے:

''ہمیں جاننا چاہیے کہ بائبل کا تربیت یافتہ یہودی سخت ضدی اور ہٹ دھرم ہے جس نے وکیلانہ استدلال کی تربیت پائی ہے۔ عیسائیوں نے گھاٹے کا سودا کیا لیکن اپنی بات پر اڑے رہے۔ یہیں سے عرب قوم کی مصیبت کا آغاز ہوا۔ ولیم شیکسپیئر نے یہود کی بے رحم ضد کو شائی لاک کی صورت میں دیکھا۔ یہ یہود آج بھی یہوا کی جان کو آنے کے لیے ''دیوار گریہ'' سے لپٹ کر اس وعدے کی تکمیل چاہتے ہیں جس سے اس نے مستقل طور پر انحراف کیا اور اب وہ برطانیہ کا سر کھا رہے ہیں کہ اعلان بالفور کی روشن امیدوں کو پروان چڑھائے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ برطانیہ متضاد معاہدوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو، ان صہیونیوں کو باہمی خطرات اور اپنی قوم کے باہمی مفادات کا بھی غم نہیں۔ ساری دنیا جائے جہنم میں، ان معاملوں میں صہیونیوں کو دنیا کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔ ان کا طرز عمل غضب ناک قرض خواہ جیسا ہے۔ ان کے لیے معاہدات، اعلانات اور عہد نامے رگ جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس سے بحث نہیں کہ ابھی دنیا طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہے۔ دنیا کی کوئی قوم

انہیں اس کی شرائط پر قبول نہیں کرسکتی۔"

محض بالفور کا خط اور جرمنوں کے خلاف یہودیوں کی سازش ہی انہیں فلسطین پر تسلط دلوانے کے لیے کافی نہ تھی۔ اس کے لیے جو دوسری وجوہ تھیں وہ بھی بدنیتی پر مبنی تھیں جنہیں سمجھنے کے لیے کسی دور از کار منطقی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً

۱- امریکہ اور یورپ کے تمام ممالک یہود کو آزاد شہری بنا کر ان کی ریشہ دوانیوں اور ہوس زر کا مزہ چکھ چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ عیار قوم ان کی بادشاہتوں، سلطنتوں، مذہب، تہذیبوں اور سرمائے پر ہاتھ صاف کر چکی ہے اور اگر اس کے یہی اطوار ہیں تو وہ دن دور نہیں جب امریکہ اور یورپ کا ہر شخص ان کی ہوس کی چکی میں پس رہا ہوگا۔ چنانچہ وہ ان سے ہر قیمت پر نجات پانا چاہتے تھے۔ انہیں باہر دھکیلنے کے لیے یہ مناسب ترین موقع تھا۔

۲- یہود نے امریکہ اور برطانیہ کے بیشتر اشاعتی اداروں، اخبارات و جرائد اور پریسوں پر اس طرح قبضہ کرلیا تھا کہ ان دونوں ملکوں کے عوام کے ذہن ان کے فراہم کردہ مواد پر پلتے تھے (یہ صورت حال اب بھی برقرار ہے) امریکہ کے نشریاتی ادارے اور بنک یہود کی ملکیت میں جا رہے تھے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ہالی وڈ اور فلمی دنیا پر ان کا تسلط ہے۔ منشیات اور فحاشی کے کاروبار کے پیچھے انہی کا سرمایہ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ان مصیبتوں سے نجات کا واحد راستہ یہ تلاش کیا گیا کہ اس بلا کو عربوں کے سر منڈھ دیا جائے اور انہیں اسرائیل میں آباد کر دیا جائے۔

❖

نواں باب

پروٹوکولز — خوفناک منصوبہ

پچھلے باب میں ''محبان صہیون'' کے مقصد قیام کا ذکر آچکا ہے جس کے تحت دنیا بھر کے یہودیوں کو ''ارض موعود'' پر یورش کرنے کا اذان عام دیا گیا تھا اور انہیں راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے بھی واضح ہدایات دے دی گئی تھیں۔ اب ہم دوسری خفیہ تنظیموں کا ذکر کر رہے ہیں، جن میں سے زیادہ قابل ذکر ''فری میسنز'' (Free Masons) ہیں۔ اس تنظیم کو دیگر مذاہب سے نمٹنے کے لیے ایک لائحۂ عمل دیا گیا۔ جو یہ تھا:

۱- لوگوں کو مذہب سے بیگانہ اور بدظن کیا جائے، مقامی مذاہب کا تنقیدی مطالعہ کر کے ان میں سے منفی نکات یوں ترتیب دیئے جائیں کہ انہیں پھیلا کر انتشار کی صورت پیدا کی جاسکے۔ عوام کے ذہنوں پر مذہب کی ایسی بھیانک تصویر بٹھائی جائے کہ وہ اگر مذہب دشمن نہ بن سکیں تو کم از کم لبرل اور سیکولر ضرور بن جائیں۔

۲- مختلف مذاہب کی مقتدر اور معتبر شخصیات کو آپس میں لڑایا جائے۔ مذہبی کتابوں کے اوراق پھاڑ کر راتوں کو عام جگہوں پر یوں پھیلا دیا جائے کہ یہ مخالف فرقے یا مذہب کی کارستانی دکھائی دے۔

۳- جب مذاہب یا فرقوں کے درمیان پہلے سے چپقلش چلی آرہی ہو اس کو تیز تر کر دیا جائے، ممکن ہو تو نمایاں اور معتبر افراد کو ایسے طور پر قتل کر دیا جائے کہ مخالف فریق اس ذمہ داری سے نہ بچ سکے۔

اس تنظیم کی شاخیں دنیا کے تقریباً ہر ملک کے اہم شہروں میں کی گئیں۔ مقامی آبادی کے ممتاز لوگوں کو اس کی رکنیت کے دائرے میں لانے کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں۔ متعدد مسلم ممالک میں فری میسنز کی قابل اعتراض سرگرمیاں حکام کے نوٹس میں آئیں تو انہوں نے ان کو خلاف قانون قرار

دے دیا۔ پاکستان میں ۱۹۶۰ء کے عشرے میں فری میسنز کو ممنوع قرار دے کر اس کی عمارتوں پر بحق سرکار قبضہ کر لیا گیا تھا۔

خفیہ دستاویزات

۱۹۱۸ء میں یہود کی ایک عظیم سازش پکڑی گئی جس کے انکشاف پر پورے یورپ میں ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ یہ خفیہ دستاویزات "Protocols of the elders of Zions" کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ان میں یہود کے وہ منصوبے درج ہیں جو انہوں نے دنیا کو اپنا غلام بنانے کے سلسلے میں تیار کیے تھے اور زار روس ـــــ الیگزنڈر دوم کو اسی منصوبے کے تحت قتل کیا گیا تھا۔

سازش طشت از بام ہو جائے یا ناکام ہو جائے اس سے جان چھڑانے اور اس کے وجود سے انکار کیے بغیر کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہود نے ان سے مسلسل اظہار لاتعلقی کیا۔ ''عالمی انصاف'' کو پکار پکار کر اپنی بے گناہی کا یقین دلایا لیکن شواہد کی جو کڑیاں یکے بعد دیگرے آپس میں ملتی رہیں، ممتاز شخصیات کے پراسرار قتل و اغوا کے جو واقعات منظر عام پر آتے رہے وہ ''پروٹوکولز'' کے مقاصد کے ساتھ اتنی گہری مناسبت رکھتے تھے کہ یہودیوں کی کذب بیانی کا پردہ مسلسل چاک ہوتا رہا۔

زار الیگزنڈر دوم کا پراسرار قتل روسی تاریخ کا نہایت اہم موڑ تھا، تمام قرائن اس میں یہود کے ملوث ہونے کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور پروٹوکولز کا ذکر بھی آرہا تھا جب کہ یہود اس سے اپنی لاتعلقی ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ۱۸۹۴ء میں زار کے جانشین نکولس دوم نے تخت سنبھالا تو اس کے سامنے بھی یہود نے بے گناہی کے ثبوت پیش کرنا شروع کر دیئے، استغاثہ نے بھی زار کو اپنے موقف سے باخبر کر دیا۔ یہود کو جب پتہ چلا کہ نکولس نے اپنی تسلی کے لیے پروٹوکولز کی نقول منگوالی ہیں تو نادیدہ ہاتھوں نے اچانک حملہ کر کے نکولس کو اس کے پورے خاندان سمیت ہلاک کر دیا۔

پروٹوکولز کے سلسلہ میں جو شواہد مل رہے تھے، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ یہودیت سے تائب ہونے والا ایک شخص جیکب بریف ۱۸۵۸ء میں جب آرتھوڈاکس سیمیناری میں عبرانی زبان کا استاد مقرر ہوا تو ثابت کیا کہ روس کے یہود، سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کو اپنا تقاضہ ایمان سمجھتے ہیں اب بھی اپنی ''قومی عدالت'' چلا رہے ہیں اور خفیہ جماعت ''کہل'' حسب دستور اپنا کام کر رہی ہے جس کا مقصد عیسائیت کو بدنام کر کے لوگوں کو اس سے نفرت دلانا ہے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے

ملنے والے شواہد نے، یہود کی زبان صفائی گنگ کر دی لیکن منصوبے پر عمل درآمد کی رفتار تیز تر ہو گئی۔

سازش کا انکشاف

یورپ کے مختلف مراکز پیش آنے والے واقعات کے بعد روسی ماہرین اور مفکرین نے متعدد مقامات پر اجلاس کئے اور ان میں مستقبل کے منصوبے بنائے لیکن ان میں سے ایک اجلاس بڑی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ اس میں ان کے وہ رہنما شریک ہوئے جنہیں ان کی اصطلاح میں ۳۳ ویں درجہ کے نمائندے کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل ذیلی کمیٹیوں کی کئی نشستیں ہوئیں، جن میں پچھلی کارگزاریوں کی روشنی میں نئی تجاویز مرتب کی گئیں اور حتمی منظوری کے لیے اس جلاس میں پیش ہوئیں۔ ان نمائندوں نے بڑے غور وخوض کے بعد ان پر اپنے تائیدی وتصویبی دستخط کئے مختلف نوعیت کے مسائل اور ان کے حل کو ''پروٹوکولز'' کا نام دیا گیا۔

چند سال بعد ان پروٹوکولز کی ایک کاپی یہود کی خفیہ تنظیم فری میسن کی ایک اعلیٰ عہدیدار خاتون کے گھر سے چوری ہو گئی۔ جو کسی طرح ۱۹۰۲ء میں دو روسی اخباروں نے شائع کر دی۔ روسی پادری پروفیسر سرجائی، اے، نائلس (Sergyei A.Nilus) نے اس کے اندر دنیائے عیسائیت کے خلاف ایک عظیم سازش کو محسوس کیا اور اسے جذبہ خدمت مذہب وانسانیت کے تحت ۱۹۰۵ء میں کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ یہ کتاب بیحد مقبول ہوئی۔ ۱۹۱۷ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ سالہا سال سے یورپ بھر میں رونما ہونے والے واقعات و ''حادثات'' کا کسی نہ کسی طریقے سے یہودیوں کے ساتھ رشتہ جڑ رہا تھا اور انہی کے مفادات کو تقویت مل رہی تھی۔

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی ایک کاپی روسی سنسر سے پاس ہو کر برٹش میوزیم لائبریری میں پہنچ گئی۔ پروٹوکولز کو روس میں رائس پیپر پر بھی ٹائپ کیا گیا اور انہیں وسیع پیمانے پر سائبیریا میں مفت تقسیم کیا گیا۔ وہیں سے ایک نسخہ ۱۹۱۹ء کے اواخر میں امریکہ پہنچ گیا جہاں اس کا بڑے اہتمام کے ساتھ انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔ دریں اثناء روس میں مارننگ پوسٹ کا نمائندہ خصوصی وکٹر ای مارسیڈن (Victor E.Marsden) ماسکو میں اپنی دو سالہ سزائے قید بھگتنے کے بعد انگلستان پہنچا تو اس نے پہلی فرصت میں برٹش میوزیم لائبریری میں بیٹھ کر اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلے شائع ہونے والے امریکی ترجمے سے بہتر ثابت ہوا اور زیادہ آسانی سے سمجھ میں آ رہا تھا۔ انگلستان میں یہ ترجمہ ۱۹۲۰ء

میں شائع ہوا۔

جرمنی میں فیوہرر ہٹلر نے بھی جو پہلے سے یہود گزیدہ تھا اس کے کئی زبانوں میں ترجمے کرائے مگر اس میں حیرت کی بات یہ تھی کہ جتنے پیمانے پر جرمنی میں یہ شائع ہوتے اتنی ہی تیزی سے نایاب ہو جاتے۔ کیونکہ جہاں بھی کتاب چھپتی یہودی یا ان کے ایجنٹ اس کے سارے نسخے خرید کر تلف کر دیتے۔ تا کہ دنیا ان کے عزائم سے ناواقف رہے۔

فری میسن تحریک آج کل بھی دنیا بھر میں کام کر رہی ہے مگر جن ممالک میں اسے غیر قانونی قرار دے دیا گیا ہے وہاں اس کا نام بدل دیا گیا ہے۔ مگر ہر جگہ اس میں عورتوں کے لیے دواز ے بند ہیں۔ کیونکہ ابتدائی راز ایک عورت ہی نے منکشف کیا تھا، غیر سرکاری تنظیموں (N.G.O's) میں سے بیشتر ''فری میسنری'' کے مقاصد کی تکمیل کر رہی ہیں۔ بظاہر یہ مخیرانہ (Philanthropist) سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ لیکن اصل مقاصد دوسرے ہیں۔

آیئے اب پروٹوکولز کے بارے میں دنیا کی ممتاز شخصیات، اداروں اور تنظیموں کی آراء اور تبصروں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

پراسرار پیشگوئی

''جب سے یہود کی عالمی تسخیر کی پیشگوئی سامنے آئی ہے، اس سے پہلے یہ جزوی طور پر عملی جامہ پہن چکی تھی بلکہ اس میں کافی پیش رفت ہو چکی ہے۔ کیا ہم جرمنوں کے عالمی تسلط کے لیے قائم شدہ خفیہ تنظیم کو تباہ کرنے میں سالہا سال تک مصائب اس لیے برداشت کرتے رہے کہ اس کے پنجے سے بھی زیادہ خطرناک اور زیادہ پراسرار منصوبے سے دوچار ہو جائیں؟

کیا ہم شکنجہ جرمن میں پھنسنے سے اس لیے بچ گئے تھے کہ ہم پنجہ یہود میں آ جائیں۔''

(دی ٹائمز۔ لندن۔ ۸ رمئی ۱۹۲۰ء)

''اس خوفناک فرقے نے اپنے تسلط کے لیے جو منصوبہ بنا رکھا ہے اس کے پہلے مراحل طے ہو چکے ہیں یعنی عام انقلاب برپا کرنے کے لیے کئی تختے الٹ دیئے جائیں گے۔ تمام مذاہب داخلی انتشار سے دوچار ہو جائیں گے۔ ملکیتیں مٹ جائیں گی، قانون شکنی عام

ہو جائے گی اور معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔"

(لیپے باروویل (۱۷۹۷ء) مضموب بعنوان "مسیحیت دشمن منصوبہ")

"جب تک بالشوازم کو بیخ و بن سے اکھاڑ نہیں دیا جاتا یہ کسی نہ کسی شکل میں یورپ میں پھیلتا رہے گا اور بالآخر دنیا کے دیگر حصوں میں بھی جا پہنچے گا۔ کیونکہ اس کے پیچھے یہودی ذہن کار فرما ہے اور وہی اس کے سلسلے کو آگے پھیلا رہے ہیں، اس فرقے کی کوئی قومیت نہیں۔ اس لیے دنیا کے نظم و ضبط کو تباہ کرنا ان کے مفاد میں ہے۔"

(برٹش گورنمنٹ وہائٹ پیپر۔ رشیا، نمبرا (۱۹۱۹)

"اب اس امر کا ٹھوس ثبوت مل چکا ہے کہ بالشوازم ایک بین الاقوامی تحریک ہے جس کا کنٹرول یہودیوں کے پاس ہے۔ امریکہ، فرانس، روس اور انگلستان میں موجود یہودیوں کے درمیان اس سلسلے میں روابط قائم ہیں اور اشاروں اور ہدایات کا سرگرمی سے تبادلہ ہو رہا ہے تاکہ وہ اپنے اقدامات میں ہم آہنگی پیدا کر سکیں۔"

(ڈائریکٹوریٹ آف انٹیلی جنس ہوم آفس
سکاٹ لینڈ یارڈ لندن۔ غیر ملکی سفارت
خانوں کو بھیجی گئی۔ رپورٹ
۱۶/جولائی ۱۹۱۹ء)

"یہودیوں کی یہ تحریک نئی نہیں ہے۔ سپارٹاکس ویشاپٹ (Spartacus Weishaupt) (جو ۱۷ء ق۔م کی غلاموں کی بغاوت کا لیڈر تھا) کے زمانہ سے لے کر بیلا کون (ہنگری) تک روسہ لکسمبرگ (جرمنی) سے لے کر ایما گولڈ مین (امریکہ) تک کئی عالمگیر سازشیں ظہور میں آتی رہی ہیں جن کا مقصد تہذیب کو تباہ کرنا اور معاشرے کو ایک مخصوص بنیاد پر دوبارہ منظم کرنا جو ان کے خبث باطن اور کینہ پروری کے مقاصد کی تکمیل کر سکے گا اور ایک ناقابل عمل مساوات قائم کرے گا۔" (ونسٹن چرچل: السٹریٹڈ سنڈے ہیرالڈ ۸/فروری ۱۹۲۰ء)

''جولوگ ''پروٹوکولز'' کی اشاعت کو محض الزام تراشی یا ہتک سمجھتے ہیں، ان کے پاس اس کے ازالے کا ایک راستہ کھلا ہے۔ انہیں بس اتنا کرنا چاہیے کہ پروٹوکولز کی تصنیف سے انکار کے بجائے ان میں سے ظاہر ہونے والی پالیسی کی برملا مذمت کریں۔ لیکن جب آپ انہیں پڑھیں تو کوئی بھی معقول شخص ان سے ظاہر ہونے والے سچ کا انکار نہیں کر سکتا۔

(نارمن جیکیوئس، ممبر پارلیمنٹ، کینیڈین ہاؤس، آف کامنز ۹؍جولائی ۱۹۴۳ء)

''موجودہ دور کے حالات دیکھ کر مجھے ''پروٹوکولز'' کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ صورت حال صہیونی منصوبوں کے بالکل مطابق ہو رہی ہے۔ یہ ۱۶ سال پیشتر شائع ہوئے تھے۔ یہ نہ صرف موجودہ حالات پر صادق اترتے رہے ہیں بلکہ آج بھی ویسے ہی اتر رہے ہیں۔

(ہنری فورڈ نیو یارک ورلڈ ۱۷؍فروری ۱۹۲۱ء)

یہ افسانہ نہیں، یہ خوفناک حقیقت ہے

جس کسی نے بھی پروٹوکولز کے لیے اپنا ذہن استعمال کیا ہے بلاشبہ وہ فطرت انسانی، تاریخ اور امور ریاست کا گہرا ادراک رکھتا تھا اور ان حقائق سے بھی مکمل طور پر آگاہ تھا جو بالآخر اقتدار کی منزل سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ یہ کوئی افسانوی باتیں نہیں بلکہ خوفناک حقیقت ہے۔ یہ محض اندازے نہیں بلکہ سوچی سمجھی منصوبہ بندی ہے۔ یہ جعلی طور پر لکھ کر کسی کے کھاتے میں نہیں ڈالے گئے بلکہ زندگی کے خفیہ چشموں سے گہری واقفیت رکھنے والوں کا منصوبہ ہے۔

(دی ڈیئر بورن انڈی پنڈنٹ ۱۰؍جولائی ۱۹۲۰ء)

سانپ اور عورت

ان پروٹوکولز (دستاویزات) میں سے ہر ایک اپنے اندر ایک خاص پیغام، ایک خاص لائحۂ عمل اور ایک خاص تجزیہ رکھتا ہے۔ جن اعتماد کے لوگوں یا عہدیداروں تک مخصوص پیغام پہنچانا

مقصود تھا (یا ہے) وہ اسے خوب اچھی طرح جانتے اور اس کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔

پروٹوکولز نمبر ۳ میں جس ''علامتی سانپ'' کا ذکر ہے اس کے متعلق پروفیسر سرجائی نائلس نے ۱۹۰۵ء کے ایڈیشن میں لکھا:

''یہودیوں کی خفیہ تنظیم کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ ذہین اور فہیم یہودیوں نے دنیا کو پرامن ذرائع سے سانپ کی سی مکاری اور عیاری سے فتح کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس سانپ کا علامتی سر ان لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جنہیں اس تنظیم کے خفیہ منصوبوں پر عمل درآمد کے سلسلے میں مکمل اعتماد میں لیا گیا ہے۔ سانپ کے دھڑ سے مراد یہودی قوم ہے۔ اس تنظیم کو ہمیشہ خفیہ رکھا گیا۔ یہاں تک کہ خود یہودی قوم کو بھی اس کا علم نہیں۔ اس سانپ نے جن قوموں میں راہ پائی ہے وہاں کی ریاستوں کی تمام قوتوں کو کمزور اور مفلوج کر کے ہڑپ کرتا گیا۔

یہودی عورتیں

''اس سانپ کا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس نے طے شدہ منصوبے کے مطابق اپنا مجوزہ راستہ طے کرتے ہوئے صیہون (فلسطین) میں اپنا سر نکالنا ہے (نکال بھی لیا ہے..... مؤلف) اور اس مقصد کے لیے اس نے پورے یورپ کا چکر لگا کر اسے اپنے گھیرے میں لینا ہے۔ اس طرح یورپ کو پابند سلاسل کر کے پوری دنیا کو گھیرنا ہے اور دوسرے ملکوں کو مطیع بنانے کے لیے ان پر مالی اور اقتصادی غلبہ حاصل کرنا ہے۔ صیہون کی طرف سانپ کی مراجعت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمام یورپی حکومتیں کمزور اور بے بس نہ ہو جائیں۔ یعنی جب تک اقتصادی بحران اور ہمہ گیر تباہی و بربادی لوگوں کو روحانی اور اخلاقی پستی کے گڑھے میں نہ دھکیل دے۔ اس مقصد کے لیے خوبصورت یہودی عورتوں کو استعمال کیا جائے گا۔ یہ عورتیں دوسری قوموں کے رہنماؤں میں اخلاقی بے راہ روی پیدا کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر اور یقینی ذریعہ بنیں گی۔''

''جن ممالک سے یہ سانپ گزر چکا ہے اور یہودی عورت اپنا کام دکھا گئی ہے ان میں آئین، قانون اور اخلاق کی بنیاد کھوکھلی ہو گئی ہے۔ اس وقت تمام تر توجہ روس پر مرکوز ہے، اس نقشے پر

(جو اس کتاب کے شروع میں دیا گیا ہے) سانپ کا آئندہ راستہ نہیں دکھایا گیا۔ لیکن تیروں کے نشانات سے ماسکو (کیف) اڈیسہ کی طرف اس کی آئندہ حرکت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس کا رخ مشرق (مسلم ممالک کی طرف مڑ جاتا ہے) جب اس علاقے پر اسرائیل کی گرفت مکمل ہو جائے گی تو اینگلو انڈین بلاک کے ایماء پر اور ان کے براہ راست مداخلت سے، جس کی حمایت کمیونسٹ ممالک بھی کریں گے باقی اسلامی دنیا پر قبضہ آسان ہو جائے گا۔"

❖

وثیقہ: ا

بنیادی نظریہ

دنیا میں طاقت اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے کئی تصورات کے تحت کام ہو رہا ہے۔ تاہم اس ضمن میں ہمارے یعنی ہم یہودیوں کے تصورات، غیر یہودی اقوام کے تصورات سے مختلف اور منفرد ہیں۔ ہم طاقت کو حق یا غلبہ حاصل کرنے کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک حق طاقت کے اندر ہی پوشیدہ ہے۔

بنا بریں ان پروٹوکولز (دستاویزات) میں ہم مروجہ تصورات کے عمومی معنوں سے ہٹ کر اپنے مقاصد کے تحت ان کے معنی متعین کریں گے اور الفاظ کے گورکھ دھندے میں نہیں الجھیں گے۔ چنانچہ ہم ذیل کے تصورات کی نئی تعریف متعین کریں گے۔

اقتدار، حق اور طاقت

اقتدار، حق اور طاقت، سیاسی آزادی، قوت زر، مطلق العنان استبداد، عوامی رہنمائی، اخلاقی اقدار و استحقاق، عوام کی کمزوری، عیاشی و فحاشی، فریب کاری، ذرائع اور وسائل اور اسباب نصرت۔

یہ امر نوٹ کیا جانا چاہیے کہ دنیا میں اچھے لوگوں کی بہ نسبت برے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس لیے ان پر کامیاب حکمرانی جبر و تشدد اور دہشت گردی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے، علمی بحث مباحثوں سے نہیں۔ ہر شخص اقتدار اور قوت حاصل کرنے کا متمنی ہے اور اسے حاصل کرنے کے بعد ڈکٹیٹر بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد واقعی بہت کم ہے جو سب کے اجتماعی مفادات کو اپنے ذاتی مفاد پر قربان کرنے کے لیے رضامند نہ ہوں۔

ان شکاری درندوں، جنہیں عرف عام میں انسان کہا جاتا ہے، کو اپنی درندگی کا مظاہرہ کرنے سے کس نے روکا ہے؟ اب تک ان کی رہنمائی کا فریضہ کون انجام دیتا رہا ہے؟

معاشرتی ڈھانچے کی تشکیل کے آغاز میں ان انسان نما درندوں کو جبر و تشدد سے اور اندھی

بہری قوت کے ذریعہ قابو میں لایا گیا، بعد ازاں اس تشدد کی قوت کو قانون کا لبادہ اوڑھا کر استعمال کیا گیا۔ اس سے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ قانون فطرت کے مطابق حق، قوت کے اندر مضمر د پوشیدہ ہے۔

سیاسی آزادی

سیاسی آزادی محض ایک تصور کا نام ہے، اس میں کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے، ہمیں اس تصور کو بوقت اشد ضرورت استعمال کرنے کا طریقہ معلوم ہونا چاہیے۔ ہمیں اس تصور کو بطور چارہ استعمال کر کے عوام کو اپنے گرد جمع کر لینا چاہیے تاکہ صاحبان اقتدار کو ان کی مدد سے گرایا جائے اور گرا کر تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اگر ہمارا حریف یعنی حکومت، سیاسی آزادیوں کے تصور سے سرشار ہو اور نام نہاد لبرل ازم کی حامی ہو تو اس کو گرانا اور بھی زیادہ آسان ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حکومت اپنے لبرل ازم کے عہد کو نبھانے کے لیے اپنے اقتدار کا کچھ حصہ قربان کرنے پر آمادہ رہتی ہے۔ بس اسی سے اس نظریہ کی کامیابی دکھائی دیتی ہے۔ حکومت کی باگوں (Reins) میں پیدا ہونے والی ڈھیل، اس کشمکش کے نتیجے میں ابھرنے والے نئے ہاتھوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہے اور وہ بڑھ کر انہیں تھام لیتے ہیں۔ کیونکہ قوم کی اندھی طاقت گائیڈ کے بغیر ایک لحہ کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتی اور اس خلا کو نئی اتھارٹی پر کرتی ہے جس نے پرانی اتھارٹی کو اس سے لبرل ازم کے ذریعہ کمزور کر کے پچھاڑ دیا ہوتا ہے۔

قوت زر

جو طاقت کسی زمانے میں لبرل حکمرانوں کو حاصل ہوتی تھی ہمارے دور میں آج وہ زر یا سونے کو حاصل ہے، یہ وہ زمانے ہوا کرتے تھے جب عقیدے اور ایمان کی حکمرانی تھی (مگر یہ اب نہیں ہے)۔ آزادی کے تصور کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا کیونکہ کسی کو اس کے صحیح اور اعتدال پسندانہ استعمال کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہے۔ کسی طبقے یا علاقے کے لوگوں کو کچھ عرصہ کے لیے محدود آزادی یا سیلف گورنمنٹ سونپ کر دیکھ لیجئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک غیر منظم گروہ ابھر آئے گا، ایک ہی نہیں کئی گروہ نمودار ہو جائیں گے جو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں گے۔ ہر طرف جھڑپیں، اختلاف و انتشار، بدنظمی اور خانہ جنگی کی کیفیت دکھائی دینے لگے گی۔ بالآخر سب کچھ مٹی کا ڈھیر بن جائے گا۔

مطلق العنان استبداد

کوئی ریاست خواہ اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے خودختم ہوجائے یا داخلی انتشار اسے بیرونی دشمن کے لیے نوالہ تر بنا دے، دونوں صورتوں میں یہ ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گی۔ اس صورت حال تک اسے ہم ہی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ سرمائے کا استبداد ہوگا جو کہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ اسے ہمیں ایک خاص طریقے سے استعمال کرنا ہے۔ ریاست کو ہمارے سرمائے کا سہارا لینا ہوگا جیسے ڈوبتا ہوا انسان تنکے کی طرف بھی جھپٹتا ہے۔ وہ چاہے یا نہ چاہے، اپنے بچاؤ کے لیے یعنی ڈوبنے سے بچنے کے لیے ہماری طرف بڑھے گا۔ جو ریاست ہمارا سہارا نہ لے گی غرق ہوجائے گی۔

اگر کوئی لبرل ذہن کا آدمی یہ سوچنے لگے یہ طرز فکر غیر اخلاقی ہے تو میں اس سے یہ سوال پوچھوں گا کہ اگر ایک ریاست کے دو دشمن ہوں جن میں ایک داخلی ہو اور دوسرا خارجی۔ یہ ریاست اپنے بیرونی (خارجی) دشمن کے خلاف ہر ناجائز حربے اور طریق جنگ بشمول اس کی لاعلمی میں بڑا حملہ کرنے اور شبخون مارنے کو جائز سمجھے تو آخر کس منطق کی رو سے ایسی ریاست کے خلاف وہ کارروائی غیر اخلاقی اور ناجائز قرار پائے گی جس نے اجتماعی فلاح کے تصور کی جڑیں کاٹ دی ہوں اور انسانی معاشرے کو تباہ کرنے کے درپے رہتی ہو۔

عوامی رہنمائی

کیا کوئی صحت مند اور منطقی ذہن کا حامل فرد محض اپنے معقول مشوروں اور فصیح و بلیغ دلائل کے ساتھ عوامی ہجوم کی رہنمائی کرنے میں کامیاب ہونے کی توقع کرسکتا ہے؟ جب کہ ہر معاملے میں انتہائی احمقانہ اور متضاد نوعیت کے اعتراضات کیے جاسکتے ہیں جنہیں عوام کے سطحی اذہان بلا تاخیر قبول بھی کرلیتے ہیں۔ عوام کی اکثریت اور ان کے نام نہاد نمائندے ادنیٰ قسم کے عقائد، حقیر جذبات اور بے ہودہ رسوم و روایات کے زیر اثر جماعتی اختلاف و انتشار کے شکار ہوجاتے ہیں اور پھر ان کا کسی معقول ترین فیصلے پر متفق ہونا محال ہوجاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ عوامی مجمع کی منظور شدہ قرار دادا کی قسمت کا انحصار محض حسن اتفاق یا حاضر شدہ عوام کی اکثریت پر ہوتا ہے۔ ان عوامل کی بنا پر سیاسی اسرار و رموز سے یہ ناواقف، بے خبر اور جاہل عوام ایک ایسی نامعقول قرار داد بھی منظور کرلیتے ہیں جو انتظامیہ میں طوائف الملوکی، انتشار اور بدنظمی کے بیج بو دیتی ہے۔

اخلاقی اقدار

سیاست اور اخلاق میں کوئی قدر مشترک نہیں ہوتی۔ اخلاقی قدروں کا علمبردار انسان کبھی ماہر سیاست داں کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا اقتدار کبھی پائیدار و مستحکم نہیں ہوسکتا۔ مضبوط حکمرانی کرنے کے خواہش مند شخص کو مکر وفریب، چالاکی وعیاری، ظاہرداری اور بناوٹی رویہ اختیار کرنے پر قدرت حاصل ہونی چاہیے۔ دیانت و امانت، قومی کردار اور حق گوئی وغیرہ قسم کی اخلاقی اقدار کا کارزار سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ سیاست میں یہ چیزیں خوبیاں نہیں بلکہ عیب شمار ہوتی ہیں۔ ان اقدار کو اختیار کرنے والے حکمرانوں کا زوال ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ وہ ایسی تباہی کو دعوت دیتے ہیں جو کسی طاقتور ترین دشمن کے ہاتھوں بھی ممکن نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان اوصاف کو غیر یہودی مملکتوں میں ہی پھلنے پھولنے دیجئے۔ ان سے ہمارا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔

استحقاق

استحقاق کی حدود کیا ہیں، یہ کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے؟ لفظ حق یا استحقاق ایک مجرد خیال ہے جس کو کسی طرح ثابت و متعین نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حق طاقت کے اندر مضمر ہے۔ اس کی توضیح یوں ہوسکتی ہے۔ ''مجھے وہ کچھ دیدو جو میں چاہتا ہوں تا کہ میں یہ ثابت کرسکوں کہ میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں۔'' ہر وہ ریاست جس کا نظام حکمرانی کمزور اور ناقص ہو جس کے قوانین حریت پسندوں کے بڑھتے ہوئے مطالبات اور حقوق کے سیلاب کے سامنے دم توڑ چکے ہوں۔ وہاں ایک نیا حق معرض وجود میں آجاتا ہے اور وہ ہے طاقت ہونے کی حیثیت سے دھاوا بولنے کا حق، پہلے سے موجود اور مروج قوانین اور نظم وضبط برقرار رکھنے والی قوتوں کو درہم برہم کرنے اور تاخت وتاراج کردینے کا حق۔ تا کہ میں من مانی کرسکوں۔ تمام اداروں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کران لوگوں کا حکمراں اعلیٰ بن سکوں جو حریت پسندی اور لبرل ازم کے جنون میں اتنا آگے چلے گئے کہ ان کے لیے اپنے حقوق حکمرانی سے دستبرداری کے سوا کوئی راہ باقی نہ رہی۔

عصر حاضر کی حکومتوں کی تمام لڑکھڑاتی صورتوں کے مقابلے میں ہماری طاقت ناقابل تسخیر ہوگی کیونکہ یہ اس وقت تک پردۂ اخفا میں رہے گی جب تک یہ اتنی مضبوط نہ ہوجائے کہ کوئی عیار سے عیار دشمن بھی اسے نہ نقصان پہنچا سکے۔ ہمارے پیش نظر ایک خاص منصوبہ ہے جو بڑی محنت اور کمال

درجے کی حکمت عملی سے تیار کیا گیا ہے، لہٰذا اس کی متعینہ حدود سے منحرف ہونا صدیوں کی محنت اور عرق ریزی کو ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔

عوام کی کمزوری

عوام میں چند کمزوریاں ہوتی ہیں۔ ہمیں اپنے پروگراموں پر عمل کرنے کے لیے عوام کی کمزوریوں پر پوری نظر رکھنی چاہیے۔ عوام الناس اندھے، بے شعور، کم عقل اور بے سمجھ ہوتے ہیں۔ ان کے اندر بدمعاشی، بدذاتی، پاپی پن، کسی اصول پر کاربند نہ رہنے اور ہڑبونگ مچانے کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ ان رجحانات کی وجہ سے وہ ہر کسی کی انگلیوں کے اشارے پر ناچ سکتے ہیں۔ دراصل وہ کسی بھی طاقت کے غلام اور اس کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ ایک اندھا دوسرے اندھے کی رہنمائی تو نہیں کرسکتا لیکن اسے تباہی کی راہ پر ضرور ڈال سکتا ہے۔ عوام میں سے جو شخصیت بھی ابھرے گی عقل و خرد سے خواہ کتنی ہی ذہین ہو سیاسی امور سے ناواقفیت کے باعث عوام کے قائد کی حیثیت سے سامنے نہیں آسکتی۔ اس کا یہ کردار اختیار کرنا ساری قوم کے لیے تباہی کا باعث بنے گا۔ لہٰذا وہی افراد جن کو بچپن میں خود مختار حکمراں بننے کی تربیت ملی ہو ان اصطلاحوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ جو سیاست کی ابجد (اے بی سی) کے حروف سے مرتب کی گئی ہوں۔ اگر کسی قوم کو من مانی کرنے کی اجازت مل جائے یعنی اس کی باگ ڈور نوآموز سیاست دانوں کے ہاتھوں میں چلی جائے تو شان و شوکت کے حصول کی دوڑ کی وجہ سے بدنظمی اور تباہی اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔

عیاشی اور فحاشی

ذرا ان بدمست شرابیوں کی طرف دیکھیے جو نشے میں دھت ہیں اور انسان نہیں بلکہ جانور معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی مدہوشی سے لطف اٹھائیے۔ ان کو نظم و ضبط اور قیود سے نفرت ہے۔ اس لیے انہیں نشیلے مشروبات پینے کا حق پہنچتا ہے۔ مگر ہمارا راستہ اور ہے اور غیر یہودی اقوام کا اور راستہ ہے۔ منشیات نے غیر یہود لوگوں کے ہوش و حواس چھین لیے ہیں۔ ان کی نوخیز نسل کو یونانی و لاطینی علم و ادب، فکر و فلسفہ اور ان کے مخصوص زاویہ نگاہ کی اندھی تقلید نے حماقت میں مبتلا کردیا ہے۔ ان کو بے وقوف بنانے میں لڑکپن کی آوارہ مزاجی اور بدقماشی کا بھی بڑا دخل ہے اور ہم نے اپنے خاص ایجنٹوں

کے ذریعہ انہیں اس طرف مائل کرنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ ایجنٹوں سے مراد ان کے وہ اتالیق اور اساتذہ ہیں جو ان کی تعلیم و تربیت پر مامور ہیں، ان کی خدمت گار، گھریلو خادم، نگراں، ولی اور عام طور پر ان کی صحبت میں رہنے والے افراد ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے اہل دولت و ثروت افراد کے ہاں مقیم استانیاں، معلمائیں اور ہماری وہ عورتیں ہیں جو عیاشی کے اڈوں پر ان سے ملتی ہیں جہاں غیر یہودی جانا پسند کرتے ہیں۔ اس ضمن میں، میں ان نام نہاد سوسائٹی لیڈیز کا بھی ذکر کروں گا جو ازخود عیاشی فحاشی اور آوارگی کی طرف میلان رکھنے والے افراد کو اپنے دام تزویر میں پھانستی ہیں۔

فریب کاری

طاقت اور فریب کاری، سیاسی میدان میں خصوصی طور پر کارآمد چیزیں ہیں۔ ان کے ذریعہ دوسروں کو ہمنوا بنانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں قوت و طاقت کا بھرپور استعمال کرنا چاہیے۔ سیاسی امور میں طاقت ایک کارگر حربہ ہے۔ بشرطیکہ اسے ہوشیاری سے اور دبیز پردوں میں ملفوف کر کے استعمال کیا جائے۔ ان حکمرانوں کے لیے جو اپنے تاج شاہی کو کسی نئی طاقت کے ایجنٹوں کے قدموں میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ دہشت و بربریت، مکر وریا کے ذریعہ اپنی راہ پر لایا جاسکتا ہے۔ دوسروں کو دغا دینے اور بے وقوف بنانے میں بھی کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ یہ حربے سراسر شر ہیں لیکن اصل مقصد مطلب برآری ہے اور مؤثر طریق کار ہے۔ اگر رشوت، دغا و فریب، نیز غداری و بے وفائی کے حربوں سے کامیابی ہو سکے تو ان کے استعمال سے قطعاً گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کسی کی جائیداد چھین کر اسے اطاعت و فرمانبرداری پر مجبور کیا جاسکتا ہو اور اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کرنا ممکن ہو تو کسی پس و پیش کے بغیر ایسا کر گزرنا چاہیے۔

ذرائع اور وسائل

ہم صرف ذرائع اور وسائل کی فراوانی پر ہی بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نظریہ تشدد و بربریت کو بھی بروئے کار لاسکتے ہیں۔ ہم تمام حکومتوں کو اعلیٰ حکومت (سپر گورنمنٹ) کے تحت لائیں گے۔ غیر یہودیوں پر اچھی طرح واضح کر دیا جانا چاہیے کہ ہم ہر گستاخی اور بے ادبی کا سر کچلنے کو روا سمجھتے ہیں۔ اس معاملے میں ہم سخت بے رحم ثابت ہوں گے۔

اسباب نصرت

آزادی، مساوات اور بھائی چارہ (Liberty, Equality, Fraternity) کا جو نعرہ ہم نے دیا، دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا ہے۔ اس کے لیے ہم اپنے اندھے ایجنٹوں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے جھنڈے کو سربلند رکھا ہے۔ یہ الفاظ ہر دور میں دیمک کی طرح غیر یہود کی فلاح و بہبود کو چاٹتے رہے اور امن وسکون، آشتی اور سالمیت کو ختم کر کے ان کی مملکتوں کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہے اور جیسا کہ آپ کو بعد میں معلوم ہوگا یہی چیز ہماری فتح ونصرت کا سبب بنی ہے۔ اس نے ہمیں دوسری چیزوں کے علاوہ یہ موقع بھی فراہم کیا ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں میں شہ پتوں کو لے لیں۔ یعنی مناصب کے غلط استعمال اور مناصب کی تباہی و بربادی کا اہتمام کریں، یہ الفاظ دیگر غیر یہودی ارسٹوکریسی کو فنا کر دیں اور اس طبقے کو ختم کر دیں جو دوسرے ممالک اور عوام میں ہمارے خلاف دفاع کرتے ہیں۔ غیر یہودی ارسٹوکریسی کے کھنڈرات پر ہم اپنے تعلیم یافتہ طبقے کی بالادستی قائم کریں گے جس کی قیادت دولت کی ارسٹوکریسی کرے گی۔ اس ارسٹوکریسی کو ہم نے دولت سے تعبیر کیا ہے، دولت جو ہماری تابع فرمان ہے۔ علم بھی اس ارسٹوکریسی میں پنہاں ہے جس میں ہمارے بزرگ داناؤں کی ایک مثبت قوت پائی جاتی ہے۔

ہماری فتح اور کامرانی اس لیے بھی زیادہ آسان ہے کہ ہم نے اپنے رشتے اور باہمی تعلقات کی اساس انسانی نفسیات پر رکھی ہے۔ ہم جن افراد سے اپنے روابط رکھنا چاہتے ہیں ان کی بنیاد دولت، حسن وعشق اور انسان کی کبھی تسکین نہ پانے والی احتیاجات پر رکھی ہے۔ اگر ہم ہر ایک میں انسانی کمزوری کو مدنظر رکھیں تو ہمارا طریق کار ان کی صلاحیتوں کو مفلوج کرنے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ انسانی خود اعتمادی اور قوت ارادی ان افراد کے ہاتھ میں کھیلتی ہے جو اس کو ہر قسم کا عیش فراہم کرتے ہیں۔

آزادی کے مجرد تصور نے ہمیں موقع فراہم کیا ہے کہ ہم ہر ملک کے لوگوں کو اس بات پر اکسائیں کہ ان کی حکومتیں ان چند افراد کے سوا کچھ نہیں جو ملک کے حاکم اور مالک بن بیٹھے ہیں۔ انہیں پھٹے پرانے دستانوں کی طرح پھینک دیا جانا چاہیے۔ عوامی نمائندوں کو ہٹانے کے لیے اسی امکان نے ہمیں مختلف ممالک کے عوام کو اپنے ہاتھ میں لینے کا موقع فراہم کیا ہے۔ چنانچہ ہمیں عہدوں پر تقرر کرانے کا اختیار حاصل ہو چکا ہے۔

❖

وثیقہ: ۲

اہم نکات: اقتصادی جنگیں، یہودی غلبے کی بنیاد، دکھاوے کی حکومتیں اور خفیہ مشیر، تباہ کن نظریات کی کامیابی، سیاست میں موزونیت، پریس کا کردار، سونے کی قیمت اور یہودیوں کی گراں بار قربانیاں۔

ہمارا مفاد اس امر کا متقاضی ہے کہ جہاں کہیں بھی جنگیں ہوں، ان کے نتائج علاقائی فتوحات کی صورت میں سامنے نہ آئیں۔ ایسا ہوا تو جنگوں کی نوعیت محض اقتصادی بن جائے گی اور متحارب قوموں کو ہماری امداد کی ضرورت پڑے گی جس کی وجہ سے وہ ہمارے بین الاقوامی ایجنٹوں کے رحم و کرم پر ہوں گی۔ (ان ایجنٹوں میں یہودی اور غیر یہودی، دونوں قسم کے ادارے شامل ہوں گے) جو عالمی واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں ان پر کسی خطے میں بھی پابندی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے بین الاقوامی روابط اور حقوق درحقیقت مقامی قومی حقوق کا صفایا کر دیں گے۔ ان قوموں پر صحیح معنوں میں ہماری حکمرانی ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے ریاستیں اپنے سول لاء کے ذریعے اپنے عوام پر حکمرانی کرتی ہیں اور ان کے باہمی تعلقات کو مربوط کرتی ہیں۔

یہودی ماہرین اور مشیر

کسی ملک پر حکمرانی کے لیے ہم عوام ہی میں چند افراد کو منتخب کریں گے۔ ان کی اہم ترین خوبی ہمارے تابع فرمان ہونا ہے۔ ان کے لیے چونکہ نظم و نسق کا تجربہ ضروری نہیں ہوگا۔ اس لیے وہ آسانی سے ہمارے آلہ کار بنیں گے لیکن وہ ہمارے مقرر کردہ مشیروں اور ماہرین کے محتاج ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ماہرین ایسے افراد ہوں گے جنہیں بچپن سے ہی انتظامی اور مملکتی امور کی تربیت دی گئی ہوگی۔ ہم نے اپنے آدمیوں کو بڑی جانفشانی سے آداب حکومت سکھائے ہیں اور یہ

لوگ تاریخ سے سبق لینا بھی جانتے ہیں۔ انہیں ہمارے سیاسی منصوبوں سے بھی آگاہی حاصل ہے۔ یہ باہوش اور باخبر لوگ ہیں جو گہرا مشاہدہ رکھتے ہیں اور کرۂ ارض کے کسی مقام پر ہونے والے واقعہ کا فوری تجزیہ کر لیتے ہیں۔ دوسری طف غیر یہود (Goyim) تاریخ کا بے لاگ اور غیر متعصبانہ مطالعہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں جو نتائج اور عواقب سے بے نیاز، نظریاتی دنیا ہی میں قیاس آرائیاں کرنے میں مشغول رہتے ہیں، اس لیے ہمیں ان کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہیں مقرر کھیل تماشوں میں مصروف رہنے دیجیے، اسلاف کی عظمتوں کے ترانے گانے دیجیے۔ انہیں وہ کردار ادا کرنے کے لیے اپنی حالت پر چھوڑ دیجیے جو ہم نے سائنس کے نام پر ان کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ (یعنی صرف نظری بحث مباحثے میں الجھے رہیں) یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے پریس کے ذریعہ ان سائنسی نظریات پر ان کا یقین مضبوط کرنے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ غیر یہود دانشور ان نظریاتی علوم پر فخر کر کے پھولے نہیں سماتے۔ یہ لکیر کے فقیر قسم کے لوگ ان سائنسی معلومات کو تحقیق و تدقیق کی کسوٹی پر پرکھے بغیر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سائنسی معلومات کا یہ ذخیرہ ہمارے ماہرین نے بڑی ہوشیاری سے اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ غیر یہودی ذہنوں کو ایک خاص رخ پر لگا دے اور وہ اسی کو اصل سائنس سمجھتے رہیں۔ آپ ایک لمحہ بھر کے لیے بھی ذہن میں یہ بات نہ لائیے کہ یہ بیانات محض لفاظی ہیں بلکہ ان کامیابیوں پر نگاہ ڈالیے جو ڈارون، مارکس اور نیٹشے کے نظریات کے ذریعے ہم نے حاصل کی ہیں۔ اہل یہود کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ان نظریات کے اثرات کا ہی تو کرشمہ ہے کہ آج غیر یہودیوں کے قلوب و اذہان نفاق اور انتشار سے دوچار ہیں۔

ہمارے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اقوام عالم کے خیالات، کردار اور رجحانات کا جائزہ لیتے رہیں تاکہ ہم سے سیاسی اور انتظامی غلطیاں نہ ہونے پائیں۔ ہمارا یہ نظام جس کی مشینری کے مختلف حصے دور دراز مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مناسب منصوبہ بندی نہ ہوئی تو بالکل بے کار ہو جائے گا۔

پریس کی طاقت

آج کے دور میں ریاستوں کے پاس ایک ایسی قوت ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں خیالات پیدا کرتی اور انہیں آگے بڑھاتی رہتی ہے۔ یہ پریس کی قوت ہے۔ پریس کا اصل کردار یہ ہے کہ ناگزیر

ضروریات کی نشاندہی کرتا ہے، عوام کی شکایات اور تکالیف کو سامنے لاتا ہے۔ یہ بے اطمینانی اور بے چینی کی فضا بھی پیدا کرتا ہے اور اس کی تشہیر بھی کرتا ہے۔

یہ پریس ہی تو ہے جس کے ذریعہ آزادی تقریر کا عملی اظہار ہوتا ہے۔ غیر یہودی ریاستیں چونکہ اس طاقتور حربے کے استعمال سے نا آشنا اور بے بہرہ ہیں۔ لہٰذا یہ طاقت کلی طور پر ہمارے ہاتھ آچکی ہے۔ پریس کی وجہ سے ہم خود پس پردہ رہ کر غیر یہود عوام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی کے ذریعے ہم سونے جیسی قیمتی دھات پر قابض ہوئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے خون اور آنسوؤں کے سمندر میں سے گزرنا پڑا ہے۔ اپنے بہت سے عزیزوں کی جانوں کی بھی قربانی دی ہے۔ لیکن اس سے ہمیں بے بہا فائدہ بھی پہنچا ہے۔ یاد رکھیے ہمارا ہر فرد ظلم وستم کا نشانہ بنا ہے۔ خدا کی نظروں میں ہمارا ایک فرد ہزار غیر یہودی افراد کے برابر ہے۔

وثیقہ: ۳

فتح کے طریقے

اہم نکات اور موضوعات: علامتی سانپ اور اس کی اہمیت، دستوری پیمانے، دہشت گردی، طاقت اور ہوس، اقتصادی غلامی، عوامی حقوق، اجارہ دارانہ نظام اور ارسٹوکریسی، فوج یہود، گوئیم (غیر یہود) کا خاتمہ، بھوک اور سرمایہ کے حقوق، عوام اور دنیا کے حاکم اعلیٰ کی تاجپوشی، مستقبل کے صیہونی قومیت کے اسکول پروگرام کے بنیادی نظریہ کی روح، معاشرتی نظام کی تعمیر کی سائنس کا راز، عالمی معاشی بحران، یہودیوں کا تحفظ، صیہونیت کی تشہیر، صیہونیت اور فرانس کا عظیم انقلاب، یہودیوں کا عظیم خون بہا، صیہونیت کی نا قابل تسخیری کی وجوہات، صیہونیت کے خفیہ ایجنٹوں کا کردار اور آزادی۔

علامتی سانپ اور اس کی اہمیت

آج میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہماری منزل اب صرف چند قدم دور رہ گئی ہے جس راہ پر ہم چل رہے ہیں اس کا بہت ہی کم حصہ طے ہونا باقی رہ گیا ہے اور ہمارے اس علامتی سانپ کا حلقہ مکمل ہونے والا ہے جس سے ہم اپنی قوم کے افراد کو تشبیہ دیتے ہیں۔ جس روز یہ حلقہ مکمل ہو جائے گا اس روز یورپ کی تمام مملکتیں ایک مضبوط ترین شکنجے کی لپیٹ میں آجائیں گی۔

دستوری پیمانے

غیر یہودی اقوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے اپنے دساتیر کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کرلیا ہے۔ اس لیے وہ اب بالکل محفوظ ہوگئی ہیں۔ لیکن ان کے یہ پیمانے عنقریب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائیں گے۔ کیونکہ ہم نے ان کی تدوین اس انداز میں کی ہے کہ ان میں توازن کی وہ شدید

خامیاں موجود ہیں جو مملکتوں کی جڑوں کو کھوکھلا کرتی رہتی ہیں اور وقت آنے پر ہم ان کو اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی محور پر گردش کرا سکتے ہیں۔ جب کہ غیر یہود ہمیشہ سے اس امید پر جیتے رہے ہیں کہ ان میزانوں میں توازن وقت گزرنے پر خود بخود پیدا ہو جائے گا۔لیکن ان کی امید پر بہت جلد پانی پھر جائے گا۔ یہ بادشاہ اپنے درباری مسخروں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔ درحقیقت ان کی طاقت محلات میں جنم لینے والی دہشت گردی اور ظلم و تشدد کی مرہون منت ہوتی ہے۔ چونکہ ان کے پاس عوام میں گھلنے ملنے اور بیرونی حقائق کا خود جائزہ لینے کے ذرائع نہیں ہیں۔ اس لیے ان کی غلط فہمیاں دور ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں ہے۔ یہ حکمراں اور بادشاہ اپنے تاج و تخت کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی عوام کی توقعات پر پورے اتر سکتے ہیں۔ ہم نے اقتدار اعلیٰ اور عوام کی اندھی قوت کے مابین اتنی وسیع اور گہری خلیج حائل کر دی ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے معنی کھو بیٹھے ہیں۔ یاد رکھئے کہ اندھا آدمی اور اندھی لاٹھی ایک دوسرے سے جدا ہو کر بے معنی اور بے طاقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اقتدار کے بھوکوں میں قوت کے غلط استعمال کے رجحان کو فروغ دینے کے لیے ہم نے تمام گروہوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں لا کھڑا کیا ہے۔ تمام جماعتوں اور گروہوں کو مسلح کر کے اقتدار ہی کو ان کا مطلوب و مقصود بنا دیا ہے۔ ریاست کو سینکڑوں متنازعہ مسائل کا اکھاڑہ بنانے کے نتائج بہت جلد سامنے آئیں گے۔ ہر جگہ انتشار، بدامنی اور دیوالیہ پن کا دور دورہ ہو جائے گا۔ گویا اسمبلیاں، پارلیمنٹوں کے اجلاس اور اقتدار کے ایوان اب کبھی ختم نہ ہونے والی فضول گوئی کے مقابلوں اور مناظروں کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ عوام چھپی ہوئی چیزوں (Printed things) پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیتے ہیں۔ بے ایمان قسم کے پمفلٹ باز اور بیباک صحافی ہر روز انتظامی افسروں کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور عوام کو ریاست کے خلاف اکساتے ہیں، اس کا نتیجہ ریاستی اداروں کے تہہ و بالا ہونے کی صورت میں نکلے گا اور ہر چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر جائے گی۔ آج کل لوگ غربت و افلاس کے ہاتھوں بھاری مشقت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، اس کی گرفت دورِ غلامی بلکہ دورِ زرعی غلامی میں بھی اتنی مضبوط نہ تھی۔ ممکن ہے وہ حکمرانوں سے کسی نہ کسی طرح نجات حاصل کر لیں لیکن احتیاجات اور ضروریات زندگی سے تو چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔

دساتیر میں شامل عوام کے بنیادی حقوق محض فرضی ہیں، ان نام نہاد حقوق کا اصل حقوق سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض ایک خواب ہوتے ہیں جو عملی زندگی میں روبہ عمل نہیں آسکتے۔ ایک محنت کش

جس کی کمر محنت و مشقت اور احتیاجات کے بوجھ کی وجہ سے دوہری ہورہی ہو اسے باتونی لوگوں کو یاوہ گوئی کا حق مل جانے یا اخبارات میں خوبصورت مواد پر مبنی لغویات چھپ جانے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ یادرکھئے کہ کسی بھی دستور کے تحت محنت کشوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، ان سے فائدہ ایسے لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں ہم برسراقتدار لانا چاہتے ہیں۔

غریب آدمی کے لیے جمہوریت اور جمہوری حقوق کی حقیقت ایک شدید طنز کے سوا کچھ نہیں کیونکہ وہ دن بھر محنت و مشقت کی چکی میں پستا رہتا ہے، اسے ان حقوق کے استعمال کے لیے فرصت کہاں ملتی ہے۔ وہ تو ساتھیوں کی ہڑتالوں اور مالکوں کی تالہ بندیوں کے باعث ایک باقاعدہ اور یقینی اجرت سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔

طبقہ شرفا کے خاتمے کے ساتھ ہی عوام سرمایہ بٹورنے والے بے رحم اور ظالم لوگوں کے شکنجے میں آچکے ہیں جنہوں نے محنت کشوں کی گردنوں میں ظلم واستحصال کا جوا پہنا دیا ہے۔ ہم ان مظلوم طبقوں کو ان کے اصل حقوق دلانے کے لیے نجات دہندہ کے روپ میں آگے بڑھتے ہیں اور انہیں اپنی عسکری تنظیموں مثلاً سوشلسٹوں، انارکسٹوں اور کمیونسٹوں کی صفوں میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان تنظیموں کو ہم اپنی اجتماعی تحریک، فری میسن کے ذریعہ ہر قسم کی مدد دیتے ہیں۔ سوشلسٹ، انارکسٹ اور کمیونسٹ یہ سب ہماری فوج کے طور پر کام کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد عوام کو معاشی مشکلات سے نجات دلانا نہیں اور نہ ہی ہمیں ان سے کوئی دلچسپی ہے، ہمیں جس چیز سے دلچسپی ہے وہ اس کے قطعی متضاد ہے، ہمیں تو ان کی تحقیر و تذلیل سے غرض ہے کیونکہ ہم غیر یہود کا صرف خاتمہ چاہتے ہیں، جس کی واحد صورت انہیں ایک دوسرے کے خلاف گتھم گتھا کرانا ہے۔ ہم عوام کو احتیاجات، ضروریات، نفرت و دشمنی کے جذبات و احساسات ابھار کر اس راہ پر گامزن کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ان تمام رکاوٹوں کو دور کردیں جو ہماری فتح کی راہ میں حائل ہورہی ہیں۔

غیر یہود نے غور وفکر اور سوچ بچار کی عادت ترک کردی ہے۔ ان کے ذہن میں اگر کبھی کوئی تجویز ابھرتی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے ماہرین کے اشاروں کی مرہون منت ہوتی ہے۔ وہ اس شدید ضرورت کی اہمیت کو محسوس ہی نہیں کرتے جسے ہم برسراقتدار آنے کے بعد فوری طور پر پورا کردیں گے اور وہ ہے قومی درس گاہوں میں علم کی ایک سادہ سی حقیقت کو واضح کرنا جو سارے علم کی اساس ہے۔ یعنی حیات انسانی کے ڈھانچے کا علم اور سماجی نظام کا علم، جس میں تقسیم کار کے اصول کا بہت

دخل ہے اور جس کے نتیجہ میں انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

سماجی و معاشرتی نظام کا صحیح علم جس کے اسرار و رموز میں ہم غیر یہود کو شریک نہیں کرتے۔ یہ ظاہر کرے گا کہ مختلف قسم کے مراتب اور فرائض مخصوص دائروں کے اندر رہنے چاہئیں، انہیں انسانی آلام و مصائب کا باعث نہیں بننا چاہیے جو اس غلط تعلیم کے نتیجے کے طور پر جنم لیتے ہیں جس کی ان کے فرائض سے قطعاً کوئی مطابقت نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ انہیں زندگی میں کبھی سرانجام دینا پڑتے ہیں۔ اس علم کے گہرے مطالعے کے بعد لوگ از خود ان عہدوں پر قانع ہو جائیں گے جن پر ریاست کی طرف سے ان کا تقرر کیا جائے گا۔

علم کی موجودہ صورت حال اور اس کی ترقی کے لیے لوگوں کو مطبوعہ مواد پر اندھا دھند یقین کرنے کی جس راہ پر ہم نے ڈال رکھا ہے اس کے زیر اثر وہ ان حالات و کیفیات سے شدید نفرت کرتے ہیں جنہیں وہ اپنی دسترس سے باہر سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان کی جہالت اور وہ ترغیبات و تصریحات ہمارے لیے غنیمت ہیں جو ان کی گمراہی کا باعث بنی ہیں۔ درحقیقت وہ انسانی طبقات و حالات کا کوئی ادراک نہیں رکھتے۔

اقتصادی بحران کے اثرات، ان طبقوں کی باہمی نفرت میں مزید شدت پیدا کریں گے۔ یہ بحران تبادلہ زر میں رکاوٹیں پیدا کرے گا اور صنعت کو جامد کر دے گا۔ اس طرح ہم اپنے تمام زیر زمین حربوں کو بروئے کار لاسکیں گے۔ زر کی مدد سے، جو کہ سب کا سب ہمارے ہاتھوں میں ہے، ہم ایک عالمی معاشی بحران پیدا کر دیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ یورپ کے تمام ملکوں میں بیک وقت محنت کشوں کو سڑکوں پر لے آئیں گے۔ عوام کا یہ بے قابو ہجوم اپنی سادہ لوحی اور کم فہمی کے باعث ان لوگوں کا خون بہا دے گا جو ہمیشہ معاشی وسائل پر قابض رہے اور جنہیں عوام آغوش مادر سے ہی رشک وحسد کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ مشتعل عوام مظاہروں اور قتل و غارت کرنے پر ہی اکتفا نہ کریں گے بلکہ ان املاک کو بھی لوٹ لیں گے جو ان کے خیال کے مطابق ان کے خون پسینے سے بنائی گئی تھیں۔ یہ لوٹ مار کرنے والے ہماری املاک کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکیں گے کیونکہ ہم ان کے متوقع حملوں سے پہلے ہی آگاہ ہوں گے اور اپنی املاک کے تحفظ کے لیے مناسب اقدامات کر چکے ہوں گے۔

موجودہ دور میں ہم ایک بین الاقوامی قوت وحیثیت کے باعث ناقابل تسخیر بن چکے ہیں۔

کیونکہ اگر کوئی طاقت ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت کرتی ہے تو ہمیں تمام دیگر مملکتوں کی حمایت حاصل ہوجاتی ہے۔غیر یہود اقوام کی یہ شیطنت اور بدمعاشی ہے کہ وہ قوت اور طاقت کے سامنے عجز وانکسار اختیار کرلیتی ہیں حتیٰ کہ پیٹ کے بل رینگنے لگتے ہیں۔لیکن کمزوروں کے لیے بے رحم، سنگدل اور جابر و ظالم بن جاتے ہیں۔معمولی معمولی فروگذاشتوں کو تو معاف نہیں کرتے لیکن بڑے بڑے جرائم سے درگزر کر جاتے ہیں۔آزاد معاشرتی نظام کے تضادات کو برداشت نہیں کرتے لیکن مطلق العنان حکمراں کے جبر و استبداد کو بہ رضا و رغبت بلکہ نیکی سمجھ کر سہ لیتے ہیں۔ان کی یہی متضاد خصوصیات آزادی کے حصول میں ہماری معاون بنتی ہیں۔غیر یہودی اقوام موجودہ دور کے بڑے بڑے آمروں کے مظالم کو نہایت صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کر رہی ہے کہ ان سے کہیں کم مصائب پر ماضی میں انہوں نے بیسیوں تاجداروں کے سر اڑا دیئے تھے۔اس عجیب وغریب طرز عمل کی آخر توجیہ کیا ہے؟ ایک ہی نوعیت کے حالات کے لیے عوام کا رویہ اس قدر متضاد کیوں ہے؟

اس کی ایک وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ یہ آمر اپنے کارندوں کے ذریعے اپنے اپنے عوام کے کانوں میں یہ بات پھونک دیتے ہیں کہ مملکتوں کو یہ مصائب و آلام ایک عظیم مقصد یعنی عوام کی فلاح و بہبود نیز عالمی برادری کے قیام اور مساوی حقوق کے لیے اٹھانا پڑ رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ وہ اپنے عوام کو یہ بتانے سے قاصر رہتے ہیں کہ ایسا اتحاد و یگانگت اور مساوات تو ہمارے ہی اقتدار اعلیٰ کے تحت وجود میں آسکتی ہے۔یہیں سے عوام کی بے چینی اور شورشوں کی ابتدا ہوتی ہے، ہمیں ایسے حالات پر اظہار تشکر کرنا چاہیے کہ لوگ ہر قسم کے استحکام اور مرکزیت کو تباہ کر کے، ہر ہر قدم پر بدنظمی اور انتشار پھیلا رہے ہیں۔

لفظ ''آزادی'' ایک عجیب وغریب فریب اور دھوکہ ہے۔یہ عوام کے ہر طبقے کو ہر قسم کی طاقت و جبر اور اتھارٹی کے خلاف برسرپیکار کرتا ہے۔حتیٰ کہ خدا اور قوانین فطرت کے خلاف بھی ابھارتا ہے۔لہٰذا جب ہماری بادشاہت قائم ہوجائے گی ہم اس لفظ کو لغت زندگانی میں سے خارج کر دیں گے کیونکہ یہ عوام کو خون کے پیاسے درندے بنا دیتا ہے۔یہ بھی درست ہے کہ یہ درندے خون کی پیاس بجھا لینے کے بعد ہر بار غفلت کی نیند سو جاتے ہیں۔لہٰذا ایسے مواقع پر انہیں آسانی سے زنجیر پا کیا جاسکتا ہے۔لیکن خون پیئے بغیر ان پر غفلت طاری نہیں ہوتی اور جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔

❖

وثیقہ: ۴

مذہب پر مادے کی فوقیت

اہم نکات: جمہوریت کی منزلیں، خفیہ ہاتھ اور تخریب کاری، آزادی اور ایمان، بین الاقوامی صنعتی مقابلہ، سٹہ بازی اور جوئے کا کردار، بے ضمیر اور بے رحم معاشرہ۔

ہر جمہوری ملک کو مختلف مرحلوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے پہلا مرحلہ عوام میں مجنونانہ شورشوں کا ہوتا ہے جس میں ناعاقبت اندیش لوگوں کا گروہ مغلوب الغضب ہوکر ادھر ادھر بھاگتا اور فتنے برپا کرتا ہے۔ دوسرا مرحلہ خطابت انتشار کو جنم دیتا ہے، اس کے نتیجے میں مطلق العنانیت اور غیر قانونیت برپا ہوتی ہے۔ یہ اشتعال انگیز قوتیں کسی غیر مرئی اور پوشیدہ قوت کے سامنے جوابدہ ہوتی ہیں اور کوئی شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہتا کہ طاقتور عناصر کسی خفیہ تنظیم کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔ جس کی سرگرمیاں مکر و فریب اور دھوکے پر مبنی ہوتی ہیں۔ اس غیر مرئی قوت کے کارندوں میں رد و بدل بھی ہوتا رہتا ہے لیکن یہ رد و بدل اس نام کو متاثر نہیں کرتا، یہ تبدیلیاں اس لیے کی جاتی ہیں کہ یہ کارندے اپنی طویل خدمات کے عوض اپنے ذرائع اور وسائل میں وسعت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ آخر کس کی جرأت ہے کہ ہماری غیر مرئی قوت کا تختہ الٹ سکے۔ غیر یہودی میسنری کی سرگرمیاں ہمارے عزائم کی پردہ پوشی کرتی ہیں اور ہماری قوت کے منصوبے بھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ مگر ان کے اسرار کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ سب کچھ ان کے لیے ایک معمہ ہوتا ہے۔

یاد رکھئے کہ آزادی بے ضرر ہوسکتی ہے اور عوامی فلاح و بہبود کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر ملکی معیشت میں اپنی جگہ بنا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی بنیاد خدا پر ایمان اور انسانی اخوت پر رکھی گئی ہو اور یہ اخوت اصول تخلیق کے منافی فلسفہ مساوات سے تعلق نہ رکھتی ہو۔ کیونکہ فطرت کا اصول تخلیق انسانوں میں درجہ بندی اور محکومیت کے تصور پر مبنی ہے۔ اس اعتقاد کے تحت عوام کو حکمرانی کی خاطر مذہبی حلقوں اور درجہ بندیوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور اس درجہ بندی کے تحت اللہ تعالیٰ کی رضا کے

سامنے سر تسلیم خم کر کے روحانی پیشواؤں کی رہنمائی میں قناعت اور عجز و انکساری سے مطمئن زندگی گزار لیتے ہیں۔ اسی لیے تو ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لیے یہ لازم ہے کہ تمام مذاہب کی اہمیت کو ختم کر کے غیر یہودی افراد کے ذہن سے الوہیت اور روحانیت کے تصور کی بیخ کنی کر دیں اور انہیں مادی ضروریات اور حسابی اعداد و شمار کے چکر میں الجھا کر رکھ دیا جائے۔

غیر یہودیوں کو صنعت اور تجارت کے چکروں میں ایسا پھنسا دیا جائے کہ انہیں سوچ بچار اور غور وفکر کے لیے کوئی وقت ہی نہ مل سکے۔ اس طرح تمام اقوام جلب زر اور منفعت اندوزی کے تعاقب میں یوں سرپٹ دوڑتی رہیں گی کہ اپنے مشترکہ دشمن کی طرف توجہ ہی نہیں دے سکیں گے۔ اس کے لیے ان کی صنعتوں کو سٹے بازی کی بنیاد پر استوار کرنا ہوگا۔ وہ اپنی اراضی سے صنعتوں کے ذریعہ جو کچھ حاصل کریں گی وہ مختلف ہاتھوں سے نکل کر بازار سٹہ میں پہنچے گا۔ وہ بالآخر ہماری ہی قوم کو منتقل ہو جائے گا۔ اس دوران برتر حیثیت اور اعلیٰ مناصب کے لیے دوڑ اور معاشی زندگی کے پے در پے جھٹکوں سے ضمیر فروش، بے حس اور بے رحم فرقے جنم لیتے رہیں گے۔ اس قسم کے فرقے بااصول سیاست، مستحکم سیاسی نظام اور مذہب سے شدید طور پر نفرت کرنے لگیں گے۔ ان کا ایک ہی دیوتا، ایک ہی رہنما اور مرشد ہوگا، یعنی منافع پرستی۔ زر اور صرف زر ان کا اصل مذہب و مسلک ہوگا کیونکہ ان کی مادی حاجات، مسرتیں اور راحتیں صرف اسی کے ذریعہ حاصل ہوں گی۔

اور پھر وہ وقت آئے گا جب نچلا طبقہ اس مراعات یافتہ اور زبردست طبقے کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا، کیونکہ ان کے دلوں میں دولت کی خواہش کم لیکن نفرت و عناد اور بغض زیادہ بھرا ہوگا۔ یہ لوگ ہمارے حریفوں کے خلاف صف آرا ہوں گے اور ہمارے اشاروں پر چلیں گے۔ ان میں بڑے بڑے دماغ والے لوگ، فلسفی اور دانا بھی شامل ہوں گی۔

❖

آمریت اور جدید ترقی

اہم نکات: حکومت میں انتہائی مرکزیت، صہیونیوں کے اقتدار پر قبضے کے طریقے، مملکتوں کے درمیان عدم اتفاق کی وجوہات، یہود کی مملکت، زر، مملکتوں کی مشینری کا محور، تنقید کی اہمیت، دکھاوے کے ادارے، الفاظ کے گورکھ دھندے، رائے ہموار کرنے کے طریقے، شخصی آرا کا استیصال، اعلیٰ حکومت کا تصور۔

ایسی اقوام کو کونسا طرز حکومت دیا جاسکتا ہے جن کی رگ و پے میں بدعنوانیاں اور خرابیاں رچ بس گئی ہوں، جو مال و زر کے لیے ہر قسم کی دغا بازی اور فریب کاری کر گزرتی ہوں، جن کے ہاں آوارگی اور بے راہ روی عام چلن بن گیا ہو، کوئی شخص بھی رضا کارانہ طور پر اخلاقی اقدار کو قبول کرنے پر تیار نہ ہو، اعلیٰ و ارفع اقدار کے نفاذ کے لیے تعزیری ضابطوں اور بے رحم قوانین کی مدد درکار ہو، ایسی اقوام کے افراد کے لیے استبدادی طریقوں کے علاوہ کون سا نظام ہوسکتا ہے؟ ایسے استبدادی نظام کی وضاحت میں بعد میں کروں گا۔

یہودی طرز حکومت

تمام عوامی قوتوں کو ہاتھ میں رکھنے کے لیے ہم شدید مرکزیت پیدا کریں گے اور نئے قوانین و ضوابط کے ذریعہ اپنے محکوموں کی تمام سیاسی سرگرمیوں کو میکانکی انداز میں ایک نئے موڑ پر ڈالیں گے۔ ہمارے قوانین یکے بعد دیگرے تمام آزادیوں، مراعات اور سہولتوں کو سلب کرلیں گے جو غیر یہودیوں نے فراہم کر رکھی ہیں۔ اس طرح مطلق العنانی ہماری سلطنت کا طرۂ امتیاز ہوگی۔ یہ مطلق العنانی ہر جگہ اور ہر لمحہ اس غیر یہود قوت کا خاتمہ کرنے پر قادر ہوگی جو ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرے گی۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ایسی مطلق العنانی اور استبدادی نظام کو دور حاضر کی رفتار اور

تقاضوں کے منافی قرار دیا جائے لیکن میں ثابت کردوں گا کہ امر واقعہ وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

ایک دور تھا جب لوگ تخت شاہی پر متمکن انسان کو بادشاہ کہتے اور اسے منشائے الٰہی کا مظہر سمجھتے تھے اور بلا چوں و چرا واجب الاتباع قرار دیتے تھے لیکن جب ہم نے ان کے دماغوں میں اپنے حقوق کا تصور بٹھا کر انہیں پراگندہ کیا تو انہوں نے ان تخت نشینوں کو عام انسانوں جیسی فانی مخلوق سمجھنا شروع کر دیا۔ ہمارا انہی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے کہ عوام کی نظروں میں بادشاہوں کے سروں پر رکھے ہوئے تاج بے وقعت ہو گئے۔ یہ تصور ختم ہو چکا ہے کہ بادشاہ ظل الٰہی ہوتے ہیں اور انہیں بچشمہ خود خدا نے دیا ہوتا ہے اور جب ہم نے انہیں خدا پر ایمان کے تصور سے بھی محروم کر دیا تو اقتدار کی قوت عوامی ملکیت کے مقامات، یعنی گلی کوچوں میں پہنچ گئی جس پر اب ہم نے بہ آسانی قبضہ جما لیا ہے۔

علاوہ ازیں نظریات و تصورات وضع کر کے افراد اور عوام کو ان سے سرشار کرنا ہمارے ماہرین ہی کا کارنامہ ہے، غیر یہودی افراد میں تو ان نظریات کا کوئی شعور ہی نہیں۔ نظریہ سازی کرنے والے، انتظامی امور کی مہارت رکھنے والے اور حالات کا مشاہدہ کر کے باریکیوں کو سمجھنے والے افراد ہمارے ہاں ہی ہوتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس تربیت کے خصوصی انتظامات ہیں، ان فنون میں ہمارا کوئی حریف نہیں ہے۔ اسی طرح سیاسی سرگرمیوں اور اتحاد عمل کے منصوبے بنانے میں بھی کوئی ہمارا ہمسر نہیں۔

البتہ قدیم رومن کیتھولک فرقہ جیسوئیٹس (Jesuits) واحد طبقہ ہے جو غالباً ہمارے برابر سمجھا جاسکتا تھا مگر ہم نے انہیں سوچ بچار سے عاری عوام کی نگاہوں میں گرا دیا ہے۔ اس کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے ہم پس پردہ ہی رہے ہیں۔ دنیا کو غالباً اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان پر حکمرانی کیتھولک چرچ کا سربراہ کرے یا صیہونی خون والا کوئی مطلق العنان کرے۔ لیکن ہم خدا کی محبوب قوم ہیں۔ ہمارے لیے اس معاملے میں کسی قسم کی لاپروائی اور بے اعتنائی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس امر کا امکان موجود ہے کہ شاید کچھ عرصے کے لیے غیر یہود کا مشترکہ محاذ ہمارا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن ان کے درمیان اختلافات و تنازعات اتنے زیادہ اور گہرے ہیں کہ ان کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہم نے غیر یہودیوں کو ذاتی اور قومی مفادات کے نام پر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کر دیا ہے۔

خفیہ سرگرمیاں

گزشتہ بیس صدیوں کے دوران ہم غیر یہودیوں کے درمیان مذہبی، گروہی اور نسلی تعصبات کو وسیع پیمانے پر فروغ دیتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں ایک بھی ریاست ایسی نہیں کہ وہ ہمارے خلاف برسرپیکار ہو تو دوسری اس کی پشت پناہی کرے، کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ ایسے کام یا معاہدے میں شریک ہونا ان کے لیے شدید نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ ہم بے حد طاقتور ہیں، ہماری طاقت کی تاب کوئی نہیں لاسکتا۔ آج اقوام عالم میں معمولی سے معمولی نوعیت کے خفیہ معاہدے بھی اس وقت تک طے نہیں ہوسکتے۔ جب تک ہمارا خفیہ ہاتھ ان میں کارفرما ہو۔

توراۃ کے الفاظ ہیں۔۔۔ ''بادشاہ میرے ہی توسط سے حکمرانی کرتے ہیں۔'' پیغمبروں کے ارشاد کے مطابق ہمیں کرۂ ارض پر حکمرانی کے لیے خود خدا نے منتخب کیا ہے، جس کے لیے اس نے ہمیں غیر معمولی ذہانت عطا کی ہے تاکہ ہم اس عظیم فرض کو سرانجام دے سکیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ذہانت و فطانت ہمارے مخالفین اور حریفوں کے مقدر میں بھی آجائے تو انہیں ہمارے خلاف شدید جدوجہد کرنا ہوگی کیونکہ کسی بھی میدان میں نئے نئے اترنے والے افراد ہمارے برابر جہاندیدہ اور تجربہ کار نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا نئے گروہ یا فریق کے اور ہمارے درمیان جو کشمکش ہوگی انتہائی سنگدلانہ ہوگی جو اس سے پہلے دنیا نے کبھی دیکھی ہوگی اور نہ سنی ہوگی۔

یاد رکھیے کہ دیر سے حاصل ہونے والی ذہانت ان کے لیے (بوجہ تاخیر) بہت کارآمد نہیں ہوگی۔ کسی مشینری کے سب پہیے انجن ہی کی طاقت سے حرکت میں آتے ہیں۔ یہ طاقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ زر جو سلطنتوں کی مشینری کا انجن ہے ہمارے دست قدرت میں رہتا ہے۔ سیاسی معیشت کی سائنس کی ایجاد کا سہرا ہمارے بزرگ مفکرین کے سر ہے۔ اس کی بدولت عرصہ دراز سے سرمائے کو شاہانہ عظمت و شوکت حاصل رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔

سرمایہ پر اگر کوئی قدغن لگانا مطلوب نہ ہو تو اسے صنعت اور تجارت پر اجارہ داری قائم کرنے کی پوری آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ بلکہ دنیا کے ہر خطے میں پہلے ہی ایک غیر مرئی ہاتھ اسی پالیسی پر عمل کرا رہا ہے۔ اس آزادی کی وجہ سے صنعت کاروں کو سیاسی قوت حاصل ہوگی جس کے بل بوتے پر وہ عوام کو بہ آسانی کچل سکیں گے۔ آج کے دور میں عوام کو جنگ میں جھونکنے کی بہ نسبت غیر مسلح کرنا، زیادہ ضروری ہے۔ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان کے بھڑکتے ہوئے جذبات کو سرد کرنے کی

بہ نسبت اپنے مفادات کے لیے استعمال میں لایا جائے۔ بلکہ سب سے زیادہ اہمیت اس امر کو دی جانی چاہیے کہ دوسروں کے تصورات ونظریات کو مسترد کرنے کی بجائے انہیں ایسے معانی پہنائے جائیں جو ہمارے اغراض ومقاصد سے مطابقت رکھتے ہوں۔

ہمارا مطمح نظر یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی مخصوص تنقیدی پالیسی کے تحت عوام کے ذہنوں کو اتنا پست کردیں کہ وہ سنجیدہ سوچ بچار سے بالکل محروم ہوجائیں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کرسکیں۔ ان کی ذہنی قوتوں کو ایسا پراگندہ کردیا جائے کہ وہ محض فصاحت وخطابت اور بیان بازی کی مصنوعی جنگوں میں الجھے رہیں۔

ہر دور میں دنیا کے عوام اجتماعی اور انفرادی سطح پر زبانی دعووں کو اصل کارناموں پر ترجیح دیتے رہے ہیں۔ عوامی اکھاڑوں میں ظاہری نمود ونمائش پر قانع ہوجاتے رہے ہیں۔ یہ سوچنے پر شاذ ونادر ہی توجہ دیتے ہیں کہ زبانی دعووں نے کبھی حقیقت کا روپ دھارا بھی ہے یا نہیں۔ ان رجحانات کے پیش نظر ہم بھی نمائشی ادارے قائم کریں گے جو کام کم اور دعوے زیادہ کریں گے۔ ان اداروں کے قیام سے لوگوں پر یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ ان کی موجودگی تمہاری ترقی کے لیے بیحد ضروری ہے۔ ہمیں تمام جماعتوں کی بلکہ ہر مکتب فکر کی ساخت اور تربیت کی بھی ذمہ داری لینی ہے۔ ان کے ترجمان اور مقررین کے طور پر ایسے لوگوں کو سامنے لانا ہے جو بہت بولیں گے اور اتنے بیانات داغا کریں گے کہ ان کے سامعین اور قارئین ان کے نعروں اور دعووں کو سن سن کر عاجز آجائیں گے اور تقریر وتحریر کے فن سے ہی نفرت کرنے لگیں گے۔ اس پالیسی کے تحت ہمارے دو اہم راز ہیں۔

پہلا راز

رائے عامہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے ہمارے پاس ایک راز یہ ہے کہ ہمیں کشیدگی، مایوسی اور بے اطمینانی کی ایک فضا قائم کرنا ہوگی۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر سمت اور ہر گوشے سے قطعی متنازعہ اور متضاد خیالات کو پیش کریں گے۔ اس سلسلہ کو اتنا طول دیں گے کہ غیر یہود صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے۔ بعد ازاں خیالات اور نظریات سے پیدا ہونے والی بھول بھلیوں میں کھو جائیں گے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ سیاسی امور میں کسی کو اپنا موقف یا نظریہ نہیں رکھنا چاہیے یا سیاست میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی، عوام کی کوئی سیاست نہیں ہے۔ یہ لیڈروں کا کام ہوتا ہے۔

دوسرا راز

کسی قوم کی ماضی کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے۔ شہری زندگی کے حالات اور مسائل کو ایسا الجھا دیا جائے کہ سب لوگ اس طرح دست و گریباں ہو جائیں کہ کسی قابل نہ رہیں۔ بالآخر وہ ایسی منزل پر پہنچیں گے جہاں کوئی نظام نہ ہوگا۔ بدنظمی اور انتشار کا ماحول عوام کو اس قابل ہی نہ چھوڑے گا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ اس طرح ہم بتا سکیں گے کہ جماعتوں میں کتنا انتشار اور اختلاف ہے۔ اسی طریقے سے ہم ان طاقتوں کا بھی شیرازہ بکھیر دیں گے جو اس وقت ہمارے خلاف برسرپیکار ہیں۔

ہم غیر یہود اقوام کی تعلیم کے شعبے کو خاص طور پر نشانہ بنائیں گے، ان کے نصاب تعلیم کو ایسے انداز میں مرتب کریں گے کہ ان کی نئی نسل دلجمعی اور یکسوئی سے کوئی فیصلہ نہ کر پائے، کبھی کسی قطعی نتیجے پر نہ پہنچ سکے اور ہمیشہ تناؤ اور کشیدگی سے دوچار رہے۔

ان تمام طریقوں سے ہم غیر یہود کو اتنا زچ کر دیں گے کہ وہ ہمیں بین الاقوامی اقتدار پیش کر دیں گے اور باہمی اختلافات میں ہمیں ثالث بنانے لگیں گے، اس طرح ایک سپر گورنمنٹ معرض وجود میں آجائے گی۔ آج کے حکمرانوں کی جگہ ہم ایک ایسے ادارے کی تشکیل کریں گے جو اعلیٰ نظامت کہلائے گی۔ اس ادارے کے ہاتھ چاروں سمت پہنچیں گے اور اس کا دخل دنیا کے ہر گوشے میں ہوگا۔ اس کی نظامت کے ایک ہزار پہلو ہوں گے اور یہ اقوام عالم کو زیر نگیں لانے میں کبھی ناکام نہیں ہوگی۔

❖

وثیقہ: ٦

حصول اقتدار کی تکنیک

اہم نکات: اجارہ داریاں اور غیر یہود کا مستقبل، زمینداروں سے ان کی املاک ہتھیانے کا فلسفہ، صنعت و تجارت اور سٹہ بازی کی صنعت، ضروریات زندگی کی گرانی، انارکی کا رجحان، شراب نوشی، معاشی نظریات کے خفیہ معنی۔

ہم بہت جلد بڑی بڑی اجارہ داریاں قائم کریں گے۔ جو دولت اور زر کے بڑے بڑے ذخیرے ہوں گے۔ یہ وہ مراکز ہوں گے جن پر غیر یہود کی قسمتوں کا اس حد تک انحصار ہوگا کہ سیاسی تصادم مول لینے کی صورت میں وہ اگلے ہی روز تمام ملکی قرضوں سمیت غرق ہو جائیں گے۔

یہاں موجود حضرات میں سے جو لوگ معیشت کے ماہرین ہیں انہیں تمام عوامل کو یکجا کر کے ان کے اثرات دیکھنا ہوں گے۔ نیز ہمیں ہر ممکن طریقے سے اپنی "عظیم حکومت" (Super Government) کی اہمیت کو اس انداز سے واضح کرنا ہے کہ ہمارے دائرۂ اطاعت میں آنے والی قومیں ازخود اسے اپنا نگہبان، محافظ اور محسن سمجھیں۔ غیر یہود کا طبقہ شرفاء سیاسی قوت کی حیثیت سے ختم ہو چکا ہے، اسے اہمیت دینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن بحیثیت زمیندار یہ لوگ اب بھی ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ذرائع آمدنی کے لحاظ سے خود کفیل ہیں۔ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ انہیں ان کے ذرائع آمدنی یعنی اراضی سے محروم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے زرعی املاک پر زیادہ بوجھ ڈالنے اور اراضی کو قرضوں کے بوجھ تلے دبانے کی ضرورت ہوگی۔ ان اقدامات سے اراضی پر اجارہ داری کے رجحانات کا خاتمہ ہو سکے گا اور زمینداروں کے اندر عجز و انکسار اور غیر مشروط اطاعت اور فرمانبرداری بھی پیدا ہو جائے گی۔

صنعت اور سٹے بازی

غیر یہود شرفا اپنی اجارہ داری کے خاتمے کے بعد نہ تو اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھ سکیں

گے اور نہ اپنی قلیل آمدنی پر گزارہ کر سکیں گے۔ اس لیے وہ جلد صفحہ ہستی سے نابود ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم صنعت اور تجارت کی بھی بھرپور سرپرستی کریں گے اور اس میں سٹہ بازی کو فروغ دینے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ سٹہ صنعت کے لیے ایک حریف ثابت ہوتا ہے جب کہ اس کی عدم موجودگی میں صنعتی اور تجارتی سرگرمیاں بڑھتی رہتی ہیں اور یہاں جمع ہونے والا زر زراعت کو ترقی دینے میں صرف ہونے لگتا ہے۔ اس طرح کاشت کی تمام اراضی قرضوں وغیرہ کی ادائیگی کے بعد نجی ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گی جو ہم نہیں چاہتے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ سٹہ بازی کے ذریعہ سرمایہ ہمارے پاس آجائے۔ اس طرح سے غیر یہود محض بھکاری محنت کش طبقے میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد یہ تمام غیر یہود یقیناً ہمارے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔

غیر یہود کی صنعت کی مکمل تباہی کا سامان ہوتے ہوتے ہم سٹہ بازی کی مدد سے تعیشات کو فروغ دیں گے۔ عیش پرستی کی ہوس ہر چیز کو نگلتی رہے گی۔ ہم مزدوروں کی شرح اجرت کو بڑھائیں گے لیکن ساتھ ساتھ بنیادی ضروریات زندگی یعنی اشیاء کی قیمتوں میں بھی اضافہ کر دیں گے۔ اس طرح اجرتوں کی شرح بڑھنے سے حقیقتاً انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اشیاء کی گرانی کا لوگوں کو ہم یہ سبب بتائیں گے کہ یہ سب کچھ مویشیوں کی قلت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ہم اپنی چابکدستی اور مہارت سے پیداوار کے ذرائع کو کھوکھلا کرنے کے لیے کارکنوں اور مزدوروں میں شراب نوشی کو عام کر دیں گے اور دیگر اقدامات بھی بروئے کار لائیں گے جن سے کرۂ ارض سے غیر یہودی تعلیم یافتہ طبقے کی بیخ کنی ہو سکے۔ اس امر کے لیے کہ غیر یہود ان پالیسیوں کے حقیقی مفہوم اور ان کے پس پردہ منصوبے کو قبل از وقت نہ سمجھ جائیں ہم ان پر محنت کش طبقے کی بے لوث خدمت کی خواہش کا پردہ ڈالیں گے۔ علاوہ ازیں سیاسی معیشت کے ان اصولوں کو بھی صیغۂ راز میں رکھیں گے جن کے فروغ کے لیے ہمارے معاشی نظریات کا بڑے شد و مد کے ساتھ دنیا بھر میں پروپیگنڈہ ہو رہا ہے۔

عالمی جنگیں

اہم نکات: اسلحہ اور فوج میں اضافہ، عالمی پیمانے پر انتشار، تشدد اور اشتعال انگیزی، غیر یہود کے مقابلے کے لیے جنگوں کی ابتداء کا فلسفہ، سیاست میں رازداری، پریس اور رائے عامہ، امریکہ، چین اور جاپان کی توپیں۔

کسی ملک میں اسلحہ کی بھرمار اور پولیس فورس میں اضافہ ہمارے منصوبوں کی تکمیل کے لیے بیحد ضروری ہیں، ہم جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام مملکتوں میں ہمارے علاوہ مزدور اور محنت کش طبقہ رہ جائے۔ چند ایک کروڑ پتی بھی ہوں جو صرف ہمارے مفاد کے لیے کام کرتے رہیں۔

ہمیں پولیس کے ذریعہ یورپ میں اور یورپ کی وساطت سے دوسرے براعظموں میں بھی فسادات، انتشار اور جنگ و جدل کی آگ بھڑکانی ہے۔ اس سے ہمیں دوہرا فائدہ ہوگا۔ اول یہ کہ ہم تمام ملکوں اور قوموں کو اپنے قابو میں رکھ سکیں گے کیونکہ انہیں یہ خوف ہوگا کہ ہمارے پاس طاقت ہے۔ ہم جب چاہیں کسی کو بھی سزا دے سکتے ہیں اور جہاں چاہیں نظم و نسق قائم کر سکتے ہیں۔ اس طرح تمام ممالک ہمیں ایک ناگزیر اور مطلق العنان قوت کے طور پر دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے۔ دوم، ہم ان تمام ڈوروں کو جو سیاسی نظاموں، معاشی معاہدوں اور قرضہ جات کے وسیلوں سے مختلف ملکوں کی وزارتوں میں پھیلی ہوئی ہیں، الجھا کر رکھ دیں گے۔ اس مقصد کے لیے ہمیں مذاکرات اور معاہدوں کے دوران پوری ہوشیاری اور فراست سے کام لینا ہوگا۔ لیکن جہاں تک سرکاری زبان کا تعلق ہے ہمیں اس پالیسی کے برعکس حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی۔ اس سلسلے میں ہمیں دیانت داری اور خلوص کا اظہار کرنا ہوگا تاکہ غیر یہود عوام اور حکومتیں ہمیں نسل انسانی کے محسن، نجات دہندہ اور مہر و محبت کے پیکر سمجھتی رہیں۔ ان حکومتوں اور عوام کو ہم نے محض چیزوں کی ظاہری ہیئت پر غور کرنا سکھایا

ہے، اس لیے ہم ان کے سامنے اپنا جو رخ پیش کریں گے وہ اسی رخ کو تسلیم کریں گے۔

سیاست میں کامیابی کا یہی راز ہے کہ تمام کارروائیوں اور اپنے عزائم کو خفیہ رکھا جائے۔ نیز سیاست دانوں کے قول وعمل میں مطابقت نہیں ہونی چاہیے۔ ہمیں تمام غیر یہودیوں کی حکومتوں کو اس بات پر مجبور کرنا چاہیے۔ وہ اپنی سرگرمیوں کو ہماری منشاء اور منصوبوں کے مطابق مرتب کریں۔ ہم اپنی عظیم قوت اور پریس کے ذریعہ اپنے منصوبوں کی حمایت میں رائے عامہ کو ہموار کرتے رہیں گے۔ کیونکہ پریس بالعموم ہمارے قبضے میں ہے۔ چند مستثنیات کی بات الگ ہے۔ وہ ظاہراً ہماری مخالفت بھی کریں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

یورپ میں تمام غیر یہود پر کڑی نگرانی کے نظام کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنی قوت کا مظاہرہ کسی خاص ملک پر تشدد کر کے یا دہشت پھیلا کر کریں گے جس سے دوسری مملکتوں کو عبرت حاصل ہوگی۔ اگر ہم نے اپنے خلاف کسی عام بیداری اور تحریک کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا تو اس کا جواب ہم امریکہ، چین یا جاپان کی بندوقوں اور توپوں سے دیں گے۔

❖

وثیقہ: ۸

عبوری حکومت

اہم نکات: الفاظ کی جادوگری، فری میسنز کے معاونین، خصوصی اسکولوں کے اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ کی تربیت، ماہرین معیشت اور کروڑ پتی لوگ، اہم سرکاری عہدوں پر کن افراد کا تقرر ہونا چاہیے۔

غیر معقول فیصلے اور دلکش بیانات

ہمیں ایسے ہر ہتھیار اور ہر اسلحہ سے لیس ہونا چاہیے جو دشمن کے خلاف مؤثر طور پر استعمال کیا جاسکتا ہو۔ بعض صورتوں میں ہمیں ایسے فیصلے بھی صادر کرنا پڑیں گے جن کو لوگ غیر معقول اور غیر منصفانہ قرار دیں گے لیکن ہمیں ان کا قانونی جواز پیش کر کے لوگوں کو مطمئن کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمیں زبان وطرز بیان کو حسین اور مرعوب کن بنانا ہے جس سے یہ تاثر مل سکے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اخلاقی قدروں اور قانونی ضابطوں کے مطابق ہے۔

فری میسنز کے معاونین

ہماری انتظامیہ کو اپنے گرد و پیش کی ان تمام قوتوں کو مجتمع کرنا ہوگا جس کے درمیان رہ کر ہمیں اپنے فرائض انجام دینا ہیں۔ ہمارے ملازمین و معاونین کے گرد ماہرین قانون بھی ہوں گے، مشتہرین بھی اور ماہر منتظمین بھی ہوں گے۔ ان میں سفارت کاری کے ماہرین کے علاوہ خصوصی اسکولوں کے اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ کے افسران بھی شامل ہوں گے۔ یہ افراد سماجی ڈھانچے کے تمام اسرار و رموز کے شناور ہوتے ہیں اور ان تمام زبانوں سے بھی واقف ہوں گے جو سیاسی سوچ کے اظہار کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ ہر تفویض کردہ کام کو اچھی طرح انجام دے سکیں گے۔ ہم

انہیں انسانی فطرت کے خفیہ پہلوؤں اور ان حساس تاروں سے بھی آشنا کر دیں گے جنہیں چھیڑ کر وہ اپنے مقاصد حاصل کر سکیں۔ یہ تار غیر یہودیوں کی افتادطبع، ان کے رجحانات و میلانات، ان کی کمزوریوں اور خوبیوں اور ان کے طبقاتی مزاج کی تفصیلات سے متعلق ہوں گے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہم اپنے کارندوں اور معاونین کا انتخاب ان غیر یہودیوں میں سے نہیں کریں گے جو اپنے سرکاری فرائض انجام دیتے وقت اتنا سوچنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کرتے کہ ان کے مقاصد کیا ہیں اور ان کا حصول کیوں ضروری ہیں؟ مشینی انداز میں کام کرنے والے یہ لوگ کاغذات پر دستخط کرنے سے پہلے انہیں پڑھنے کی تکلیف بھی گوارہ نہیں کرتے اور رواداری میں دستخط ثبت کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو حصول کے سوا کسی چیز سے غرض نہیں، یوں سمجھئے کہ یہ بالکل ہی ہوس کے بندے ہوتے ہیں۔

یہودی معیشت

ہماری انتظامیہ کو ماہرین معیشت کی بہت بڑی تعداد کی خدمات میسر ہوں گی یا یہ کہہ لیجئے کہ وہ ماہرین اقتصادیات سے گھری ہوئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کو دی جانے والی تعلیم میں اقتصادی سائنس کو ایک اہم مضمون کی حیثیت حاصل ہے، ہمارے چاروں طرف بنکاروں، صنعت کاروں، سرمایہ کاروں اور کروڑ پتیوں کا ایک بڑا مجمع ہوگا۔ ہمیں ان کی خدمات بہت سے کاموں کے لیے درکار ہوں گی کیونکہ ہم ہر مسئلے کا فیصلہ اعداد وشمار کی روشنی میں کرتے ہیں۔

وہ وقت بہت قریب ہے جب ہماری مملکتوں کے کلیدی عہدوں پر ہمارے یہودی بھائی تعینات ہوں گے۔ ان کی تقرریوں میں نہ کوئی رکاوٹ ہوگی اور نہ کوئی خطرہ ہوگا۔ لیکن وہ وقت آنے تک ہم معاملات کی باگ ڈور ایسے لوگوں کو دیں گے جن کا ماضی اور حال یہ ثابت کر سکے کہ ان کے اور عوام کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے۔ ہماری ہدایات کی خلاف ورزی کرنے پر انہیں سنگین الزامات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یا پھر شرم و ندامت کی وجہ سے خودکشی کیئے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اس طریق کار سے دوسرے لوگوں کو نافرمانی کرنے والوں کے انجام سے سبق ملا کرے گا اور وہ آخری وقت تک ہمارے مفاد کے لیے کام کرنے پر مجبور ہوں گے۔

❖

وثیقہ: ۹

دوبارہ تعلیم کی ضرورت

اہم نکات: اقوام کو فری میسن اصولوں کی تعلیم دینے کی ضرورت، فری میسن کے شناختی الفاظ، غیر سامی ہونے کا مطلب و مفہوم، میسنری آمریت، دہشت انگیزی، میسنری کے خادم کون ہیں، غیر یہودی ریاستوں کی صاف بیں اور اندھی قوتوں کا مفہوم، حاکمیت اور عوام کا تعلق، بے راہ روی، تعلیم و تربیت پر کنٹرول، غلط نظریات، قوانین کی تشریح و توضیح، زیر زمین تحریکیں۔

ہمارے قواعد و ضوابط کو جامہ عمل پہنانے سے قبل آپ کو ان لوگوں کے کردار کا بھی جائزہ لینا ہوگا جن میں رہ کر آپ کو کام کرنا ہے۔ عوام کو جب تک ازسرنو ہمارے نصاب کے مطابق زیور تعلیم سے آراستہ نہیں کیا جائے گا ان قواعد و ضوابط کا سب پر یکساں اطلاق ممکن نہ ہوگا۔ تاہم اگر احتیاط اور صبر و تحمل سے کام لیا جائے تو دس سال کا عرصہ بھی نہیں گزرے گا کہ ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے افراد کے ذہنوں میں بھی تغیر محسوس ہونے لگے گا اور ہمارے مطیع افراد کی صف طویل تر ہوتی چلی جائے گی۔

''لبرل'' کے الفاظ جو دراصل ہمارے شناختی (امتیازی) الفاظ یا ''واچ ورڈ'' ہیں انہیں آج ہم ''آزادی، مساوات اور اخوت'' کہتے ہیں لیکن جب ہماری اپنی سلطنت قائم ہوگی ہم ان کو نئے معنی پہنائیں گے۔ پھر یہ الفاظ خفیہ اشارے نہیں رہیں گے۔ محض ایک تصور ہوں گے۔ ان کے معنی پھر یوں ہوں گے ''آزادی کا حق، مساوات کا فرض اور اخوت کا فرض۔'' ہم ان الفاظ کی تاویل اسی انداز میں کریں گے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کا طریق کار بھی یہی ہے۔ جیسا کہ انگریزی کے ایک محاورے میں ''بیل کو سینگوں سے پکڑنا'' کہا جاتا ہے۔

جہاں تک حقیقی حکمرانوں کا تعلق ہے ہم نے ان سب کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ آئینی حکمراں اگرچہ آج بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی حکومت اگر ہمارے خلاف آواز بلند کرتی ہے تو یہ ہمارے ہی ایماء اور ہماری ہی ہدایت کے تحت ایک رسمی کارروائی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی یہی

دشمنی ہمارے مابین گہری اخوت بیدار کرنے کا سبب بنتی ہے۔ اب میں مزید تفصیل میں نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ مسئلہ ہمارے درمیان بار بار زیر بحث آچکا ہے۔

قتل عام

ہمارے لیے ایسی رکاوٹیں یا مشکلات نہیں جو ہمارے دائرہ عمل کو محدود کرسکیں۔ ہماری سپر گورنمنٹ غیر قانونی اساس پر ہی رہ سکتی ہے جسے عام اصطلاح یا بہترین الفاظ میں ''ڈکٹیٹرشپ'' کہا جاتا ہے میں اس حیثیت میں ہوں کہ آپ پر بات اچھی طرح واضح کرسکوں کہ وقت آنے پر قانون کی تشکیل کرنے والے فیصلے بھی صادر کریں گے اور سزائیں بھی نافذ کریں گے۔ ہم قتل عام کریں گے اور کسی کو نہیں بخشیں گے۔ اپنی فوجوں کے سالار کی حیثیت سے قیادت ہمارے ہی ہاتھ میں ہوگی۔ چونکہ ہمارے دائرۂ اختیار میں وہ عناصر بھی ہوں گے جو کبھی صاحب اقتدار اور ذی جاہ تھے لیکن بعد میں ہمارے ہاتھوں مغلوب ہوئے۔ لہٰذا ایسے عناصر کو قابو میں رکھنے کے لیے ہمیں قوت ارادی کو بروئے کار لانا پڑے گا۔ لامحدود امنگیں، مشتعل جذبات اور جلتی ہوئی شعلہ فشاں حرص و آز، بے رحمی اور شقی القلبی، نفرت اور غیظ و غضب ہمارے ہتھیار ہوں گے۔

ہمارے کارندے

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آج ہر طرف جو دہشت گردی اور بربریت پھیلی ہوئی ہے اس کا سرچشمہ ہم ہی ہیں۔ ہمارے کارندوں میں سوشلسٹ اور کمیونسٹ بھی ہیں، بے تاج و تخت سربراہان مملکت اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والے عناصر بھی شامل ہیں۔ یہ سب ہماری غلامی کررہے ہیں۔ ان سب کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے تیار کررکھا ہے۔ ان میں سے ہر شخص اپنے طور پر بچی کھچی حکومتوں کی جڑیں کھودنے اور نظم و ضبط کی تمام مسلمہ صورتوں کو درہم کرنے میں سرگرم عمل ہے۔ ان کی سرگرمیوں کے باعث تمام مملکتیں شدید اذیت سے دوچار ہیں۔ وہ امن و سکون کے لیے پند و نصائح سے بھی کام لیتی ہیں اور اس کے لیے اور بھی ہر قسم کی قربانی و ایثار کے لیے آمادہ ہیں لیکن ہم ان کو اس وقت تک امن و سکون سے نہیں بیٹھنے دیں گے جب تک یہ ہماری سپر گورنمنٹ کو جذبہ اطاعت کے ساتھ تسلیم نہ کرلیں گی۔

سوشلزم کے مسئلے کو بین الاقوامی معاہدے کے ذریعے طے کرنے پر اگرچہ بہت سے لوگوں نے زور دیا ہے لیکن مختلف پارٹیوں میں منقسم ہونے کی وجہ سے سوشلسٹ ہمارے ہاتھوں میں کھیلنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ کشمکش کی فضا کو برقرار رکھنے اور انتخابی مقابلوں کو جاری رکھنے کے لیے ہر شخص کو سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ سارے کا سارا ہمارے ہاتھوں میں مرکوز ہے۔

ہمارے پاس یہ بات جاننے کے لیے ٹھوس وجوہات موجود ہیں کہ غیر یہود کے عقابی نظر رکھنے والے بادشاہوں اور ان کے ناعاقبت اندیش عوام کے درمیان اتحاد کی گنجائش اور امکان موجود ہے لیکن ہم اس امکان کے خلاف پہلے ہی ضروری اقدامات کر چکے ہیں اور دونوں قوتوں کے مابین خوف وہراس کی دیوار کھڑی کردی ہے۔ اس طرح ہم ہمیشہ اور ہر جگہ عوام کی اندھی طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ہم صرف انہیں قیادت مہیا کریں گے اور انہیں ان راستوں پر گامزن کریں گے جن کا رخ ہماری منزل کو جاتا ہے یعنی جو ہمارے مفاد کے مطابق ہے۔

طریقِ کار

غیر یہود اداروں کو ہمیں اس وقت تک نہیں چھیڑنا چاہیے جب تک ہم اس قابل نہ ہوں کہ حسن تدبیر اور سلیقے سے ان کو مکمل طور پر تباہ کردیں اور اس طرح ان کی زندگی کے نظام کے سرچشموں پر پوری طرح قابو نہ پالیں۔ اس نظام کو زندگی بخشنے والے چشمے بڑے منظم اور منضبط ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کو پہلے ہی خشک کرنے کی تدابیر اختیار کرلی ہیں۔ عدلیہ کے نظم ونسق میں ہمیں پہلے ہی دخل حاصل ہوچکا ہے۔ انتخابی عمل میں، پریس کی کارکردگی میں اور شخصی آزادی کی حدود کے اندر، الغرض ہر اہم شعبہ زندگی میں ہمیں دخل حاصل ہے۔ لیکن ہمارا خاص دخل تعلیم وتربیت میں ہے جو آزاد زندگی میں بنیادی ستون کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم نے غیر یہود نوجوان نسل کو احمق، لاابالی، بدچلن اور اخلاقی طور پر دیوالیہ بنا دیا ہے اور ان کی تربیت ایسے نظریات اور عقائد کی روشنی میں کی ہے جو ہمارے ہی پیش کردہ ہیں اور جن کے بارے میں ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ قطعاً بے بنیاد اور غلط ہیں۔

علاوہ ازیں موجودہ قوانین میں کوئی خاص تبدیلی لائے بغیر متضاد قسم کی توضیحات سے انہیں توڑ مروڑ کر ہم نے ایسے نتائج اخذ کئے ہیں جو بظاہر بڑے پرشکوہ نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ ان نتائج کا ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ پہلے تو اصل قوانین ضمنی توضیحات وتشریحات کے پردوں میں

چھپ کر رہ گئے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ مکمل طور پر حکومتوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ قانون سازی کے الجھے ہوئے جالے میں کچھ اخذ کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہیں سے ثالثی فیصلوں کے نظریہ (Theory of Arbitration) کی ابتداء ہوتی ہے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر غیر یہودیوں کو وقت آنے سے قبل ہماری سرگرمیوں اور منصوبوں کا اندازہ ہوجائے تو وہ مسلح ہوکر ہم پر ہلہ بول دیں گے۔ لیکن مغربی ممالک میں ہم نے انتہائی دور بینی اور حکمت عملی کے ساتھ اس امکان کے خلاف دہشت گردی کا منصوبہ تیار کرلیا ہے کہ اس کی تفصیل جاننے سے مضبوط سے مضبوط دل والے انسان بھی لرز اٹھیں گے۔ اس منصوبے کے تحت وہ براوقت آنے سے پہلے ہی ہم تمام دارالحکومتوں کے زیر زمین بڑے بڑے شہر تعمیر کرلیں گے اور بارودی سرنگوں کا جال بچھا دیں گے جہاں سے ان دارالسلطنتوں کو ان کے تمام دفاتر اور اداروں سمیت بھک سے اڑا دیا جائے گا۔

❖

وثیقہ: ۱۰

اقتدار کے لیے تیاری

اہم نکات: سیاست میں ظاہرداری اور بدمعاشانہ ذہنیت، فری میسن کے فوجی انقلاب کا فائدہ، حق رائے دہندگی، خودستائی اور فری میسن کے لیڈر عبقری رہنما ادارے، سیاسی رواداری کا زہر، آئین سیاسی پارٹیوں، جمہوریت کا دور، صدور فری میسن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی، صدور کی ذمہ داری، "پانامہ" کا صدر اور اس کے ساتھیوں کا کام، فری میسن تحریک، قانون ساز قوت، نیا جمہوری آئین، "شہنشاہ عالم" کے اعلان کا وقت، فری میسن کا بیماریاں پھیلانا اور اس کی دیگر چالیں۔

آج میں آپ کے سامنے وہ باتیں پھر دہراتا ہوں جو پہلے بھی کہہ چکا ہوں تاکہ آپ یہ باتیں اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ اس دور کی مملکتیں اور اس دور کے عوام سیاسی دنیا میں صرف ظاہری ہیئت پر مطمئن ہو چکے ہیں۔ آخر غیر یہودی عوام معاملات کی تہہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں جب کہ ان کے اپنے نمائندے ہی ان معاملات تک نہیں پہنچ پائے۔ اور عیش و عشرت میں ڈوبے رہنا پسند کرتے ہیں۔ ہماری حکمت عملی کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ہم تمام اہم امور سے باخبر رہیں اور ان پر گہری نظر رکھیں کیونکہ اختیارات کی تقسیم، تقریر و تحریر کی آزادی، پریس کے لیے آزادی، مذہب اختیار کرنے کی آزادی، انجمن سازی کی آزادی، املاک کے تحفظ کی ضمانت، قانون کی نظر میں سب کی برابری، رہائشی ٹیکس اور بعض دیگر ٹیکس (خصوصاً ٹیکس چوری کا مسئلہ) بڑے اہم مسائل ہیں۔ ان پر کھلے عام اور براہ راست بحث و مباحثہ مناسب نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض ان پر اظہار خیال کرنا ناگزیر ہوجائے تو ان پر واضح اور دوٹوک اظہار خیال نہیں کیا جانا چاہیے۔ ان کا اجمالی ذکر اس طور پر کیا جائے جیسے کہ ہم مروجہ عصری اصولوں کو تسلیم کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس معاملے میں خاموشی اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان اصولوں کا نام نہ لے کر ہم اپنی آزادی عمل کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ کسی ایک چیز کو اختیار کرنے اور دوسری چیز کو ترک کرنے کی آزادی کو کسی کے نوٹس میں لائے بغیر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم اپنا مطلب بھی پورا کرلیں اور کسی کو شبہ تک نہ گزرے۔

عوام کی عام حالت یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں سیاسی قوت کے لیے خاص محبت اور تعظیم کو پالتے پوستے رہتے ہیں۔ سیاست کے نام پر تمام جارحانہ کارروائیوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے انہیں یہ الفاظ کہتے ہوئے اکثر سنا ہوگا۔ "یہ تو بڑی شیطنت ہے، بدمعاشی تو ہے لیکن اس میں ذہانت بھی پائی جاتی ہے۔ تم اسے چالبازی کہہ لو لیکن کتنی صفائی سے کی گئی ہے، اس فریب میں کتنی خوبصورتی، کتنی دیدہ دلیری اور کیسی زبردست جسارت ہے۔"

ہم نے دنیا کے لیے جو نیا بنیادی ڈھانچہ تشکیل دیا ہے، امید ہے کہ وہ اقوام عالم کے لیے بڑا پرکشش ہوگا، ہماری ساری منصوبہ بندی، اسی ڈھانچے کے حوالہ سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لیے تمام چیزوں سے زیادہ اہمیت خود کو مسلح کرنے کی ہے۔ یہ ہماری ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ ہم اپنی عمدہ صف بندی کریں اور پرعزم و پرجوش اور ناقابل تسخیر قوت بن جائیں۔ ہم اپنے سرگرم کارکنوں کی وجہ سے راہ میں آنے والی تمام رکاوٹیں اور مزاحمتیں دور کر سکتے ہیں۔ جب ہم نے اپنے انقلابی پروگرام کو مکمل کر لیا تو ان اقوام کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ "ہر معاملہ خراب ہو چکا ہے، آلام و مصائب نے سب کو بدحال کر دیا ہے۔ ہم آپ کے مصائب اور مسائل کے تمام اسباب یعنی قومیتوں، سرحدوں اور کرنسیوں سے پیدا ہونے والے تنازعات کو ختم کر دیں گے۔ آپ کو اختیار ہے کہ ہمیں بیشک قصوروار ٹھہرائیں لیکن ہم جو کچھ آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں پہلے اسے پرکھ تو لیں۔ ایک موقع تو دیں۔"

اس کے بعد عوام ہمارے گن گانا شروع کر دیں گے اور متفقہ طور پر امیدوں اور توقعات کا جشن مناتے ہوئے ہمیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیں گے۔ اس مقصد کے لیے ہمیں ہر شخص سے طبقہ اور قابلیتوں کے معیار سے بلند ہو کر بلاتمیز ولحاظ ووٹ حاصل کرنا ہوگا تاکہ ہمیں واضح اور قطعی اکثریت حاصل ہو جائے۔ یہ اکثریت تعلیم یافتہ اور بالادست طبقہ کے بل پر نہیں مل سکتی۔

جب عوام نے ہمیں اپنا نجات دہندہ سمجھنا شروع کر دیا اور ہمیں اپنی مشکلات و مصائب کا حال سمجھنے لگ گئے تو انتخابات میں ہمارے سامنے کوئی بھی نہیں ٹھہر سکے گا۔ انتخابات ہمارا اعلیٰ ترین ہتھیار بن جائیں گے، انہی کے ذریعہ عوام ہمیں دنیا کی تاجداری بخشیں گے۔ حد یہ ہے کہ انسانی نسل کی چھوٹی چھوٹی اکائیاں جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ ہم پر اپنے اعتماد کا اظہار کریں گی۔ دراصل یہ لوگ ہمارے ہاتھوں میں کھیل رہے ہوں گے اور ہمارے مخالفین کی کسی بات پر کان نہ دھریں گے۔ اس طریقہ پر ہم ایک اندھی قوت پیدا کر دیں گے جو ہمارے ایجنٹوں اور کارندوں کی رہنمائی کے بغیر کبھی

آگے نہیں بڑھ سکے گی اور ان کارندوں کو ہم عوام کا رہنما بنا کر پیش کریں گے۔

منصوبوں کی تیاری

یہ بات ملحوظ خاطر رکھئے کہ حکومت کا ہر منصوبہ ایک اور صرف ایک ذہن کی پیداوار ہونا چاہیے کیونکہ کئی اذہان کی تیار کردہ شقیں اور اجزا نہ صرف جامعیت سے محروم رہتے ہیں بلکہ ان کی گرفت بھی مضبوط نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے متعلق طریق کار سے آگاہی تو ہم حاصل کر سکتے ہیں لیکن اسے زیر بحث نہیں لا سکتے، مبادا اس میں پنہاں فریب کاریوں، اس کے مختلف حصوں کے باہمی ربط و انحصار، ہر شق کے خفیہ معانی کو نقصان پہنچ جائے۔ اس قسم کے مشکل اور محنت طلب منصوبوں کو زیر بحث لانا اور متعدد رائے شماریوں کے ذریعہ ان میں ترمیم کرنا منصوبوں کی اصل روح کو گزند پہنچانے کے مترادف ہوگا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے منصوبے مؤثر بھی ہوں اور پوری حزم و احتیاط سے بھی تیار کئے گئے ہوں۔ اس لیے ہمیں اپنے ذہین و فطین لوگوں کے کام کو عوام یا سلیکٹ کمیٹیوں کے زہریلے دانتوں کی نذر نہیں ہونے دینا چاہیے۔

ہمارے یہ منصوبے، موجودہ اداروں کو فوری طور پر درہم برہم نہیں کریں گے بلکہ ان کی معیشت پر اثر انداز ہوں گے اور ان کی معیشت کو تبدیل کر کے رکھ دیں گے، پھر ان اداروں میں بھی تبدیلی کا رجحان پیدا ہوگا اور وہ اسی راہ پر چل پڑیں گے جو ہمارے منصوبوں کے عین مطابق ہوگی۔

اہمیت کار

اس وقت دنیا کے تمام ملکوں میں مختلف ناموں کے تحت تقریباً ایک ہی قسم کا نظام موجود ہے۔ انہیں نمائندگی، وزارت، اسٹیٹ کونسل، (قانون ساز) لیجسلیٹو ادارے اور انتظامی کونسلیں وغیرہ کہا جاتا ہے۔ میں ان اداروں کے باہمی تعلق و ربط بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، کیونکہ ان سے ہر کوئی واقف ہے۔ آپ صرف اس حقیقت کو ذہن نشین کیجئے کہ متذکرہ اداروں میں سے ہر ایک مملکت کے ''اہم'' کاموں کو سرانجام دیتا ہے۔ میں یہاں یہ بات پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے لفظ ''اہم'' سے متعلق کہا ہے ''ادارے'' کے متعلق نہیں کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے لیے ان اداروں کی کوئی اہمیت نہیں، ان ''کاموں'' کی اہمیت ہے جو انجام دیئے جاتے ہیں۔ ان اداروں نے

اپنے درمیان حکومت کے فرائض تقسیم کرر کھے ہیں۔ جن میں انتظامیہ، مقننہ اور عاملہ کے فرائض شامل ہیں۔ اس طرح یہ تمام ادارے اسی طرح مصروف کار ہیں جس طرح انسانی جسم کے اعضاء کام کرتے ہیں۔ اگر کسی مملکت کی مشینری کے کسی ایک حصے کو نقصان پہنچ جائے تو پوری مملکت بیمار ہو جاتی ہے جیسا کہ انسانی جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ پھر مر بھی جاتا ہے۔ اس طرح مشینری بھی تباہ ہو جاتی ہے۔

کٹھ پتلی صدر

جب ہم نے مملکتوں کے نظام میں لبرل ازم کا زہر بھرا تو ان کا تمام سیاسی رنگ تبدیل ہو گیا۔ اب مملکتیں ایک مہلک بیماری کا شکار ہو چکی ہیں۔ ان کے خون میں زہر سرایت کر چکا ہے، اب ہمیں صرف ان کی حالت نزع اور موت کا انتظار ہے۔ لبرل ازم کے نتیجے میں آئینی حکومتیں وجود میں آچکی ہیں جنہوں نے غیر یہود کے واحد تحفظ مطلق العنانیت کی جگہ لے لی ہے۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ کسی بھی دستور کی حیثیت، اختلافات، غلط فہمیوں، جھگڑوں، نا اتفاقیوں، بے فائدہ جماعتی شورشوں اور جماعتی اوہام کی درس گاہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتی۔ یہ دستور ان تمام چیزوں کا ملغوبہ ہوتا ہے جو ریاستی سرگرمیوں کی تمام خصوصیات کو مٹا کر رکھ دیتا ہے۔ باتوں کے دھنی اس پلیٹ فارم نے حکمرانوں کو مجبور اور بے بس بنانے میں پریس سے کوئی کم کردار ادا نہیں کیا۔ لہٰذا بہت سے ممالک کے حکمراں جب بیکار اور فاضل ہو گئے تو انہیں اقتدار سے الگ کر دیا گیا۔ اس کے بعد جمہوریتوں کا دور شروع ہو گیا اور پھر ہم نے حقیقی حکمرانوں کی جگہ عوام ہی میں سے ایسے افراد کو گدی پر بطور صدر بٹھا دیا جو ہماری غلامی کا دم بھرتے تھے۔ یہ کٹھ پتلی مخلوق ان مملکتوں کے لیے باعث تضحیک تھی۔ یہ دراصل ایک بارودی سرنگ کی بنیاد تھی جو ہم نے غیر یہودی اقوام کے نیچے بچھا دی۔

مستقبل قریب میں ہم صدر کے اختیارات کا بھی تعین کر دیں گے، اس وقت تک ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ جن امور کے لیے ہمارا آلہ کار نام نہاد حکمراں ذمہ دار ہوگا، ہم قانون کی ظاہری صورتوں کی پروا کیے بغیر انہیں خود پایہ تکمیل کو پہنچا دیں گے۔ ہمیں اس کی ہرگز کوئی پروا نہ ہوگی کہ اقتدار کے بھوکوں کی صف مین کوئی رخنہ پڑ جائے، یا صدارتی امیدواروں کا حصول ناممکن ہو جائے اور اس عمل میں رکاوٹ پڑنے سے بحران پیدا ہو جائے اور بالآخر وہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہم ایسے امیدواروں کو صدارتی انتخاب لڑوائیں گے جن کا

ماضی سیاہ ہو، جن کے دامن داغ دار ہوں لیکن وہ ناپاک افراد پردۂ اخفا میں رہیں۔ اس صورت میں یہ لوگ ہمارے منصوبوں کی تکمیل کے لیے معتمد ایجنٹ ثابت ہوسکیں گے کیونکہ انہیں ایک طرف اپنے رازوں کے افشا ہونے کا خطرہ دامن گیر رہے گا اور دوسری طرف اقتدار و اختیارات، مختلف مراعات اور فوائد سے محرومی پلے پڑنے کا خوف ہوگا۔ صدارتی عہدے کی شان و شوکت برقرار رکھنے کی خواہش انہیں مغلوب رکھے گی۔

ایوان نمائندگان کی حیثیت تو صدر کے لیے محض ایک آڑ کی سی ہوگی۔ یہ ایوان صدر کو منتخب کرے گا، اسے تحفظ فراہم کرے گا لیکن ہم چیمبر کو نئے قوانین بنانے یا پہلے سے موجود قوانین میں ترمیم کرنے کے حق سے محروم کرکے، حق صدر کو منتقل کر دیں گے جس کی حیثیت ہمارے نزدیک ایک کٹھ پتلی سی ہوگی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ صدر کے اختیارات عوامی تنقید کا نشانہ بن جائیں گے لیکن ہم اسے اپنے بچاؤ کے لیے عوام کے سامنے اپیل کرنے کا حق دیں گے۔ وہی ناعاقبت اندیش عوام جو ہمارے غلام ہیں صدر کے حق میں ان کا فیصلہ اپنے نمائندوں سے بالا ہی بالا ہوگا۔ ہم صدر کو چیمبر سے مشورہ کئے بغیر اعلان جنگ کرنے کا بھی حق دے دیں گے اور اس حق کا جواز یہ پیش کریں گے کہ ملک کی تمام فوج کے سربراہ کی حیثیت سے اسے صدر کے دائرۂ اختیار ہی میں رہنا چاہیے تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ نئے جمہوری دستور کے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے اس کی حفاظت کرسکے۔ لہٰذا یہ سمجھنا آسان ہے کہ ان حالات میں خزانے کی چابی ہمارے ہاتھ میں ہی رہے گی۔ ہمارے علاوہ کوئی اور طاقت، قانون سازی کی قوت کو حرکت میں نہیں لاسکے گی۔

علاوہ ازیں نئے جمہوری دستور کے نفاذ کے ساتھ ہی ایوان سے سیاسی راز داری کی آڑ میں سرکاری اقدامات کی تفصیل طلب کرنے اور سوالات کرنے کا حق واپس لے لیا جائے گا۔ ارکان پارلیمنٹ کی تعداد بھی بہت کم کردی جائے گی۔ اس سے سیاسی جوش و جذبے میں بھی کمی آجائے گی۔ اس کے باوجود بھی اگر ان کے جذبات بھڑک اٹھیں تو ہم عوام کی اکثریت کے پاس پرزور اپیل لے کر جائیں گے اور انہیں کالعدم قرار دلوا دیں گے۔ صدر ہی چیمبر اور سینٹ کے پریذیڈنٹ اور وائس پریذیڈنٹ کو نامزد کرے گا۔ پارلیمنٹ کے اجلاس متواتر منعقد کرنے کی بجائے صرف چند ماہ کی کارروائیوں تک محدود کر دیئے جائیں گے۔

وثیقہ : ۱۱

کلیت پسند ریاست

اہم نکات: نئے آئین کا پروگرام، مجوزہ انقلاب کی بعض خصوصیات، غیر یہودی بھیڑوں کا ایک گلہ، فری میسنری، دکھاوے کی اجتماع گاہیں۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ اسٹیٹ کونسل، اقتدار کا مؤثر ترین ذریعہ اظہار تسلیم کی جاتی رہی ہے۔ ہمارے نظام سیاست میں یہ قانون ساز ''کور'' (مقننہ) کے لیے محض دکھاوے کا کام دیتی رہے گی۔ نئے آئین کے تحت قانون، حقوق اور انصاف کے اصول وضوابط کے لیے ہم درج ذیل طریقہ اختیار کریں گے۔

(۱) قانون اور دیگر متعلقہ امور کے لیے تجاویز قانون ساز کور (Legislative Corps) کے روبرو پیش کی جائیں گی جنہیں یہ ''کور'' پہلے ہی نافذ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوگی۔ ان تجاویز کی حیثیت محض ایک بہروپ یا دکھاوا ہوگی۔

(۲) عام قواعد کے نام پر صدر کے احکامات اور سینٹ کے احکامات کو قانون کا درجہ حاصل ہوگا۔ اسی طرح وفاقی کونسل کی قراردادوں کو وزارتی احکامات کے روپ میں جاری کیا جائے گا۔ ان کی حیثیت بھی قانون ہی کی ہوگی۔

(۳) مناسب موقع آنے پر ریاست میں انقلاب برپا کر دیا جائے گا اور نئے قوانین پاس کرا لیے جائیں گے۔

عام طریق کار متعین کرنے کے بعد ہم ان اجتماعی سرگرمیوں کی تفصیلات طے کرنے میں مصروف ہو جائیں گے جن کے ذریعہ ہمیں ریاستی مشینری میں انقلاب لانا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں پریس کی آزادی، انجمن سازی کا حق، ضمیر کی آزادی، ووٹ کے استعمال کا حق اور اس نوعیت کی بہت سی دیگر آزادیاں اور دیگر حقوق کا تصور انسانی ذہن سے حرف غلط کی طرح

مٹ جانا چاہیے۔ یا ان تصورات میں بنیادی تبدیلی آجانی چاہیے۔ کیونکہ یہی لمحہ ہوگا جس میں ہم فی الفور اپنے احکامات کا اعلان کرنے کے قابل ہوں گے۔ بعد میں کوئی بھی تبدیلی لانا خطرناک ہوجائے گا۔ اگر یہ تبدیلی جبر و تشدد کے ذریعہ لائی گئی تو لوگوں میں مایوسی، بد دلی اور خوف و ہراس پھیلانے کا سبب بن جائے گی۔ اس کے برعکس اگر نئی تبدیلی کا مقصد لوگوں کو مزید سہولتیں دینا ہوگا تو کہا جائے گا کہ ہم نے اپنی غلطی کو تسلیم کرلیا ہے اور یہ چیز ہمارے اقتدار کے استحکام اور منزہ عن الخطا ہونے کی حیثیت کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔ اس سے یہ تاثر بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ ہم نے آنے والے خطرے کو محسوس کرلیا ہے اور اب گھٹنے ٹیک رہے ہیں۔ اس اقدام پر لوگ ہمارے شکر گزار ہونے کی بجائے اسے ہماری مجبوری اور بے بسی پر محمول کریں گے۔ لہٰذا یہ دونوں قسم کا طرز عمل نئے وقار و تکریم کے لیے باعث ضرر ہوگا۔

ہمارا مقصد تو ہے کہ نئے آئین کے نافذ ہوتے ہی (جب کہ اقوام عالم اس انقلاب پر حیران و ششدر اور حواس باختہ ہوں) وہ خوف و دہشت اور بے یقینی کے عالم ہی میں یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے تسلیم کرلیں کہ ہم ایک نہ مٹنے والی طاقت ہیں، ہماری قوت اتنی ناقابل تسخیر ہے کہ ہمیں ان کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہے۔ ہمیں ان کی خواہشات کا احترام تو درکنار ان کی مزاحمت، ان کے اظہار مخالفت کو ہر وقت اور ہر جگہ کچل کر رکھ سکتے ہیں۔ انہیں یہ بھی ذہن نشین کرنا ہوگا کہ ہم نے فوری طور پر ہر اس چیز پر قبضہ کرلیا ہے کہ جس کے ہم خواہاں تھے اور یہ بھی کہ ہم انہیں اپنے اقتدار میں شریک کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ بالآخر وہ خوف زدہ اور لرزہ براندام ہوکر ہر چیز سے آنکھیں بند کرلیں گے اور اس ناٹک کے اختتام کا انتظار شروع کردیں گے۔

غیر یہودی اقوام بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ ہیں اور ہم ان کا شکار کرنے والے بھیڑیے ہیں۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ جب بھیڑیے گلے میں گھستے ہیں تو کیا حشر برپا ہوتا ہے؟ ان کے آنکھیں بند کرلینے کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ ہم ان سے مسلسل یہ وعدہ کرتے رہیں گے کہ امن دشمن عناصر کو ختم کرنے اور مختلف سیاسی جماعتوں سے تعاون کی یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد ہم ان کی تمام آزادیاں فوراً لوٹا دیں گے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ آزادیاں واپس ملنے میں انہیں کتنا انتظار کرنا ہوگا۔

فری میسنری اور نمائشی اجتماع گاہیں

آخر ہم نے یہ پالیسی کسی مقصد کے لیے وضع کی ہے اور غیر یہود کو اس کا مفہوم سمجھنے کا موقع دیئے بغیر ہی ان کے ذہنوں پر قبضہ کیوں کرلیا ہے؟ اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہم بالواسطہ طور پر وہ کچھ حاصل کرلینا چاہتے ہیں جسے ہم منتشر قبیلہ براہ راست حاصل نہیں کرسکتا۔ یہی چیز فری میسن کی خفیہ تحریک کی بنیاد ہے جس کا حقیقی علم کسی کو نہیں ہے۔ ہمارے ان عزائم و مقاصد پر ان غیر یہود مویشیوں کو شک تک نہیں گزر سکتا۔ ان کو ہم فری میسن کی اجتماع گاہوں میں ٹیپ ٹاپ سے مسحور کر کے اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں تا کہ یہ اپنے ہم وطنوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکیں۔ خدا نے ہمیں، یعنی اپنی محبوب قوم کو انتشار اور جلاوطنی کا تحفہ دے رکھا ہے۔ یہ چیز بظاہر ہماری کمزوری دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت ہماری تمام قوت کا راز اسی میں ہے۔ یہی چیز ہمیں دنیا بھر کی شہنشاہیت کی دہلیز پر لے آئی ہے۔ ہم نے جو بنیادیں رکھ دی ہیں ان پر تعمیر کا کام اب کچھ زیادہ نہیں رہ گیا ہے۔

❖

وثیقہ: ۱۲

پریس پر کنٹرول

اہم نکات: فری میسن کے نزدیک لفظ ''آزادی'' کا مفہوم، فری میسن سلطنت میں پریس کا مستقبل، خبر رساں ایجنسیاں، ترقی کا مطلب و مفہوم، صوبوں میں عوامی مطالبات ابھارنا، منزہ عن الخطا ہونا، بے داغ نئی حکومت کا قیام۔

آزادی کی تعبیر

لفظ ''آزادی'' کی بہت سی تعبیریں ہوسکتی ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کی تعبیر یا تعریف یہ ہے:
''آزادی ایسے کام کرنے کے حق کا نام ہے جن کی قانون میں اجازت ہو۔ اس لفظ کی یہ تعریف مناسب وقت پر ہمارے کام آئے گی، کیونکہ ہر قسم کی آزادی ہمارے ہاتھ میں ہوگی، لہٰذا قوانین صرف ایسی چیزوں کو ختم کریں گے یا ایسی نئی چیزوں کو متعارف کرائیں گے جو مجوزہ پروگرام سے مطابقت رکھتے ہوں گے۔''

پریس کا کردار

آج کا پریس کیا کردار ادا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان جذبات کو ابھارتا ہے جو ہمارے مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہوتے ہیں پھر سیاسی پارٹیوں کے خودغرضانہ مقاصد کو پورا کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ یہ اکثر و بیشتر بے مغز، بے انصاف اور جھوٹا ہوتا ہے۔ عوام کی بھاری اکثریت کو اس امر کا کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ پریس کن مقاصد کی تکمیل کررہا ہے؟ لیکن ہم اب کے منہ میں کس کر لگام دیں گے اور مکمل طور پر قابو میں رکھیں گے۔ بلکہ ہر قسم کے مطبوعہ مواد کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل یہی ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم کتابوں اور پمفلٹوں کے حملوں کا نشانہ بنے رہے تو ہمیشہ خطرے

میں رہیں گے۔ پبلسٹی کی تخلیقات پر سنسر کی وجہ سے بڑا خرچہ آتا ہے، اس کو ہم ریاست کے لیے ایک منفعت بخش آمدنی میں تبدیل کردیں گے۔ ہم طباعتی اداروں کے قیام اور اخبارات کے اجراء کے لیے زر ضمانت داخل کرانا لازمی قرار دے دیں گے۔ پریس کو اس امر کی بھی ضمانت دینا ہوگی کہ وہ حکومت پر تنقید کرنے سے باز رہے گا۔ اس ضمانت کی خلاف ورزی پر جذبہ ترحم کے بغیر بھاری جرمانہ کیا جائے گا۔ اس طرح سٹامپ ٹیکس، زر ضمانت، جرمانوں اور اس قسم کے دیگر اقدامات سے حکومت کو بھاری آمدنی ہوگی۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ پارٹیوں کے ترجمان، پبلسٹی پر شاید زیادہ خرچ نہیں کرسکیں گے۔ لہٰذا دوسری بار تنقید کرنے پر ہم انہیں فوری طور پر بند کردیں گے۔ اس لیے کوئی شخص ہم پر انگلی اٹھانے کا تصور بھی نہیں کرسکے گا۔ کسی چیز کی اشاعت کو روکنے کے لیے، یہ عذر کافی ہوگا کہ یہ بے موقع ہے اور اس سے عوام کے ذہنوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔

براہِ کرام اس چیز کو ذہن میں رکھیں کہ ہم پر تنقید کرنے والوں میں وہ اخبارات و رسائل بھی ہوں گے جنہیں ہم نے خود قائم کیا ہوگا لیکن وہ صرف ایسے امور پر نکتہ چینی کریں گے جنہیں بدلنے کا ہم نے پہلے سے فیصلہ کرلیا ہوگا۔ ہم اس امر کا انتظام کریں گے کہ ہماری مرضی کے بغیر کوئی اعلان عوام تک نہ پہنچنے پائے۔ یہ مقصد ہم اب بھی بڑی حد تک، حاصل کررہے ہیں۔ کیونکہ تمام خبریں چند ایجنسیوں کو وصول ہوتی ہیں، جو دنیا بھر سے آتی ہیں۔ لہٰذا ہم تمام ایجنسیوں پر قبضہ کرلیں گے اور صرف ایسی خبریں شائع کرائیں گے جو ہماری مرضی کے مطابق ہوں۔

اگر اس وقت ہم نے غیر یہود کے ذہنوں پر اتنا قبضہ جما لیا ہے کہ وہ واقعات عالم کو انہی رنگین عینکوں سے دیکھتے ہیں جو ہم انہیں پہناتے ہیں۔ اگر آج دنیا میں ایسی کوئی ریاست نہیں جس کی وہ تمام باتیں ہمیں معلوم نہ ہوں جنہیں یہ احمق "سرکاری راز" کہتے ہیں تو ہماری اس وقت کیا پوزیشن ہوگی جب اقوام عالم کے مسلمہ حکمراں ہوں گے۔

آیئے ہم ایک بار پھر پریس کے مستقبل پر نظر ڈالیں۔ جو شخص بھی پبلشر، لائبریرین یا پرنٹر بننا چاہے گا اسے ہم ایک ڈپلوما حاصل کرنے کا پابند بنادیں گے۔ جو کسی نقص یا خلاف ورزی کی صورت میں فوری طور پر ضبط کرلیا جائے گا۔ اس اقدام کی بدولت فکر و تدبر کے آلات ہماری حکومت کے ہاتھوں میں ذریعہ تعلیم کی صورت اختیار کرلیں گے جس سے "ترقی" کی برکتوں کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔

آج کون نہیں جانتا کہ ان پر فریب برکتوں (Phantom Blessings) اور احمقانہ تصورات نے ہر قسم کی مادر پدر آزادی کے تصور کو تو متعارف کرا دیا ہے لیکن اس کی حدود کو متعین نہیں کیا۔ یہ نام نہاد لبرل ازم اگر عملی لحاظ سے نہیں تو فکری طور پر لازماً انارکسٹ (انتشار پسند) ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک آزادی کے خیالی منصوبوں کے پیچھے پھرتا ہے اور نتیجتاً مکمل بے راہ روی کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح احتجاج برائے احتجاج کے انتشار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اب ماہناموں اور ہفتہ وار رسائل و جرائد کی طرف آیئے۔ ہم ان پر بھی دیگر مطبوعہ مواد کی مانند ایک خاص شرح سے اسٹامپ ٹیکس عائد کر دیں گے اور انہیں زر ضمانت بھی جمع کرانا ہوگا۔ کاغذ کی 30 شیٹوں سے کم حجم کی کتابوں پر دو گنا ٹیکس لگایا جائے گا، ایسی کتابوں کو پمفلٹوں کا درجہ دے دیا جائے گا تاکہ ایک طرف ان رسالوں کی تعداد کم ہو جائے جو مطبوعہ زہر کی بدترین قسم ہیں اور دوسری جانب اس اقدام سے مصنف حضرات اتنی ضخیم تصانیف لکھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عوام کی بہت کم تعداد ان کے مطالعہ میں دلچسپی لے، بالخصوص گراں قیمتیں ان کی اس خواہش میں رکاوٹ بن جائیں۔ اس کے برعکس ہم لوگوں کے ذہنوں کو اپنے مفاد اور عزائم کے مطابق متاثر کرنے کے لیے ارزاں قسم کا دلچسپ لٹریچر شائع کریں گے جو بڑے شوق اور رغبت سے پڑھیں گے۔

بھاری ٹیکسوں کے باعث خشک اور بے لطف ادبی تمنائیں حدود کے اندر ہی رہیں گی اور جرمانوں کی صورت میں سزا کا خوف ادیبوں اور مصنفوں کو ہمارے محتاج اور دست نگر بنا دے گا لیکن اس کے باوجود اگر کسی کو ہمارے خلاف قلم آزمائی کا شوق چرائے گا تو اس کی تحریروں کو چھاپنے کا خطرہ کوئی بھی مول نہیں لے گا۔ کیونکہ کسی بھی مواد کو طباعت کے لیے قبول کرنے سے پیشتر پبلشر یا پرنٹر کو متعلقہ حکام سے اجازت لینا پڑے گی۔ لہٰذا ہمیں اپنے خلاف تیار ہونے والی تمام چالوں کا پہلے سے علم ہو جائے گا اور متعلقہ موضوع پر پیشگی توضیحات جاری کر کے ہم انہیں باطل ٹھہرا دیں گے۔

ادب اور صحافت، دونوں ہی اہم ترین تعلیمی قوتیں ہیں۔ اس لیے ہماری حکومت بیشتر جرائد کو خود اپنی ملکیت میں رکھے گی۔ اس سے غیر سرکاری پریس کے منفی اثرات زائل ہوتے رہیں گے۔ عوامی ذہنوں پر ہمارا اثر و رسوخ اور اعتبار زیادہ ہو جائے گا۔ اگر ہم دس رسالوں کے پرنٹ جاری کریں گے تو خود تیس رسالوں کے اجراء کا اہتمام کریں گے اور مستقبل میں بھی یہی تناسب قائم رہے گا۔ ہمارے رسائل و جرائد بظاہر متضاد رجحانات اور خیالات کے حامل ہوں گے، اس سے عوام پر ہمارا

اعتماد بہتر ہو جائے گا۔ نیز ہمارے غیر شکی طبیعت کے مخالفین ہمارے پھندے میں آ پھنسیں گے اور بالکل بے ضرر ہو کر رہ جائیں گے۔

سرکاری اخبارات و جرائد اہمیت کے لحاظ سے سر فہرست ہوں گے۔ وہ ہمیشہ ہمارے مفاد کی نگرانی کریں گے۔ اس لیے مقابلتاً ان کا اثر و نفوذ معمولی نوعیت کا ہوگا۔ دوسرے درجے پر نیم سرکاری ترجمان ہوں گے جن کا کام غیر جانبدار اور سرد مہر لوگوں کو بیدار کرنا ہوگا۔ تیسرے درجے پر ایسے جرائد ہوں گے جو خود ہم نے اپنی مخالفت میں جاری کیے ہوں گے۔ ان میں سے کم از کم ایک تو ایسے نقطۂ نظر کو پیش کرے گا جو ہر لحاظ سے ہمارے خلاف ہوگا۔ اس سے ہمیں یہ فائدہ پہنچے گا کہ ہمارے حریف ہماری اس خود پیدا کردہ مخالفت کو اپنی تحریک سمجھتے ہوئے دل و جان سے قبول کرلیں گے اور ہمیں اپنے منصوبوں سے آگاہ کر دیں گے۔

ہمارے تمام اخبارات تمام ممکن پہلوؤں کا احاطہ کرلیں گے۔ یہ ارسٹو کریٹس (طبقہ شرفاء) ری پبلکن (پرستاران جمہوریت)، انقلابی عناصر اور انارکسٹوں (انتشار پسندوں) سب کے نقطہ ہائے نظر کی اس وقت تک ترجمانی کرتے رہیں گے جب تک کہ آئین کا وجود برقرار رہے گا۔ ہندو دیوتا وشنو کی مانند ان کے بھی سو ہاتھ ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک رائے عامہ کی ایک ایک دکھتی رگ پر انگلی رکھے گا۔ جب بھی لوگوں میں کسی قسم کا ہیجان پیدا ہوا تو یہ ہاتھ رائے عامہ کی رہنمائی ہمارے مقاصد کی تکمیل کی سمت میں کر دیں گے۔ چونکہ ہر مریض گھبراہٹ اور ہیجان کے عالم میں قوت فیصلہ کھو بیٹھتا ہے اور آسانی کے ساتھ دوسروں کے جھانسے میں آجاتا ہے اس لیے وہ احمق یہ سمجھیں گے کہ وہ اپنے کیمپ کے کسی اخبار کا نقطۂ نظر دہرا رہے ہیں لیکن دراصل وہ ہمارے موقف یا ہماری پسند کے نقطۂ نظر کی تائید کر رہے ہوں گے اور اسی پرچم کے پیچھے چل رہے ہوں گے جو ہم نے ان کے لیے لہرا دیا ہوگا۔

اخباری ملیشیا

اپنے اس اخباری ملیشیا (Militia) کی رہنمائی کے لیے ہمیں بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ مرکزی پریس ڈپارٹمنٹ کے زیر اہتمام ہم ادبی اجتماعات شروع کرا دیں گے جن میں ہمارے خفیہ ایجنٹ ضروری احکام اور فرمان وقت جاری کیا کریں گے۔ خود ہرگز سامنے نہیں آئیں

گے۔ ہمارے نیم سرکاری اخبارات جنہیں در پردہ سرکاری اخبارات کی تائید حاصل ہوگی۔ اصل موضوع سے بالکل ہٹ کر محض سطحی بحث مباحثہ کرایا کریں گے جس سے ایک مصنوعی جنگ برپا کرنا مقصود ہوگی۔ اس کی اصل غایت یہ ہوگی کہ ہمیں کھل کر وہ بات کہنے کا موقع مہیا کیا جائے جو سرکاری اعلان جاری کرتے وقت ہم نہیں کر سکتے تھے۔ یہ طریقہ صرف اس موقع پر اختیار کیا جائے جب اس میں ہمارا فائدہ مضمر ہوگا۔

ہم پر تنقیدی حملے ایک اور مقصد بھی پورا کریں گے، وہ یہ کہ ہماری رعایا کو آزادی اظہار کے وجود کا یقین ہو جائے گا اور ہمارے ایجنٹوں کو یہ دعویٰ کرنے کا موقع مل جائے گا کہ ہمارے مخالف اخبارات محض یاوہ گوئی کر رہے ہیں کیونکہ وہ ہمارے احکام پر کوئی ٹھوس اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

تنظیمی طریقے

اب ہم اپنے تنظیمی حربوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ حربے عوام اگرچہ محسوس بھی نہیں کر سکتے لیکن اثر ونفوذ کے لحاظ سے یقینی طور پر فائدہ مند ہوتے ہیں۔ یہ حربے ہماری حکومت پر عوام کی توجہ مرکوز کرنے اور اعتماد بحال کرنے کا مؤثر ذریعہ ہیں۔ انہی کی بدولت ہم وقتاً فوقتاً عوامی ذہن کو سیاسی مسائل پر مشتعل بھی کر سکیں گے اور مطمئن بھی کر لیں گے۔ ہم لوگوں کو قائل کرنے اور کسی بات پر ابھارنے کے لیے کبھی سچی باتیں شائع کریں گے اور کبھی جھوٹی باتیں چھپوا دیں گے۔ حقائق بھی بیان کریں گے اور ان کی تردیدیں بھی شائع کرا دیں گے۔ لیکن بے سوچے سمجھے کوئی حرکت نہیں کریں گے۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے کئی بار غور وفکر کریں گے اور اس کے ردعمل کا پیشگی اندازہ کر لیں گے۔

صحافیوں کی دکھتی رگیں

ہمارے اس قسم کے آزمائشی فائر تیسرے درجے کے اخبارات کے ذریعہ کئے جائیں گے جب کہ ہمارے نیم سرکاری ترجمان مؤثر انداز سے تردید کر دیں گے۔

آج کل کے زمانے میں بھی فرانس کے پریس کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ہر قسم کے اخبارات و جرائد پائے جاتے ہیں جو ظاہری طور پر خواہ ایک دوسرے کے کتنے ہی مخالف

کیوں نہ ہوں فری میسن تحریک کے پروگراموں اور مقاصد کے سلسلے میں مکمل یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کے تمام جریدے پیشہ ورانہ راز داری کے لیے خود کو مجبور پاتے ہیں۔ زمانہ قدیم کے پیش گوئی کرنے والوں کی مانند ان میں سے ہر ایک اپنے ''ذرائع اطلاع'' (Source of the News) کے بارے میں مہر بہ لب رہتا ہے۔ بجز اس کے کہ ان ''ذرائع'' کے افشا کا متفقہ طور پر فیصلہ کرلیا جائے۔ لہٰذا ہمارے صحافیوں کو بھی راز افشا کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ کیونکہ کسی شخص کو اس پیشے سے منسلک ہونے کی اس وقت تک اجازت نہیں دی جائے گی جب تک اس کا سابق زندگی کے اوراق کسی شرمناک واقعہ، کسی رسوا کن کمزوری یا باعث ذلت حادثے سے داغدار نہ ہوں۔ کسی راز کو افشا کرنے کی کوشش پر اس کے ذاتی اسکینڈلوں کو آشکار کر دیا جائے گا۔ ہم ایسی دکھتی رگوں کو اپنی مرضی اور حکمت کے تحت خاص خاص اوقات میں چھیڑیں گے۔

❖

اہم راہیں

اہم نکات: پیٹ کے ایندھن کی ضروریات، نظام سیاست کا مسئلہ، صنعتی امور، تفریحات، عوامی طاقت ایک حقیقت ہے۔

غیر یہودیوں کی ضرورت زندگی انہیں خاموش رہنے اور ہمارے خادم بنے رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ہم ان میں سے کچھ کو اپنے ایجنٹ بنائیں گے اور پریس میں بھرتی کر لیں گے۔ یہ لوگ ہمارے احکامات کے تحت ہر اس چیز پر بحث کریں گے جسے ہم سرکاری دستاویزات میں براہ راست آسانی سے زیر بحث نہیں لا سکتے۔ اس شور و غوغا کے دوران ہم اپنی مرضی کے اقدامات کرتے رہیں گے اور پھر انہیں مسلمہ حقائق کی صورت میں عوام کے سامنے پیش کر دیں گے۔ کسی معاملے کا ایک بار تصفیہ ہو جائے تو کوئی شخص طے شدہ بات کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ علاوہ ازیں پریس فوری طور پر لوگوں کے خیالات کا رخ نئے مسائل کی طرف موڑنے میں ہماری مدد کرے گا (کیا ہم نے لوگوں کو اس بات کی تربیت نہیں دے رکھی ہے کہ وہ ہمیشہ نئی نئی چیزوں کی تلاش میں رہیں)۔ ان نئے مسائل کی بحث میں وہ احمق لوگ پڑیں گے جو اس وقت بھی یہ بات سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے کہ جس مسئلے پر وہ بحث کر رہے ہیں اس بارے میں ان کے پاس کوئی نظریہ نہیں ہے۔ سیاسی مسائل وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے مدتوں سیاسی نظام چلایا ہو یا اس کی تشکیل میں حصہ لیا ہو۔

ان حقائق کی روشنی میں آپ یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ رائے عامہ کو ہموار کر کے ہم اپنی مشینری کے کام کو آسان بنا رہے ہوں گے اور آپ یہ کہہ اٹھیں گے کہ ہم عمل کرنے کی بجائے صرف لفظوں کے ہیر پھیر سے اپنا مقصد حاصل کر رہے ہوں گے۔ ہم مسلسل اس بات کا اعلان کرتے رہیں گے کہ ہمارے تمام معاملات میں یہ امید اور آرزو ہماری رہنمائی کر رہی ہے کہ ہم عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کر رہے ہیں۔ جو لوگ ہمارے لیے خواہ مخواہ پریشانیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم

ان کی توجہ سیاسی مسائل سے ہٹا کر ان امور کی طرف مبذول کرا دیں گے جنہیں ہم نئے "سیاسی مسائل" کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں وہ مسائل "صنعتی امور" ہیں۔ ان کے بارے میں غیر یہودیوں کو بے ہودہ بحث و تمحیص میں الجھے رہنے دیجئے۔

عوام فطرتاً غیر فعال یا فارغ رہنا پسند کرتے ہیں۔ خصوصاً سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش رہنا چاہتے ہیں۔ (اس چیز کی بھی ہم نے خود انہیں تربیت دی ہے تا کہ غیر یہودی حکومتوں کا مقابلہ کرنے میں ہمارے لیے ایک ذریعے کا کام دے سکیں)۔ اس مقصد کے لیے انہیں ایسی ملازمتیں فراہم کر دینا ہی کافی ہوگا جو بظاہر ان کے پسندیدہ سیاسی مقاصد سے مطابقت رکھتی ہوں گی۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا عوام یہ اندازہ کر لیں کہ انہیں کس طرح آلہ کار بنا لیا گیا ہے ہم ان کی توجہ کھیل کود، تفریحات، ہوس پرستی، تماشہ گاہوں اور شاندار ہوٹلوں کی طرف موڑ دیں گے۔ ہم پریس کے ذریعہ آرٹ نمائشوں اور مختلف قسم کے اسپورٹس مقابلوں کی تجاویز پیش کریں گے۔ اس نوعیت کی دلچسپیاں ان کی توجہ کو ہمیشہ کے لیے اصل مسائل سے دور رکھیں گی۔ جب لوگ سوچ بچار کرنے اور اپنے نظریات قائم کرنے کی عادت سے عاری ہو جائیں گے تو وہ ہماری ہی زبان میں بات کرنا شروع کر دیں گے۔ کیونکہ ہم ہی انہیں فکر کی نئی راہیں سمجھائیں گے اور یہ کام ایسے لوگوں سے لیا جائے گا جن کے متعلق ہمارے ساتھ اشتراک عمل کا شبہ تک نہ کیا جا سکے۔

ہماری حکومت کے تسلیم کئے جانے پر لبرل ازم کے پیروکاروں اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والوں کا کام بھی ختم ہو جائے گا۔ وہ وقت آنے تک یہ لوگ بدستور ہمارے لیے مفید خدمات انجام دیتے رہیں گے۔ اس دوران ہم ان کے اذہان کو نئے نئے مشاغل اور عجیب و غریب نظریات (Fantastic Theories) کی آماجگاہ بنا دیں گے۔ ان نظریات کو غیر یہود بڑے ہی ترقی پسندانہ خیالات سمجھیں گے اور ان کا اظہار کرنے میں فخر محسوس کیا کریں گے۔

کیا ہم پہلے ہی غیر یہود کے لیے بے مغز لوگوں کے سروں میں ترقی کا جنون بھرنے میں کامیاب نہیں ہو گئے ہیں؟ ہمارا یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ان لوگوں میں ایک بھی فرد یہ سوچنے کے قابل ہو کہ مادی ایجادات کے علاوہ باقی تمام معاملات میں لفظ "ترقی" حق و صداقت کے مترادف ہے۔ کیونکہ سچائی ایک ایسی حقیقت ہے جس میں اس لفظ (ترقی) کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ یہ لفظ ایک گمراہ کن تصور کی طرح سچائی پر پردہ ڈال دیتا ہے تا کہ ہمارے سوا اسے کوئی نہ

جان سکے۔ کیونکہ ہم خدا کے منتخب کردہ اور اس کی محبوب قوم ہیں اور حق وصداقت کے محافظ ہیں۔

جب ہم اپنی سلطنت پر مکمل اقتدار حاصل کرلیں گے تو ہمارے مقررین ان تمام عظیم مسائل کی تفصیلات بیان کریں گے جو عالم انسانیت کو درہم برہم کرکے بالآخر اسے ہماری مخیّر اور پرامن حکومت کے تحت لانے کا سبب بنے۔ کیا کوئی شخص کبھی یہ گمان کرسکتا ہے کہ اس سارے ڈرامے میں دنیا کی تمام اقوام کو ہم اپنے سیاسی منصوبے کے مطابق استعمال کرتے رہے اور کئی صدیاں گزر جانے پر بھی لوگ اس کا اندازہ نہ کرسکے؟

❖

وثیقہ: ۱۴

مذاہب کے خلاف جنگ

اہم نکات: مستقبل کا مذہب، مستقبل کے زرعی مزدور، مذہبی معلومات کی راہ میں دشواریاں، فحش لٹریچر اور شائع شدہ مواد۔

جب ہم اپنی سلطنت میں داخل ہوں گے تو ہم اپنے "توحیدی" مذہب کے علاوہ کسی مذہب کو برداشت نہیں کریں گے۔ خدا کی محبوب قوم کی حیثیت سے ہمارا مقدر خدائے واحد کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے اور اسی کے واسطہ سے ہماری تقدیر دنیا کی دوسری اقوام کی تقدیر سے وابستہ ہوئی ہے۔ ہمیں ایمان اور اعتقاد کی دوسری تمام صورتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہوگا۔ ممکن ہے کہ ہمارے اس طرز عمل کی وجہ سے کچھ لوگ الحاد اور بے دینی کی راہ اختیار کر لیں جیسا کہ آج کے دور میں بھی ہے، لیکن یہ ایک عارضی مرحلہ ہوگا۔ یہ لوگ ہمارے نظریات میں مداخلت نہیں کر سکیں گے بلکہ ان نسلوں کے لیے ایک وارننگ کا کام دیں گے جو دین موسوی سے متعلق ہمارے اس وعظ و خطبات کو سنیں گے کہ اس اٹل اور جامع نظام زندگی کی بدولت دنیا بھر کی تمام اقوام کس طرحِ ہماری محکوم بن چکی ہیں۔ ہم اپنے مذہب کی داخلی صداقت پر زور دیتے ہوئے یہ واضح کر دیں گے جس پر ہمارے دعوے کے مطابق اس دین کی تمام تعلیمی قوت کا انحصار ہے۔

ہم ہر مناسب موقع پر ایسے مضامین شائع کریں گے جن میں ہمارے اپنے "بابرکت" دور حکومت کا ماضی کی حکومتوں سے موازنہ کیا جائے گا تاکہ دنیا والے ہمارے دور حکومت میں امن و عافیت کی برکات کا اندازہ لگائیں۔ اگرچہ یہ "امن" صدیوں کے تشدد اور ہنگامہ آرائیوں کے بعد قائم ہوا تھا، ہم اس کے فوائد اور کیفیات کو بڑھا چڑھا کر بیان کریں گے۔ علاوہ ازیں غیر یہودی حکومتوں کی غلط کاریوں کی بھی واضح نشاندہی کی جائے گی۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہو جائیں اور وہ ہمارے دور کی غلامی کو اپنے دور آزادی پر قابل ترجیح

سمجھیں۔ ان غیر یہودی حکومتوں کے دور میں آزادی پر لفظی طور پر فخر تو کیا جاسکتا ہوگا لیکن اس میں انسانیت کو شدید اذیت سے دوچار کیا گیا تھا۔ انسانی زندگی کے سرچشموں کو خشک کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ جس میں بدمعاش قسم کے طالع آزماؤں اور مہم جوؤں نے ان وسائل کا بری طرح استحصال کیا جو انسانی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس مدہوشی کی حالت میں کیا جارہا تھا کہ ظالم لوگ خود بھی اس امر سے آگاہ نہیں تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟

ہمارے فلاسفر غیر یہودیوں کے مختلف اعتقادات کی تمام خامیوں کو زیر بحث لائیں گے لیکن کوئی شخص ہمارے یقین و اعتقاد کو اس کے صحیح نقطۂ نظر اور صحیح پس منظر میں موضوع بحث نہیں بنا سکے گا کیونکہ ہمارے فلاسفروں کے سوا کوئی اور اس سے واقف نہیں ہوگا اور وہ اس کے بھیدوں کو افشاء کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔

فحش ادب کا فروغ

ترقی پسند اور روشن خیال کہلانے والے ممالک میں ہم نے لغو، فحش اور قابل نفرت قسم کے ادب کو پہلے ہی سے خوب فروغ دے رکھا ہے۔ عنان اقتدار سنبھالنے کے کچھ عرصہ بعد تک ہم عوام کی تقریروں اور تفریحی پروگراموں کے ذریعہ مخرب اخلاق ادب کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے۔ ہمارے دانشور جنہیں غیر یہود کی قیادت سنبھالنے کی تربیت دی جائے گی، ایسی تقاریر اور مضامین تیار کیا کریں گے جن سے ذہن فوراً اثر قبول کریں گے تاکہ نئی نسلیں ہماری متعین کردہ راہوں پر گامزن ہوسکیں۔

❖

مستبدانہ دباؤ

اہم نکات: تمام دنیا میں یک روزہ انقلاب، قتل و غارت گری، فری میسن کے غیر یہودیوں کا مستقبل، حاکمیت کا جاہ و جلال، فری میسن کی اجتماع گاہوں میں اضافہ، فری میسن رہنماؤں کا مرکزی کنٹرول، خفیہ انجمنوں کے رہنما، عوامی خوشنودی کی اہمیت، فری میسن کارکنوں کا قتل، خدا کی محبوب قوم کی حیثیت سے ہماری پوزیشن، اختیارات کا غلط استعمال، سخت سزائیں، ججوں کی عمر کی حد، دنیا بھر کی دولت، جس کی لاٹھی اس کی بھینس، اسرائیل کا بادشاہ تمام دنیا کا باپ۔

جب ہم ہر جگہ ایک ہی دن میں فوجی بغاوتیں کرانے کے بعد سچ مچ اپنی سلطنت قائم کرلیں گے اور حکومت کی تمام موجودہ صورتوں کا کھوکھلا پن عمومی طور پر تسلیم کرلیا جائے گا (اور ان چیزوں کے لیے ایک لمبا عرصہ درکار ہوگا— شاید ایک صدی) تو اپنے مخالفین کو بے رحمی کے ساتھ قتل کردیں گے، خفیہ جماعتوں کے ذریعہ ہر نئی تنظیم کو موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔ جب کہ موجودہ خفیہ جماعتوں کو بھی جنہوں نے ہماری بڑی خدمت کی اور اب بھی کر رہی ہیں، ہم ختم کردیں گے اور انہیں دور دراز علاقوں میں جلاوطن کردیں گے۔ فری میسن کے غیر یہودی ممبروں سے بھی یہی سلوک کیا جائے گا کیونکہ یہ لوگ ہمارے بارے میں ضرورت سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ لیکن اگر بعض مصلحتیں ہمیں ان لوگوں سے صرف نظر پر مجبور کریں تو انہیں جلاوطنی کے خوف میں مسلسل مبتلا رکھا جائے گا۔ ایک قانون بنائیں گے جس کی رو سے خفیہ تنظیموں کے تمام سابقہ ممبروں کو یورپ سے جلاوطن ہونا پڑے گا کیونکہ یورپ ہمارا دارالسلطنت ہوگا۔ ہماری حکومت کی قرار دادیں اور فیصلے حرف آخر ہوں گے جن کے خلاف کسی کو اپیل کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

غیر یہودی معاشروں میں ہم نے بے چینی، اضطراب، انتشار، مذہب سے بیگانگی اور بغاوت کے بیج بو کر ان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں، اس لیے نظم و نسق کو بحال کرنے اور لوگوں کے دلوں پر

حکومت کی قوت کا سکہ جمانے کے لیے ہمیں بے رحمانہ اقدامات کرنا پڑیں گے۔ اس تشدد کا شکار ہونے والوں پر کوئی ترس نہیں کھائے گا کیونکہ اس سختی پر ہی مستقبل کی فلاح و بہبود اور استحکام مملکت کا انحصار ہوگا۔ خواہ اس کے لیے ہمیں کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں۔ ہر حکومت جو اپنا وجود تسلیم کرانا چاہتی ہو، اور اپنے حقوق و مراعات کا ہی نہیں بلکہ اپنے فرائض کا بھی خیال رکھتی ہو، اسے سخت اقدامات کرنا پڑتے ہیں۔ اس کے استحکام کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ اس کے گرد طاقت کا مضبوط ترین ہالہ ہو۔ اس صورت حال کو برقرار رکھنے کے لیے اسے طاقت کا عظیم الشان اور بے لچک مظاہرہ کرنا ہوتا ہے تاکہ لوگ اسے پراسرار غیبی قوت کی مظہر جانیں، اس کے ہر حکم کو واجب التعمیل سمجھیں اور فرمان خداوندی کی طرح مقدس جانیں۔ ماضی قریب میں روس کی اشرافیہ حکومت کا یہی طرز عمل تھا جو پاپائیت کو چھوڑ کر دنیا بھر میں ہماری سب سے اہم اور تنہا دشمن تھی۔ اٹلی کا وہ واقعہ ذہن میں لایئے کہ سارا ملک خون میں نہا رہا تھا لیکن خون کی ندیاں بہانے والا سولا (Sulla) کا کوئی بال بھی بیکا نہ کرسکا۔ وہ لوگوں کی نظروں میں جرأت اور طاقت کے باعث دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اگرچہ انتہائی سفاکی اور بے دردی سے قتل عام کیا تھا۔ اس کے باوجود اٹلی سے واپسی پر لوگ عزت و احترام کے ساتھ اس کے گرد جمع ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنی دلیری، شجاعت اور ذہنی قوتوں سے لوگوں کو مسحور کرلے اس پر کوئی بھی انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

اجتماع گاہیں

جب تک ہم اپنی سلطنت میں داخل نہیں ہوجاتے اس وقت تک ہم اس کے برعکس رویہ اختیار کریں گے۔ ہم دنیا کے تمام ممالک میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں فری میسن کی اجتماع گاہیں قائم کریں گے، ایسے تمام افراد کو اس تنظیم میں شامل کرلیا جائے گا جو عوام میں نمایاں حیثیت رکھتے ہوں یا آئندہ اہمیت حاصل کرنے والے ہوں۔ یہ اجتماع گاہیں (لاجز) ہمارے سب سے بڑے جاسوسی کے اڈے اور لوگوں کو متاثر کرنے کا ذریعہ ہوں گی۔ ان اجتماع گاہوں کو ایک مرکزی انتظامیہ کے تحت لایا جائے گا جس کا علم ہمارے سوا کسی کو نہ ہوگا۔ ان اجتماع گاہوں میں ہمارے نمائندے شامل ہوں گے جو انتظامیہ کے لیے پردے کا کام دیں گے اور جو نعرے اور پروگرام دیں گے ان کے ذریعے ہم ایسی گرہ (Knot) دیں گے جو انقلابی اور لبرل عناصر کو آپس میں مضبوطی سے باندھ دیں گی۔ ان میں

معاشرے کی ہر سطح کے لوگوں کو شامل کیا جائے گا۔ انتہائی خفیہ قسم کے منصوبے ہمارے دائرہ علم میں ہوں گے بلکہ ہمارے ہاتھوں کی گرفت ان پر اسی روز مضبوط ہو جائے گی جس دن ان کا تصور جنم لے گا۔

ان فری میسن لاجز کے ارکان میں قومی اور بین الاقوامی پولیس کے تقریباً تمام ایجنٹ شامل ہوں گے کیونکہ ان کی خدمات اس لحاظ سے ہمارے لیے بیحد ضروری ہیں کہ پولیس حکم عدولی کرنے والے افراد کو راہ راست پر لانے کے لیے اپنے مخصوص طریقے استعمال کرتی ہے بلکہ یہ ہماری سرگرمیوں کے لیے پردے کا کام بھی دے سکتی ہے اور بے چینی اور انتشار وغیرہ پیدا کرنے کے لیے مواقع بھی تلاش کر لیتی ہے۔

خفیہ تنظیمیں

خفیہ تنظیموں میں شامل ہونے کے خواہشمند افراد عموماً چالاکیوں سے روزی کمانے والے، لاابالی، بےفکرے اور بے دھڑک قسم کے لوگ ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اگر اس دنیا میں فساد برپا ہوتا ہے تو چلئے اسے اور بھی ہوا دے دی جائے تاکہ یکسانی ختم ہو اور ہلہ گلہ مدتوں جاری رہے۔ لیکن اگر کہیں کوئی منصوبہ بنتا ہے تو اس کی رہنمائی کرنے والا ایسا شخص ہونا چاہیے جو ہمارے سب سے زیادہ وفادار ملازموں میں سے ہو۔

قدرتی بات ہے کہ فری میسن کی سرگرمیوں کی رہنمائی صرف ہمیں ہی کرنی چاہیے کیونکہ ہمیں علم ہوتا ہے کہ ہم کس طرف رہنمائی کر رہے ہیں اور ہر طرح کی سرگرمی اور جدوجہد کا آخری مقصد بھی جانتے ہیں جب کہ غیر یہود کو کسی چیز کا علم نہیں ہوتا بلکہ انہیں تو کسی عمل کے فوری اثر تک کا بھی علم نہیں ہوتا۔ ان کو تو بس اس وقتی تسکین کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے انہیں حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ کبھی یہ سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتے کہ ان کے خیالات کے اصلی محرک ہم ہوتے ہیں۔

غیر یہود کی خود فریبی

غیر یہودی لوگ فری میسن لاجز میں جذبہ تجسس کی وجہ سے داخل ہوتے ہیں یا اس امید میں آتے ہیں کہ شاید اس طرح سے وہ کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔ ان میں کچھ لوگ اپنے بے بنیاد اور ناقابل عمل خیالات (Fantasies) کا اظہار کرنے کے شوق میں آ پھنستے ہیں۔ وہ تحسین اور تعریف سننے

کے بھوکے ہوتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ہم زبانی تعریف کے معاملے میں بہت فیاض واقع ہوئے ہیں۔ اس طرح ہم انہیں خود فریبی میں مبتلا رکھتے ہیں اور وہ غیر شعوری طور پر ہمارے خیالات کو اپنے دل و دماغ میں جذب کرتے رہتے ہیں اور بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کے خیالات مستعار نہیں لیتے بلکہ اپنے اندرونی احساس کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اس خود فریبی میں مبتلا ذہین ترین غیر یہودیوں کو کتنی آسانی سے الو بنایا جاسکتا ہے اور یہ لوگ پھر معمولی سی ناکامی پر کتنی جلدی دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ خواہ یہ ناکامی صرف اسی قدر کیوں نہ ہو کہ یہ حسب توقع کسی سے اپنی تعریف نہ سن سکیں۔ اس کامیابی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے وہ ہمارے غلام بے دام بن جانے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں بلکہ اپنے منصوبوں کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی اس ذہنی کیفیت سے ہمارے لیے یہ بات آسان ہو جاتی ہے کہ ہم انہیں جس طرف چاہیں لگا سکتے ہیں۔ ان ظاہری شیروں کے اندر بھیڑوں کی روح ہوتی ہے۔ ان احمق اور گاؤدی افراد کو ہم نے اس تصور کے چوبی گھوڑے پر سوار کر دیا ہے کہ فرد کو جماعت کے اندر بالکل جذب ہو جانا چاہیے۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا تک نہیں اور نہ کبھی سوچیں گے کہ یہ چوبی گھوڑا (یعنی فرد کو جماعت کے مقابلے میں بالکل ہیچ سمجھنا) قدرت کے اہم ترین قانون کی خلاف ورزی ہے جس کے مطابق ہر چیز اپنی پیدائش سے ہی دوسری چیزوں سے مختلف ہوتی ہے اور اسے ہر حال میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنا ہے۔ اگر ہم ایسے لوگوں کو واقعتاً احمقانہ اندھے پن کے اس گڑھے تک لے آئیں تو کیا یہ اس بات کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ غیر یہود کا ذہن ہمارے مقابلے میں بہت پست اور غیر نمو یافتہ ہے؟ ہماری کامیابی کی یہ سب سے بڑی ضمانت ہے۔

ہمارے اسلاف کی دور اندیشی

ہمارے قدیم فاضل رہنماؤں نے اس وقت کتنی دور بینی کا مظاہرہ کیا جب انہوں نے کہا کہ ایک سنجیدہ مقصد حاصل کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے اور اس بات کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے کہ اس کے لیے کتنی جانیں قربان کرنی پڑتی ہیں۔ اگرچہ ہم نے بھی بڑی قربانیاں دی ہیں لیکن اس سلسلے میں غیر یہود مویشیوں کی جتنی جانیں کام آئی ہیں ہم نے ان کی تعداد کا احصاء کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور اس کے عوض ہم نے دنیا میں اپنے شہیدوں کو وہ پوزیشن دلا دی

ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس کشمکش میں ہمارا نقصان نسبتاً کم ہوا ہے لیکن اس طرح ہماری قوم مکمل تباہی سے محفوظ رہی ہے۔ موت تو ہر شخص کو آنی ہے، زندگی کا انجام یہی ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ یہ انجام لوگوں کے قریب تر کر دیا جائے جو ہمارے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

کھانے اور دکھانے کے دانت

ہم فری میسن کی سرگرمیوں کو اس طرح منظم کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی بندوں کے سوا کسی کو ان کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ ہمارے حکم پر موت کے منہ میں جانے والوں کو بھی اس کا علم نہیں ہوسکتا۔ ہماری مرضی اور منصوبے کے تحت وہ اس طرح خاموشی سے موت کو لبیک کہتے ہیں جیسے وہ قدرتی مرض کی وجہ سے مر رہے ہوں۔ اس حقیقت کا علم رکھتے ہوئے ہماری برادری بھی احتجاج کرنے کی جرأت نہیں کرسکتی۔ ان طریقوں کی بدولت ہم نے فری میسن تحریک میں اپنے ارادوں کے خلاف احتجاج کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ ہم غیر یہود کو تو حریت فکر (لبرل ازم) کا درس دیتے ہیں لیکن ہم اپنے لوگوں اور ایجنٹوں سے غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ہمارے اثر ونفوذ کی وجہ سے غیر یہود کے قوانین پر بہت کم عمل درآمد ہوتا ہے۔ قانون کی جو لبرل تعبیرات ہم نے کی ہیں ان کی وجہ سے قانون کے وقار کو شدید دھچکا لگا ہے۔ جج حضرات اہم ترین اور بنیادی مسائل کے بارے میں وہی فیصلے صادر کرتے ہیں جو ہم انہیں سجھاتے ہیں۔ یہ کام ہم اپنے ان لوگوں کے ذریعہ کراتے ہیں جو ہمارے آلہ کار ہیں، اگرچہ ان میں اور ہم میں بظاہر کوئی بات مشترک نہیں ہوتی۔ ہمارے آلہ کار وہ اخبارات بھی ہوتے ہیں جن کی رائے کے ذریعہ ہم ججوں سے اپنی مرضی سے فیصلے کراتے ہیں۔ قانون ساز مجالس کے ارکان اور انتظامی افسر بھی ہمارے مشورے قبول کرتے ہیں۔ غیر یہود خالص حیوانی حالات کا تجزیہ کرنے اور مشاہدے سے صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے اور پیشگی اندازہ کرنے کی اہلیت تو ان میں سرے سے مفقود ہوتی ہے۔

ہمارے اور غیر یہود کے درمیان قوت فکر کا یہی فرق ہمارے ''خدا کی محبوب قوم'' (Chosen People) ہونے اور اعلیٰ تر انسانی صلاحیت ہونے کا طرۂ امتیاز ہے جو یہود کے حیوانی ذہن وفکر کے مقابلے میں بالکل نمایاں اور ممتاز ہے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہیں لیکن وہ اپنے سامنے کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ اس لیے ایجاد واختراع کی صلاحیت سے بالکل عاری ہیں۔ (سوائے مادی اشیاء کے) اس سے

صاف ظاہر ہے کہ فطرت نے دنیا کی قیادت اور حکمرانی ہماری قسمت میں لکھ دی ہے۔

نئے قوانین

جب ہمارا کھلے بندوں حکومت کا وقت آئے گا، یعنی ہماری حکومت کی نعمتوں اور برکتوں کے ظاہر ہونے کا وقت ہوگا تو اس موقع پر ہم نئے سرے سے قوانین بنائیں گے۔ ہمارے سب قوانین مختصر، واضح اور مستحکم ہوں گے جن کی تشریح و توضیح کی قطعاً ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہر شخص انہیں خود بخود سمجھ سکے گا۔ ہمارے قوانین کی اہم ترین خصوصیت وہ روح ہوگی جو اس کی ذیلی شقوں میں بھی واضح طور پر موجود ہوگی، بے چوں و چرا اطاعت ہوگی اور اس اصول کو بڑی بلند و بالا عظمت دی جائے گی۔ ہر انتظامی یونٹ اپنے سے اعلیٰ نمائندہ حکومت کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ قوت و اختیار کے غلط استعمال کی ایسی کڑی سزا مقرر ہوگی کہ کوئی شخص اختیارات کا غلط استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ ہم انتظامیہ کے ہر اس اقدام کی کڑی نگرانی کریں گے جس پر ریاست کی مشینری کی عمدہ کارکردگی کا انحصار ہوتا ہے۔ اس دائرے میں سستی کا نتیجہ بدنظمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لاقانونیت اور اختیارات کے غلط استعمال کے ہر کیس پر ہم عبرتناک سزائیں دیں گے۔ جرم کا اخفا، انتظامیہ کے اہل کاروں کی باہمی ملی بھگت، ایک دوسرے کی پردہ پوشی اور جرم سے چشم پوشی و دیگر عمومی خرابیاں عبرت خیز سزاؤں کی ابتدائی چند مثالوں کے بعد بالکل ختم ہوجائیں گی۔ ہمارے اقتدار کے وقار کا تقاضا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جرم کی بھی مناسب سزا، یعنی ظالمانہ سزا دی جائے۔ خواہ مجرم کی سزا، اس کی خطا سے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ہم ان اہلکاروں کو ایسا درس دیں گے کہ وہ سزایاب ہونے کے بعد خود کو ایسا سپاہی سمجھیں گے جو اقتدار، اصول اور قانون کی خاطر میدان جنگ میں مارا گیا ہو۔ کیونکہ یہ چیزیں (حکومت اور اس کے اصول و قوانین) اس امر کی اجازت نہیں دیتیں کہ عوام پر حکمرانی کرنے والے عوامی شاہراہ سے کٹ کر اپنے ذاتی راستوں پر چلنا شروع کردیں۔ مثال کے طور پر جب ججوں کے پیٹ میں ملزموں سے ہمدردی اور ان پر رحم دلی کا مروڑ اٹھے گا تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ اصول انصاف کی خلاف ورزی کررہے ہیں جس کی رو سے ہر قسم کی سستی اور کاہلی کو دور کرنے کے لیے عبرتناک سزائیں دینا ضروری ہے، نہ کہ جج کی روحانی خصوصیات (ہمدردی وغیرہ) کا اظہار کرنا۔ اس کی خصوصیات کا اظہار انفرادی زندگی میں ہی مناسب ہے، نہ کہ کسی ایسے عوامی مقام پر جو انسانی

زندگی کے لیے ایک تعلیمی بنیاد پر ہو۔

ججوں کی شرائط ملازمت

ججوں کو ہم ۵۵ سال کی عمر کے بعد سرکاری ملازمت میں نہیں رکھیں گے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ بوڑھے آدمی لگے بندھے خیالات کے مالک ہوتے ہیں اور ان کی شدت سے پابندی کرتے ہیں۔ انہیں نئے خیالات کو قبول کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دوم، انہیں جلدی فارغ کرکے ہم اسٹاف میں آسانی کے ساتھ تبدیلیاں لاسکیں گے۔ لہٰذا اسٹاف جلدی ہمارے قابو میں آجائے گا۔ جو شخص اپنی ملازمت برقرار رکھنا چاہے گا اسے آنکھ بند کرکے ہماری اطاعت کرنا پڑے گی۔ ججوں کا انتخاب ایسے لوگوں میں سے کیا جائے گا جو یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہمارا کام صرف سزائیں دینا اور قانون نافذ کرنا ہے، نہ کہ ریاست کی تعلیمی اسکیم کو نظر۔ ، میں ڈال کر لبرل ازم کے خواب دیکھنا، جیسا کہ آج کل کے غیر یہود جج کر رہے ہیں۔ نئے جج حکومت کے وفادار ہوں گے اور اسی وفاداری پر ان کی ملازمت جاری رہنے اور ان کے بہتر مستقبل کا انحصار ہوگا۔ انہیں خاص نظریات کے تحت تربیت دی جائے گی تا کہ عدالتیں ریاست کے نظم و نسق میں رکاوٹ نہ ڈال سکیں۔

موجودہ غیر یہود جج جرائم کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں کیونکہ انہیں اپنے عہدے کی اہمیت کا شعور نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل کے حکمران ججوں کا تقرر کرتے ہوئے ان میں وہ احساس فرض پیدا کرنا ضروری نہیں سمجھتے جن کا ان سے تقاضا کیا جاتا ہے۔ جس طرح ایک وحشی جانور اپنے بچوں کو شکار کی تلاش میں کھلا چھوڑ دیتا ہے بالکل اسی طرح غیر یہود اپنی رعایا کو نفع بخش آسامیاں دیتے ہیں اور ان پر یہ واضح کرنے کی تکلیف گوارہ نہیں کرتے کہ یہ آسامیاں کس لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حکومتیں اپنی اندرونی قوتوں کی وجہ سے اور اپنی انتظامیہ کی غلط کاریوں کے ہاتھوں میں تباہی کا شکار ہو رہی ہیں۔ آیئے ہم ان غلط کاریوں کے نتائج سے اپنے لیے ایک اور سبق لیں۔

سرکاری ملازمین کی سرکوبی

ہم اپنی ایسی تمام آسامیوں سے لبرل ازم کا خاتمہ کر دیں گے جن پر حکومت کی مشینری چلائے جانے کا انحصار ہوتا ہے۔ عملے کی تربیت کا خصوصی اہتمام کیا جائے گا۔ ممکن ہے آپ یہ اعتراض کریں

کہ پرانے ملازمین کو ریٹائر کرنے سے خزانے پر بھاری بوجھ پڑے گا۔ میری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ریٹائر ہونے والوں کو نجی ملازمتیں مہیا کی جائیں گی، دوسرا یہ کہ تمام ڈالر اور پاؤنڈ ہمارے ہاتھوں میں سمٹتے چلے آئیں گے اس لیے ہماری حکومت کو اخراجات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہمارے تمام فیصلے حتمی اور قطعی ہوں گے اور یہ قطعیت ملکی زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری ہوگی۔ اس لیے ہمارے فیصلوں کا ہر جگہ احترام کیا جائے گا اور ان پر بے چوں و چرا عمل درآمد ہوگا۔ ہم اپنے ارادوں کی تکمیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کریں گے۔ کانا پھوسی کرنے اور بے چینی پھیلانے والوں کو سخت سزا دے کر دوسروں کے لیے نمونہ عبرت بنا ڈالیں گے۔

تنسیخ قوانین کا حق

ہم قوانین کی تنسیخ کا حق ختم کرادیں گے، یہ حق مکمل طور پر ہماری طرف منتقل ہوجائے گا۔ یعنی قانون کی تنسیخ اور اس میں رد و بدل حکمراں کی صوابدید پر ہوگا۔ کیونکہ ہم لوگوں میں یہ تصور پیدا نہیں ہونے دیں گے کہ ہمارے مقرر کردہ ججوں کا کوئی فیصلہ غلط بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا موقع آپڑے تو ہم خود اپنے فیصلوں میں مناسب رد و بدل اور تنسیخ کرلیں گے۔ اس کے ساتھ ہی متعلقہ جج کو اس کی فرض ناشناسی اور کاہلی پر عبرتناک سزا بھی دیں گے تاکہ آئندہ غلطیوں کا اعادہ نہ ہونے پائے۔

ریاست کا اصلی کام

میں ایک بار پھر کہوں گا کہ ہم انتظامیہ کے اقدامات پر گہری نظر رکھیں گے اور قریب سے ان کا مطالعہ کریں گے تاکہ عوام ہم سے خوش رہیں اور ایسے افسروں کو تعینات کریں گے جو عوام کو پریشان نہ کریں۔ اچھے افسروں کے تقرر کا مطالبہ کرنا عوام کا حق ہے اور ان کا حق ہمارے لیے ایک فرض ہوگا۔ ہماری حکومت ایسا طرز عمل اختیار کرے گی کہ وہ حکمراں کے روپ میں لوگوں کے مقدس و مہربان باپ کی حیثیت سے مقبول ہوسکے۔ ہماری قوم اور ہماری رعایا ہمیں ایسا باپ پائے گی جو بچوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہے اور ان کے ہر عمل پر نظر رکھتا ہے اور جو رعایا کے باہمی تعلقات اور رعایا اور حکمراں کے باہمی تعلقات کو بھی نظرانداز نہیں کرتا۔ اس طرح ان کے قلوب و اذہان میں جب یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے گی کہ حکومت کی حفاظت اور رہنمائی کے بغیر امن وسکون کی زندگی گزارنا

محال ہے تو وہ حکمراں کے اقتدار کو احساس تقدس کے تحت تہہ دل سے قبول کرلیں گے۔ خصوصاً جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے اہلکار اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ حاکم اعلیٰ کے فرامین و احکامات کی آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے ہیں تو انہیں بے پناہ خوشی ہوگی۔ انہیں اس بات سے بھی مسرت ہوگی کہ ہم نے ان کی زندگیوں میں ہر چیز کو اس طرح مربوط و منظم کردیا ہے جس طرح سمجھ دار اور فرض شناس والدین کرتے ہیں۔

جذبہ اطاعت

فرائض پر جبراً عمل درآمد کرانا ہر اس حکومت کا حق اور فرض منصبی ہے جو اپنے آپ کو رعایا کے باپ کی حیثیت سے منوانا چاہتی ہو، اسے طاقت کا یہ حق بھی حاصل ہے کہ انسانیت کو فطرت کا حکم ماننے پر مجبور کرے جو خود فطرت نے دیا ہے، یعنی اطاعت اور فرماں برداری — دنیا کی ہر چیز اطاعت گزاری کی حالت میں ہے۔ اگر کوئی چیز انسان کی اطاعت نہیں کرتی تو یہ اپنے ماحول یا اپنے داخلی کردار کی بنا پر ایسا کررہی ہے۔ غرض ہر چیز اپنے سے قوی تر چیز کے سامنے سرنیاز خم کرنے پر مجبور ہے۔ اس لیے ریاست میں قوی تر چیز ہم ہوں گے، انسانی فلاح و بہبود کی خاطر ہر کسی کو ہمارے سامنے جھکنا اور سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ ہم قانون شکنی کرنے والوں کو بلاتامل اور سخت سے سخت سزا دیں گے۔ کیونکہ برائی کی کڑی سزا لوگوں کے لیے سامان عبرت و موعظت ہوگی۔

عالمی بادشاہت کا خواب

جب اسرائیل کا بادشاہ اپنے مقدس سر پر یورپ کا تاج رکھے گا تو وہ دنیا کا قابل احترام باپ اور حکمراں بن جائے گا۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیے اسے بہ امر مجبوری جتنے لوگوں کو شکار بنانا پڑے گا ان کی تعداد بہرحال زیادہ نہیں ہوگی۔ جتنی غیر یہودی حکومتوں کے صدیوں کے جذبہ رشک و رقابت اور شان و شوکت کے اظہار کے جنون کا شکار ہونے والوں کی تھی۔ ہمارا بادشاہ بہرحال اقوام عالم سے مسلسل رابطہ رکھے گا۔ وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر تقریریں کرے گا جو پلک جھپکنے میں دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائیں گی۔

❖

وثیقہ: ۱۶

برین واشنگ

اہم نکات: یونیورسٹیوں کی کمزوری، کلاسیک کا نعم البدل، تعلیم و تربیت، اسکولوں میں حکمراں کے اختیارات کی تشہیر، تعلیمی آزادی کا خاتمہ، نئے نظریات، آزادی فکر، مشاہداتی اور عملی طریقہ تعلیم۔

ہم تمام اجتماعی قوتوں کو (ماسوائے خود کے) ختم کر دیں گے، اس پروگرام کی پہلی سیڑھی یونیورسٹیاں ہیں، اس مقصد کے لیے ہم ان کی ازسرنو تنظیم کریں گے۔ جس کے لیے اساتذہ اور پروفیسروں کو ایک خفیہ پروگرام کے مطابق تیار کیا جائے گا۔ وہ اس پروگرام سے سرمو انحراف نہیں کر سکیں گے۔ ان کے تقرر میں خصوصی احتیاط سے کام لیا جائے گا اور ان کی حالت ایسی بنا دی جائے گی کہ وہ حکومت کے رحم و کرم پر ہوں گے۔

نصاب تعلیم سے ریاستی قوانین اور تمام سیاسی معاملات کو خارج کر دیں گے۔ یہ مضامین چند درجن باصلاحیت مبتدیوں کو پڑھائے جائیں گے۔ یونیورسٹیوں کے وسیع و عریض کمروں سے ایسے بودے اور نکمے افراد پیدا نہیں کیے جائیں گے جن کے ذہن آئین سے متعلق الل ٹپ منصوبوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہوں اور ہر وقت ان مسائل کو الجھانے میں مصروف رہتے ہوں، جن کے بارے میں ان کے آبا و اجداد نے بھی کبھی سوچنے کی جرأت نہ کی ہو۔ ہر کس و ناکس کو سیاسی امور سے متعلق بے جا قسم کی تعلیم دینے کا نتیجہ تصوراتی فلاحی ریاست کا خواب دیکھنے والی گھٹیا قسم کی رعایا کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ آپ خود بھی غیر یہود کی تعلیم عامہ کی پالیسی کے نتائج سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں غیر یہود کے نظام تعلیم میں ایسے اصولوں کو شامل رکھنا چاہیے جو اس نظام کے نظم و نسق کو تہہ و بالا کرنے کے موجب بنے ہوئے ہیں لیکن جب زمام اقتدار ہمارے ہاتھ آئے گی تو ہم نصاب میں سے ہر ایسے مضمون کو خارج کر دیں گے جو کسی قسم کی بے چینی و اضطراب کا موجب بن سکے۔

ہم تمام نوجوانوں کو اپنی حکومت کے ایسے اطاعت شعار اور فرماں بردار قسم کے پیرو بنادیں گے کہ وہ ہمارے حکمراں کو اپنا محسن، ہمدرد و محافظ اور اپنی امیدوں کا واحد مرکز سمجھ کر اپنی محبت وعقیدت کا محور بنالیں گے۔

تعلیمی پروگرام

آپ اس امر سے آگاہ ہیں کہ کلاسیکی ادب ازمنہ قدیم کی تاریخ، قابل اعتماد اور معقول حقائق کی بجائے بیکار اور گھٹیا قسم کی مثالوں سے پر ہے۔ لہٰذا ان مضامین کا مطالعہ قطعی طور پر ختم کردیا جائے گا، ان کی جگہ مستقبل کے پروگرام کے مطالعہ شامل نصاب کر کے لوگوں کے ذہنوں سے گذشتہ صدیوں کے ناپسندیدہ اور غیر مفید نقوش مٹا دیئے جائیں گے اور صرف ان حقائق کی یاد کو تازہ رہنے دیں گے جو غیر یہودی حکومتوں کی غلطیوں اور نقائص کو نمایاں کررہے ہیں۔ ہمارے تعلیمی پروگرام میں سب سے زیادہ اہمیت عملی زندگی، نظم ونسق کی ذمہ داریوں اور لوگوں کے باہمی تعلقات سے متعلقہ مضامین کو دی جائے گی۔ تعلیمی پروگرام میں ہر پیشے اور زندگی کی ہر ضرورت کے لیے علیحدہ علیحدہ کورسز شامل ہوں گے۔ طریق تعلیم کو بھی کسی صورت میں یکساں اور مشترک بنیادوں پر استوار نہیں کیا جائے گا۔ مسئلے کا یہ پہلو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو پر لوگوں کی تعلیم ان محدود خطوط پر ہونی چاہیے جو زندگی میں ان کے مقام اور کاروبار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ذہین و فطین افراد ہمیشہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی حاوی ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ لیکن یہ زبردست حماقت ہے کہ مٹھی بھر عبقری قسم کے افراد کی خاطر نااہل لوگوں کو ایسے مراتب ومناصب پر قبضہ جمانے کا موقع دے دیا جائے جو ان سے غیر متعلقہ ہوں اور جن کے لیے پیدائشی طور پر اہل افراد بھی موجود ہوں۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ غیر یہود کو اس کھلی حماقت کے کیا نتائج بھگتنا پڑے ہیں۔

کسی حکمراں کو لوگوں کے اذہان وقلوب میں قطعی اور مستقل مقام دلانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دور حکومت میں درس گاہوں، بازاروں اور گلی کوچوں میں اس کے کارناموں، بلند مقاصد اور اس کے فلاحی اقدامات کا اکثر ذکر کیا جائے۔ ہم تعلیم و تدریس کے شعبے میں ہر قسم کی آزادی کا خاتمہ کردیں گے۔ ہر عمر کے طالب علموں اور ان کے والدین کو اداروں میں اجتماع کرنے کا حق حاصل ہوگا، اسی طرح جیسے وہ کسی کلب میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ عام تعطیل کے روز ان اجتماعات

سے اساتذہ خطاب کریں گے۔ ان کے موضوعات میں انسانی تعلقات، قوانین امثلہ، غیر شعوری تعلقات سے جنم لینے والی حدود اور ان نئے نظریات کا فلسفہ شامل ہوگا جو ابھی دنیا کے سامنے برملا پیش نہیں کیا گیا۔ ان نظریات کو ہم مذہبی عقیدے (Dogma) کے مقام پر لے آئیں گے۔ لیکن یہ مرحلہ ہمارے مذہب کی جانب ایک عبوری دور ہوگا۔ زمانہ حال اور زمانہ مستقبل سے متعلق اپنے لائحہ عمل کو مکمل طور پر بیان کرنے کے بعد اب میں آپ کو ان نظریات کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کرتا ہوں۔

لوگ نظریات سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور انہیں ہمیشہ حرز جاں بنائے رکھتے ہیں۔ وہ ان نظریات کو تعلیم ہی کے ذریعہ اپناتے ہیں جو ہر عمر کے افراد کو مختلف طریقوں سے مہیا کی جاتی رہی ہیں۔ لیکن ہم اپنے مفادات کے پیش نظر فکر وخیال کی ہر آزادی کو ختم کر دیں گے جس کا رخ ہم عرصہ دراز سے ان موضوعات اور تصورات کی طرف موڑتے رہے ہیں جو ہمارے مقاصد کے لیے مفید تھے۔ فکر وتصور کو مقید کرنے کا عمل تو پہلے ہی نام نہاد مشاہداتی طریقہ تعلیم کی صورت میں جاری وساری ہے جس کا مقصد غیر یہود کو قوت فکر سے عاری، اطاعت شعار حیوان بنانا ہے، یہ حیوان اس امر کے منتظر رہے ہیں کہ کسی چیز کا تصور قائم کرنے کے لیے اسے ان کے سامنے لایا جائے۔ فرانس میں ہمارے بہترین ایجنٹ بورژوا طبقے نے خارجی اسباق (Objective Lessons) کے ذریعہ تعلیم کے ایک پروگرام کو اسی طریقے سے مقبول کیا ہوا ہے۔

❖

وثیقہ : ۱۷

اتھارٹی کا غلط استعمال

اہم نکات: پیشہ وکالت، غیر یہودی مذہبی رہنماؤں کے اثرات، آزادی ضمیر، مذہبی عدالتیں، یہودیوں کا بادشاہ بحیثیت مقدس پوپ، موجودہ چرچ کا کیسے مقابلہ ہونا چاہیے؟ معاصر پریس کا کردار، پولیس کی تنظیم، رضاکار پولیس، جاسوسی نظام، اقتدار کا غلط استعمال۔

وکالت کا پیشہ آدمی کو سرد مہر، ظالم، ضدی اور بے اصولا شخص بنا دیتا ہے۔ وکیل ایک غیر جذباتی اور قانونی موقف اختیار کرتے ہیں اور ہر چیز کو اپنے موکل کی صفائی اور حمایت کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور قانون کے فلاح عامہ کے پہلو کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اپنے موکل کی بریت ثابت کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور ہر قیمت پر اسے رہا کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ قانون میں سے کیڑے نکالتے ہیں اور عدل و انصاف کی اہمیت اور وقعت کو کم کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس پیشے کی حدود متعین کر دیں گے جس سے یہ سرکاری انتظامیہ کی ملازمت کے دائرے میں آ جائے گا۔ ججوں کی طرح وکیلوں کو بھی مقدمے کے فریقین سے براہ راست گفتگو سے محروم کر دیا جائے گا۔ وکیلوں کو کاروبار عدالت کی طرف سے ملے گا اور وہ ہر مقدمے کا مطالعہ سرکاری رپورٹ اور متعلقہ دستاویزات کی روشنی میں کریں گے اور اپنے موکلوں کے دفاع کی اجازت دی جائے گی جب کہ متعلقہ حقائق و واقعات کے بارے میں ان موکلوں سے پوچھ گچھ کی جا چکی ہوگی۔

وکلاء کو فیس ان کے کام کی نوعیت کا لحاظ رکھے بغیر حکومت کی طرف سے ادا کی جائے گی۔ اس طرح قانونی معاملات میں ان کی حیثیت محض رپورٹروں کی سی ہو جائے گی اور وہ استغاثہ کے وکیل کے خلاف ایک توازن کا کام دیں گے۔ اس طریقے سے عدالتوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور اس طرح غیر متعصبانہ صفائی اور دفاع کی ایسی روایت پیدا ہو جائے گی جس کی بنیاد ذاتی مصالح کی بجائے

حقائق و واقعات پر ہوگی۔ ضمناً اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وکلاء کے درمیان سودے بازی کی وہ گندی عادت بھی ختم ہو جائے گی جس سے وہ صرف اس پارٹی کو جتاتے ہیں جو زیادہ پیسے دے۔

غیر یہود مذہبی محاذ

ہم نے غیر یہودی مذہبی رہنماؤں کا وقار کم کرنے اور ان کے مذہب کے مشن کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ ان رہنماؤں کی عزت اور مذہب سے عوام کی وابستگی ہماری راہ میں بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ دنیا بھر کے عوام پر ان کا اثر روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ آزادی ضمیر کا نعرہ بلند کر دیا گیا ہے اور اب عیسائیت چند سال کے اندر مکمل تباہی سے ہمکنار ہو جائے گی۔ تاہم اس سلسلے میں کچھ کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا۔ ہم پادریوں اور پاپائیت کو اتنی تنگ حدود میں مقید کر دیں گے کہ یہ مذاہب ماضی کی بہ نسبت تیزی سے پسپا ہونا شروع ہو جائیں گے۔

جب پوپ کی عدالت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا وقت آئے گا اس وقت ایک غیر مرئی ہاتھ اپنی انگلی سے تمام قوموں کو اس عدالت کی طرف متوجہ کرے گا لیکن جب لوگ اس عدالت پر ٹوٹ پڑیں گے تو ہم ظاہراً اس کے دفاع کرنے والوں کے روپ میں سامنے آ جائیں گے۔ ہمارا مقصد بظاہر غیر ضروری خون خرابے کو روکنا ہوگا۔ اس طرح ہم اس کی انتڑیوں میں اتر جائیں گے اور اپنے دانتوں سے بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر اس کی رگ رگ سے خون پی لیں گے اور اس کی تمام قوت کا مکمل خاتمہ کئے بغیر باہر نہیں آئیں گے۔

یہودیوں کا بادشاہ تمام دنیا کا حقیقی پوپ ہوگا، یعنی ایک بین الاقوامی چرچ کا مقدس رہنما ہوگا لیکن اس دوران جب کہ ہم نوجوان نسل کو روایات پر مبنی نئے مذاہب کی دوبارہ تعلیم دے رہے ہیں اور بعد ازاں اپنے مذہب سے بھی روشناس کرائیں گے۔ ہم کھلم کھلا موجودہ گرجاؤں پر انگشت نمائی نہیں کریں گے بلکہ ان کے خلاف اس قسم کی تنقید کریں گے جس سے انتشار اور بداعتمادی کی فضا پیدا ہوگی۔ اس مقصد کے لیے ہمارا پریس سیاسی معاملات، مذاہب اور غیر یہود کی نااہلیت پر عمومی تنقید جاری رکھے گا۔ اس لیے انتہائی سخت الفاظ اور اصطلاحات استعمال کی جائیں گی۔ مقصد ہر ممکن طریقے سے ان کے وقار و احترام کو ختم کرنا اور خاک میں ملانا ہے۔ اس منصوبے کو ہمارے ذہین قبیلے (یہودی قوم) کے باصلاحیت افراد ہی پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔

ہماری سلطنت وشنو دیوتا کی مانند ہوگی جو سینکڑوں ہاتھ رکھتا تھا اور یہ ہاتھ سماجی زندگی کے تمام چشموں پر قابض ہو جائیں گے۔ اس سلطنت کی عظمت وقوت کے سامنے وشنو دیوتا کی الوہیت بھی ہیچ ہوگی۔ ہم سرکاری پولیس کی مدد کے بغیر بھی ہر چیز کو دیکھ سکیں گے جس کے اختیارات کو ہم ہی نے غیر یہودیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے وسعت دی ہے اور اب وہ اپنی حکومتوں کی راہ میں اس طرح حائل ہو جاتی ہے کہ وہ اصل حقائق تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہے۔ ہمارے پروگرام کے مطابق ہماری رعایا کا ایک تہائی حصہ احساس فرض اور رضا کارانہ خدمت کے جذبے سے بقیہ دو تہائی حصے کی کڑی نگرانی کرے گا۔ اس طرح ایک جاسوس یا مخبر ہونا ذلت کی بات نہیں ہوگی بلکہ قابل فخر خدمت ہوگی۔ لیکن بے بنیاد الزامات کے لیے کڑی سزائیں دی جائیں گی تا کہ اس حق کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔

ہم اپنے ایجنٹ معاشرے کے اونچے طبقے سے بھی لیں گے اور نچلے طبقے سے بھی۔ ان میں انتظامیہ کے عیش پرست افسر، ایڈیٹرز، پبلشرز، پرنٹرز، کتب فروش، کلرک، سیلز مین، مزدور، اساتذہ اور اردلی وغیرہ شامل ہوں گے۔ یہ جماعت بااختیار نہیں ہوگی اور نہ ازخود اسے کوئی کارروائی کرنے کا اختیار ہوگا۔ دراصل یہ ایک قسم کی بے اختیار و بے اقتدار پولیس ہوگی جو صرف مشاہدہ کرے گی اور رپورٹ کردے گی۔ ان کی مہیا کردہ اطلاعات کی چھان بین اور گرفتاریوں کا انحصار انتظامی کنٹرول رکھنے والے ایک ذمہ دار گروپ پر ہوگا۔ جب کہ گرفتاری کا اصل کام مسلح پولیس اور میونسپل پولیس مل کر کریں گی جو لوگ عوام کے بارے میں دیکھی یا سنی باتوں کی اطلاع نہیں دیں گے ان پر حقائق مخفی رکھنے کا الزام لگایا جائے گا اور اس کے ثابت ہو جانے پر مناسب سزا دی جائے گی۔

جس طرح آج کل ہمارے قومی بھائیوں پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ''مرتد'' افراد کی اطلاع مقامی حکومت کو دیں اور ان لوگوں کی مخبری کریں جو حکومت کے خلاف کسی سرگرمی میں حصہ لیتے ہوئے پائے جائیں۔ اسی طرح دنیا بھر میں ہماری رعایا کا بھی فرض ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے عائد کی گئی ذمہ داری کو پوری کریں۔ اس قسم کی تنظیم کی بدولت رشوت خوری، اختیار کا غلط استعمال اور دیگر متعدد سماجی برائیاں مکمل طور پر ختم ہو جائیں گی۔

❖

وثیقہ : ۱۸

مخالفین کی گرفتاریاں

اہم نکات: خفیہ دفاع کے لیے اقدامات، سازشوں کی داخلی نگرانی، اقتدار کی تباہی، شاہ یہود کی حفاظت، اقتدار کا الوہی وقار، گرفتاریوں کا منصوبہ۔

جب ہمارے لیے خفیہ دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے سخت اقدامات کی ضرورت پڑ جائے (جو کہ اقتدار کے وقار کے لیے زہر قاتل ہے) تو ہم دکھاوے کے فسادات کرائیں گے اور بے چینی پھیلائیں گے۔ اس موقع پر ہمیں شعلہ بیان مقررین کی خدمات کی ضرورت پڑے گی کیونکہ وہ اپنے زور خطابت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے ہیں۔ اس سے افراتفری کا جو ماحول پیدا ہوگا اس سے ہمیں لوگوں کی خانہ تلاشی کے لیے جواز ہاتھ آجائے گا۔ تلاشی اور نگرانی کا کام ہم اپنی کاسہ لیس غیر یہودی پولیس کے ذریعہ انجام دیں گے۔

سازشی لوگ اکثر مسخرہ پن کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے شعور وشغب اور ہنگامہ پسندی کی ہم بظاہر پروا نہیں کریں گے۔ جب تک کوئی شخص واضح طور پر خطرناک سرگرمیوں میں ملوث نہ پایا جائے ہم اس پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ البتہ ان کی نگرانی شروع کر دی جائے گی/ یہ بات یاد رکھی جانی چاہیے کہ جو حکومت آئے دن اپنے خلاف ''سازشیں'' پکڑتی رہے، اس کا وقار کم ہو جاتا ہے اور اس سے انتظامیہ کی کمزوری کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ بے انصافی کا تو فوراً الزام لگ جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم نے غیر یہودی بادشاہوں کے وقار کو خاک میں ملانے کے لیے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ان پر بار بار حملے کرائے۔ یہ ایجنٹ ہمارے گلے کی اندھی بہری بھیڑیں ہیں۔ جنہیں آزادی اور لبرل ازم کے چند نعرے دے کر ان سے ہر جرم کرایا جا سکتا ہے۔

ہم نے حکمرانوں کو اپنے تحفظ سے متعلق اقدامات کی تشہیر کرنے اور نتیجتاً انہیں اپنی کمزوری تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس طریق کار سے ہم نے ان کے اقتدار کو تباہی سے ہمکنار کر دیا ہے۔

ہمارے حکمراں کی حفاظت مخفیہ طور پر ایک غیر معروف ایجنسی سے کرائی جائے گی۔ یہ محافظ بظاہر غیر معروف اور معمولی قسم کے ہوں گے۔ کیونکہ ہم اس تصور کو قبول ہی نہیں کرتے کہ اس کے خلاف کوئی ایسی بغاوت بھی ہوسکتی ہے جس پر وہ قابو نہ پاسکے اور اس سے چھپنے پر مجبور ہوجائے۔ اگر ہم اس تصور کو قبول کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے حکمراں کی اگر نہیں تو جلد یا بدیر اس کے خاندان کی موت کے حکم نامے پر دستخط کررہے ہیں۔

ظاہری طور پر نافذ شدہ قوانین کے تحت ہمارا حکمراں اپنی قوت کو قوم کی بھلائی کے لیے استعمال کرے گا اور کسی صورت میں اپنے یا اپنے خاندان کے مفادات کو قوم پر ترجیح نہیں دے گا۔ اس لیے خود رعایا اس کے اقتدار کی حفاظت کرے گی۔ عوام اعتراف کریں گے کہ ریاست کے ہر شہری کی فلاح و بہبود حکمراں کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ عوامی زندگی کے تمام نظم وضبط کا انحصار اسی پر ہوگا۔ یہ بات ہمارے بادشاہ کو عظمت اور تقدیس کا درجہ عطا کرے گی۔ اعلانیہ حفاظتی اقدامات بادشاہ کی تنظیمی قوت کی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں۔ البتہ جب وہ عوام میں گھرا ہوا ہوگا تو اس کے اردگرد عورتوں اور مردوں کا ایسا ہجوم ہوگا جو دور سے دیکھنے والے مشتاقان دید پر مشتمل ہوگا اور یہ تاثر دے رہا ہوگا کہ یہ لوگ اتفاقیہ طور پر یہاں جمع ہوگئے ہیں (حالانکہ وہ ہماری طرف سے متعین شدہ افراد ہوں گے) اس عمل سے دوسرے لوگ بادشاہ کی طرف احتراماً آگے نہیں بڑھیں گے جیسا کہ یہ اعلیٰ نظم وضبط کے لیے بھی ضروری دکھائی دیتا ہے۔ اس سے دوسروں کے لیے بھی ضبط نفس کی مثال قائم ہوگی۔ اگر کوئی ضرورت مند شخص بھیڑ کو چیر کر بادشاہ کو کوئی درخواست پیش کرتا ہوا دکھائی دے گا تو اگلی صفوں کے لوگ یہ درخواست لے کر سائل کی موجودگی میں ہی حکمراں کے حوالے کردیں گے۔ تاکہ سب کو معلوم ہوجائے کہ مذکورہ درخواست منزل مقصود پر پہنچ گئی ہے۔ اس سے لوگوں پر واضح ہوجائے گا کہ تمام امور مملکت پر بادشاہ کا اپنا ہی کنٹرول ہے۔ تاج سلطانی کے قیام و بقا کے لیے ضروری ہے کہ عوام یہ کہتے ہوئے سنائی دیں کہ "اگر بادشاہ کو یہ معلوم ہوتا۔" "بادشاہ تک یہ بات پہنچ کر رہے گی۔"

جیسا کہ پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ حکمراں کی حفاظت کے لیے سرکاری انتظامات کی وجہ سے اقتدار کا نازک و پراسرار وقار ختم ہوکر رہ جاتا ہے لیکن اگر اس تکلف کو نظر انداز کردیا جائے تو ہر شخص دلیری اور بیباکی پر اتر آتا ہے اور باغیوں میں اپنی قوت کا احساس پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اس لمحہ کے منتظر رہتے ہیں کہ موقع ملتے ہی اقتدار پر حملہ کردیا جائے۔ لیکن غیر یہود کو ہم اس کے برعکس تعلیم دیتے

ہیں۔ تاہم ان کے تجربہ سے تو ہم نے سبق حاصل کیا ہے کہ اعلانیہ تحفظ کے اقدامات نے ان کا کیا حشر کر رکھا ہے۔

کوئی ایسی بات رونما ہو جائے تو شک کی معقول وجہ ملتے ہی ہم مجرموں کو گرفتار کر لیں گے۔ کسی امکانی غلطی کے خوف سے ہم اس امر کی اجازت نہیں دے سکتے کہ سیاسی غلطیوں اور جرائم کے مرتکب افراد کو بچ نکلنے کا موقع دیا جائے کیونکہ ایسے معاملے میں ہم قطعاً بے رحم ہوں گے۔ اگر بفرض محال سیاسی جرائم کی تہہ میں معمولی جرائم بطور محرک کے کام کر رہے ہوں تب بھی ہم ان لوگوں کو معاف نہیں کریں گے جنہوں نے ایسے امور میں دخل دیا، جنہیں حکومت کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ صحیح پالیسی کو سمجھنا بھی ہر حکومت کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاکم اور محکوم

اہم نکات: اپیل کا حق اور باغیانہ پروپیگنڈہ سیاسی جرائم پر مقدمات، سیاسی جرائم کی تشہیر۔

اگر ہم عوام کو سیاسی امور میں مداخلت کرنے کی اجازت نہ دیں تب بھی ہم انہیں حکومت کے سامنے درخواستوں اور عرض داشتوں کے ذریعہ تجاویز پیش کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے۔ اس طریق کار سے ایک طرف تو انتظامیہ میں موجود خامیاں ہمارے علم میں آتی رہیں گی اور دوسری جانب ہم رعایا کے خیالی منصوبوں سے آگاہ رہیں گے اور ضرورت ہوئی تو ان تجاویز کو عملی جامہ پہنا دیں گے۔ ورنہ نہایت دانشمندی سے انہیں غلط ثابت کرتے ہوئے مسترد کردیں گے تاکہ غلط تجویز پیش کرنے والے پر اس کی کوتاہ اندیشی واضح ہوجائے۔

باغیانہ تقریریں کرنے والے کی حیثیت ہاتھی پر بھونکنے والے پالتو پلے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ایک منظم حکومت، جس کے ہاتھ پولیس کے بل بوتے پر نہیں بلکہ عوامی قوت سے ہوئے ہوں، اس کے نزدیک ان امور کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے کوئی پالتو پلا اپنی طاقت اور مقام سے بے خبر ہاتھی پر بھونکنے کی کوشش کرے۔ دونوں کی اہمیت کا تناسب واضح کرنے کے لیے مناسب انتباہ کافی ہوگا اور یہ کتے بھونکنا بند کردیں گے بلکہ ہاتھی کو دیکھتے ہی سہم جائیں گے اور خالی خولی نظروں سے دیکھتے دیکھتے دم ہلانا شروع کردیں گے۔

سیاسی جرائم

ہم سیاسی جرائم کو بھی قتل چوری اور دیگر گھناؤنے جرائم کی فہرست میں شامل کرکے اخلاقی جرائم کی مانند عدالتی کارروائی کا آغاز کردیں گے تاکہ ان کا ارتکاب کرنے والوں کو بہادر، جانباز اور اولوالعزم تصور نہ کرلیا جائے بلکہ ان کا وقار مٹی میں مل کر رہ جائے۔ اس طرح سیاسی جرائم اور دیگر

جرائم سے متعلق نقطۂ نظر خلط ملط ہوجائے گا اور اول الذکر کو بھی باعث ننگ و شرم سمجھا جانے لگے گا۔ نیز عوام انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔ ہم نے اس ضمن میں کافی حد تک کامیاب کوشش کی ہے کہ غیر یہود قومیں باغیانہ تقریروں اور اشتعال انگیز اقدامات سے مقابلہ کرنے کے یہ طریقے نہ جان سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے پریس، بالواسطہ کرائی گئی تقریروں اور ہوشیاری سے مرتب کردہ تاریخ کی نصابی کتب کے ذریعہ اس شہادت عظمیٰ کے تصور کو ابھارا ہے جسے باغیوں نے عوام کی مجموعی فلاح و بہبود کی خاطر قبول کیا۔ اس سے غیر یہودی قوم کے اندر لبرل ذہن کے افراد پر مشتمل ہماری ایک فوج پیدا ہوگی جو ہمارے لیے قربانی کے بکروں کا کام دے گی۔

❖

وثیقہ: ۲۰

مالیاتی پروگرام

اہم نکات: مالیاتی پروگرام، ترقیاتی ٹیکس، اسٹیمپ ڈیوٹی، سودی دستاویزات، کاؤنٹنگ کا طریقہ، فضول رسموں کا خاتمہ، سرمائے کا انجماد، کرنسی نوٹوں کا اجراء، زر کا معیار، افرادی قوت کا معیار، سرکاری قرضے، صنعتی حصص، غیر یہودی حکمراں، درباری مخلوق پر نوازشات، فری میسن کے ایجنٹ۔

آج ہم مالیاتی پروگرام پر گفتگو کریں گے جسے انتہائی مشکل اور پیچیدہ ترین ہونے کی وجہ سے میں نے اپنی رپورٹ کے آخری حصے تک ملتوی کر رکھا ہے۔ یہ ہمارے منصوبوں کا فیصلہ کن اور اہم ترین پہلو ہے۔ اس سلسلے میں بحث وتمحیص سے پیشتر میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس کا ذکر میں پہلے بھی اشارۃً کر چکا ہوں جب میں نے یہ کہا تھا کہ تمام سرگرمیاں اعداد وشمار کی روشنی میں متعین ہوں گی۔

اقتدار اعلیٰ کی باگ ڈور سنبھالنے پر ہماری مطلق العنان حکومت ذاتی تحفظ وبقا کے اصول کے تحت عوام پر بھاری ٹیکسوں کا بوجھ لادنے کی احمقانہ پالیسی سے احتراز کرے گی۔ وہ اس اصول کو ملحوظ رکھے گی کہ اس کا کردار ایک باپ اور محافظ کا سا ہونا چاہیے لیکن چونکہ ریاست کی تنظیم اور اس کا نظم و نسق چلانے پر بھاری اخراجات اٹھتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے سرمائے کا حصول بہرحال لازمی ہے۔ لہٰذا ہماری حکومت اس معاملے سے متعلق اصول توازن کی تفصیلات طے کرتے وقت خصوصی احتیاط سے کام لے گی۔

ہماری حکومت میں بادشاہ کو اس قانونی مفروضے کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کہ ریاست کی ہر شے حکمراں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ گردش زر میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے ہر قسم کی رقوم بحق سرکار ضبط کر سکے گا۔ اس سے خود بخود یہ بات بھی نکلتی ہے کہ

جائیداد پر ترقیاتی ٹیکس لگانا ہی کافی ہوگا۔ کسی جائیداد پر ''فیصد ٹیکس'' عائد کر کے لوگوں کی معاشی حالت کو زیر بار کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ دولت مندوں کو اس امر سے آگاہ ہونا چاہیے کہ یہ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی فاضل دولت مملکت کے حوالے کر دیں۔ کیونکہ انہیں اپنی جائیداد کے تحفظ اور ''جائز'' منافع کمانے کے حق کی ضمانت مملکت کی جانب سے ہی ملنا ہے۔ میں نے ''جائز'' کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ جائیداد پر ریاستی کنٹرول قانونی ڈکیتی کے امکانات کو ختم کر دے گا۔

یہ سماجی اصلاح اوپر سے آنی چاہیے، اب اس کا وقت آ گیا ہے کہ اصلاح کا آغاز بالائی طبقے سے ہو، اس سے امن عامہ کی بھی ضمانت ملے گی جو ایک ناگزیر امر ہے۔ غریبوں پر ٹیکس لگانا ان کے اندر انقلاب کے بیج ہونے کے مترادف ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو نظر انداز کر کے پسے ہوئے عوام کو شکار بنانے سے مملکت پر تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس سرمایہ داروں پر ٹیکس عائد کرنے کی پالیسی، دولت کے غیر سرکاری ہاتھوں میں ارتکاز کو روکتی ہے جن میں آج کل ہم نے اسے مرتکز کر رکھا ہے۔ تاکہ غیر یہودی طاقت کے مقابلے میں توازن کا کام دے، یعنی اسے کمزور کر دے ــــ حکومتی طاقت سے مراد ان کے مالی وسائل ہیں۔

ٹیکسوں کی اہمیت

موجودہ انفرادی یا پراپرٹی ٹیکس کے مقابلے میں بڑھتے ہوئے سرمائے پر فیصد تناسب سے ٹیکس لگانے سے بہت زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ موجودہ پراپرٹی ٹیکس ہمارے لیے اس لحاظ سے مفید ہے کہ اس سے غیر یہودی میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے بادشاہ کی قوت کا انحصار معاشی توازن اور امن عامہ کی ضمانت پر ہوگا۔ لہٰذا اس مقصد کے حصول اور ریاست کے نظم ونسق کی بہتری کے لیے لازم ہوگا کہ سرمایہ دار اپنی آمدنی کا ایک حصہ ریاست کے حوالے کر دیں۔ تاکہ ملکی ضروریات انہی لوگوں کی جیب سے پوری کی جائیں جو اس کے متحمل ہو سکیں اور کسی قسم کا بوجھ بھی محسوس نہ کریں۔ اس اقدام سے دولت مند طبقے کے خلاف غریبوں کی نفرت بھی ختم ہو جائے گی اور وہ اسے ملکی امن وسلامتی اور عوامی فلاح و بہبود کا ضامن سمجھیں گے کیونکہ وہ اس امر کے خود شاہد ہوں گے کہ ریاست کے ان اعلیٰ وارفع مقاصد کے لیے ضروری وسائل یہی طبقہ فراہم کر رہا ہے۔

تاج وتخت کے مصارف اور انتظامی اداروں پر اٹھنے والے خرچ کے سوا، دیگر تمام اخراجات کا

مکمل حساب کتاب تعلیم یافتہ طبقے کی رسائی میں ہوگا تاکہ وہ ٹیکسوں سے پریشان اور بددل نہ ہوں۔

حکمراں طبقے کی جائیداد

ہمارے حکمراں کی کوئی ذاتی جائیداد نہیں ہوگی کیونکہ ساری ریاست اس کی وراثت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا ذاتی جائیداد بنانا اس اصول سے متناقض ہوگا، بادشاہ کا ذاتی آمدنی کا مالک ہونا ملکیت عامہ میں اس کے حقوق کو ختم کردے گا۔ بادشاہ اور اس کے تمام رشتہ داروں کو، یا ستی ملازمین کی صفوں میں شامل ہونا پڑے گا۔ یا حق جائیداد حاصل کرنے کے لیے انہیں کوئی اور کام کرنا ہوگا۔ شاہی خون کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ سرکاری خزانے پر اللے تللے کرتے رہیں۔

ترقیاتی ٹیکس

جائیداد کی خریداری، روپے کی وصولی یا وراثت پر اشامپ ٹیکس لگایا جائے گا۔ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ جس شخص کے نام پر رجسٹرڈ ہوگی اگر اس نے ٹیکس کی ادائیگی کے مکمل ثبوت کے بغیر کسی اور کو منتقل کردی تو اسے جائیداد کی تاریخ منتقلی سے لے کر اس کا سراغ لگنے کی تاریخ تک اس ٹیکس پر سود بھی ادا کرنا پڑے گا۔ انتقال کے کاغذات ہر ہفتے مقامی دفتر خزانہ میں پیش کرنا لازمی ہوں گے جن میں اس جائیداد کے سابق اور نئے مالک کے نام، القاب اور مستقل رہائش کا پتہ درج ہو۔

ناموں کی رجسٹریشن کے ساتھ اس قسم کے انتقال کے لیے رقم کی ایک حد مقرر کی جائے گی جو روز مرہ کی ضروریات زندگی پر اٹھنے والے اخراجات سے زائد ہوگی۔ ٹیکس کی زد میں آنے والی رقوم کی ادائیگی اسی صورت میں ممکن ہوگی جب ان پر مقررہ فی صد کے حساب سے اشامپ پیپروں کی شکل میں ٹیکس ادا کردیا جائے۔ آپ ذرا اندازہ تو کیجئے کہ اس قسم کے ٹیکسوں سے ہمیں غیر یہود ریاستوں کے مقابلے میں کتنے گنا زائد آمدنی ہوگی۔

گردش زر

سرکاری خزانے کو محفوظ رقوم کی ایک خاص مقدار رکھنا ہوگی۔ اس حد سے زائد جتنی رقوم وصول ہوگی اسے گردش میں ڈال دیا جائے گا۔ تعمیر عامہ کے کام اسی رقم سے شروع کیے جائیں گے۔ یہ

تعمیرات مزدور طبقہ کو حکومت اور حکمرانوں کے مفادات سے قریب تر کردیں گی۔ اس رقم کا ایک حصہ مختلف ایجادات کے موجدوں اور پیداوار بڑھانے والوں کو انعامات دینے کے لیے مخصوص کردیا جائے گا۔ ایک خاص حد، جو غور وفکر کے بعد مقرر کی جائے گی، سے زائد روپیہ کسی صورت میں سرکاری خزانوں میں نہیں رکھا جائے گا، کیونکہ روپیہ ہوتا ہی گردش کے لیے ہے۔ کیونکہ گردش میں رکاوٹ سرکاری مشینری کے کام کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔ جس کے لیے یہ تیل (Lubricant) کا کام دیتا ہے۔ تیل میں کمی یا رکاوٹ کی وجہ سے مشین کے کل پرزے باقاعدگی سے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

تبادلے کے ٹوکن (یعنی سکے اور کرنسی نوٹ) کی بجائے سودی تمسکات (Interest-Bearing Paper) کے رواج نے یہی صورت حال پیدا کررکھی ہے جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔

ہم ایک کورٹ آف اکاؤنٹس بھی قائم کریں گے جو مملکت کی آمدنی اور اخراجات کی مکمل جانچ پڑتال کرے گی۔ اس کے ذریعہ حکمراں مالی معاملات سے ہر وقت باخبر رہے گا لیکن ان معاملات میں ماہ رواں کا حساب کتاب جو تیاری کے مرحلے میں ہوگا اور گذشتہ ماہ کا حساب جو ابھی وصول نہیں ہوا ہوگا، اس کورٹ کے پاس موجود نہیں ہوگا۔

واحد شخص جسے ریاست کی لوٹ کھسوٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی وہ ریاست کا مالک یا حکمراں ہی ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کا ذاتی کنٹرول ریاستی مالیات میں کسی قسم کی بدعنوانی یا فضول خرچی کے ہر امکان کو ختم کردے گا۔

استقبالیہ تقریبات

حکمراں کا استقبالیہ کاموں میں بہت سا وقت ضائع ہوجاتا ہے، اس لیے ان تقریبات میں شرکت سے روک دیا جائے گا تاکہ اسے نظم ونسق کو کنٹرول کرنے اور انتظامی معاملات پر غور وفکر کے لیے کافی وقت مل سکے۔ اس طرح اس کی قوت ابن الوقت قسم کے مداحوں اور خوشامدوں میں اٹھنے بیٹھنے پر خرچ ہونے سے بچ جائے گی، ان درباری مزاج کے لوگوں کو ریاستی مفادات سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ صرف اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کی وجہ سے حکمراں کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔

غیر یہود کے لیے اقتصادی بحران

ہم نے سرمائے کو گردش سے نکال کر غیر یہود کے لیے متعدد معاشی بحران پیدا کئے ہیں۔ ریاستوں سے زر کی واپسی کے باعث سرمایہ کے بڑے بڑے ذخیرے جامد ہو کر رہ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ریاستوں کو قرضوں کا سہارا لینا پڑا ہے۔ ان قرضوں نے حکومت کی مالیات کو سود کے بوجھ تلے دبا دیا ہے۔ نتیجتاً حکومتیں ان سرمایوں کی محض غلام بن کر رہ گئی ہیں۔ صنعت چھوٹے صنعت کاروں کی بجائے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں مرتکز ہو گئی ہے۔ اس طرح عوام اور حکومت دونوں کا سرمایہ سمٹ کر ان سرمایہ داروں کی تجوریوں میں پہنچ چکا ہے۔

زر کا موجودہ اجراء بالعموم فی کس ضروریات کے مطابق نہیں۔ اس لیے مزدوروں کی تمام ضروریات کما حقہ پوری نہیں ہورہیں۔ حالانکہ زر کا اجراء آبادی میں اضافے کے تناسب سے ہونا چاہیے۔ اس لیے بچوں کو بھی ان کے یوم پیدائش سے ہی صارفین زر میں شمار کیا جانا چاہیے۔ اجرائے زر کا مسئلہ ساری دنیا میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

طلب زر

آپ کو یقیناً معلوم ہوگا کہ سونے کو بطور معیار زر اختیار کرنے والی تمام ریاستیں تباہی سے ہمکنار ہو چکی ہیں۔ کیونکہ یہ سونا، طلب زر پوری کرنے سے قاصر رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے حتی الامکان سونے کی کافی مقدار گردش سے نکال لی ہے۔

ہم اپنی مملکت میں ''ورکنگ مین پاور'' کے مصارف کو معیار بنائیں گے۔ خواہ اسے کاغذ یا لکڑی کی صورت میں رائج کیا جائے یا اشیائے ضرورت کی صورت میں متعین کیا جائے۔ ہر بچے کی پیدائش پر زر کی مقدار میں اضافہ کر دیا جائے گا اور ہر موت پر اس میں کمی کر دی جائے گی۔ ہر محکمہ (فرانسیسی ڈویژن) اور ہر سرکل اپنے باقاعدہ اکاؤنٹس رکھنے کا ذمہ دار ہوگا۔ سرکاری ضروریات کے لیے واجبات کی ادائیگیوں میں تاخیر سے بچنے کے لیے متعلقہ رقوم اور شرائط کا تعین بادشاہ کی صوابدید پر ہوگا۔ اس طریق کار سے کوئی وزارت ایک ادارے کے تحفظ کی خاطر دوسرے ادارے کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

ہم غیر یہود کے مالیاتی اداروں اور ان کی کارکردگی میں ایسے انداز میں، اصلاحات نافذ کریں

گے کہ سنسنی نہیں پھیل سکے گی۔ ان قوموں نے بے قاعدگیوں اور بے اصولیوں کے باعث اپنی معیشت کو جس صورت حال سے دوچار کر رکھا ہے۔ اس کی اصلاح بیحد ضروری ہوگئی ہے۔ ہم ان پر یہ بات واضح کر دیں گے کہ ان کی پہلی غلطی سال بھر کے لیے ایک ہی بجٹ بنانا ہے۔ جو سال بہ سال مندرجہ وجوہ کی بنا پر بڑھتا ہی چلا جاتا ہے:

"یہ بجٹ نصف سال ہی میں ختم ہو جاتا ہے، پھر ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک اور بجٹ بنانا پڑ جاتا ہے جو تین ماہ ہی میں خرچ ہو جاتا ہے۔ بعدازاں ضمنی بجٹ لانا پڑتا ہے۔ اس کارروائی کا نتیجہ ایک دیوالیہ (Liquidation) بجٹ کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ لیکن اگلے سال کا بجٹ چونکہ پچھلے سال کے بڑھے ہوئے اخراجات کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے۔ اس لیے اس میں ابتداء ہی میں 50 فیصد اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح دو سال کے عرصہ میں یہ تین گنا ہو جاتا ہے۔ غیر یہودی ریاستوں کے خزانے انہی بے احتیاطیوں اور غلطیوں کے باعث خالی ہوئے ہیں۔ قرضوں کی مدت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ چیز بچتوں کو نگل جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ریاستیں کنگال ہو چکی ہیں"۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اس قسم کی اقتصادی غلطیاں نہیں کریں گے۔ غیر یہود کو یہ طریقے تو ہم نے خود سکھائے ہیں (تاکہ وہ اقتصادی طور پر کبھی آزاد نہ ہو سکیں)۔

اندرونی و بیرونی قرضے

کسی بھی قسم کا قرضہ لینا حکومت کی کمزوری کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ریاست کے حقوق کو صحیح طور پر سمجھا نہیں گیا۔ قرضے ایک ننگی تلوار کی طرح حکمرانوں کے سروں پر لٹکتے رہتے ہیں جو کہ اپنی رعایا سے ایک عارضی ٹیکس لگا کر رقم حاصل کرنے کی بجائے ہمارے بنک کاروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنے آ جاتے ہیں۔ غیر ملکی قرضے ایسی جونکیں ہیں جن کو ریاست کے جسم سے الگ کرنا ممکن نہیں۔ ماسوائے اس کے کہ یہ خود ہی الگ ہو جائیں یا متعلقہ ریاست انہیں اتار پھینکے لیکن غیر یہودی ریاستیں انہیں کسی طرح بھی پھینکنے کو تیار نہیں ہوتیں بلکہ اپنے اوپر مزید قرضوں کا بوجھ بڑھاتی رہتی ہیں تاکہ اپنے جسم کا سارا خون نچڑ جانے سے وہ مکمل طور پر تباہ ہو جائیں۔

قرضہ اور بالخصوص غیر ملکی قرضہ، دراصل کسی حکومت کی طرف سے جاری شدہ ایک ہنڈی (Bill of Exchange) ہوتی ہے۔ جس میں قرضے کی رقم مع سود ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی جاتی ہے۔ اگر شرح سود ۵ فیصد ہو تو مقروض حکومت ۲۰ سال کے عرصہ میں اصل زر کے برابر صرف سود ہی ادا کر دیتی ہے۔ ۴۰ سال میں یہ رقم دوگنا اور ۶۰ سال میں تین گنا ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود بھی اصل قرضہ سر پر ہی رہتا ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ متعلقہ حکومت اپنے غریب عوام پر ٹیکس اس لیے لگاتی ہے کہ وہ ان غیر ملکی دولت مندوں سے اپنا حساب کتاب طے کر سکے جن سے اس نے قرضے لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان قرضوں کے لیے اپنی رعایا پر فی کس ٹیکس لگا کر ان سے آخری سکے بھی نکلوا لیتی ہے۔ حالانکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہی سکے اکٹھے کر کے سود سے بچا سکتا تھا۔

جب تک قرضے مقامی نوعیت کے، بہ الفاظ دیگر ملکی رہے۔ اس وقت تک غیر یہود نے ان قرضوں کے ذریعہ صرف یہ کیا کہ روپیہ غریبوں سے لے کر امیروں کی جیب میں ڈال دیا لیکن جب ہم نے اپنے ایجنٹوں اور کرائے کے ٹٹوؤں کے ذریعہ غیر ملکی قرضوں کو رواج دیا تو ریاستوں کی تمام دولت سمٹ کر ہماری تجوریوں میں آنا شروع ہو گئی اور تمام غیر یہود ہمیں رعایا کی طرح خراج (سود) دینے لگے۔

یہ ٹھیک ہے کہ غیر یہود حکومتیں، اپنے سطح بیں بادشاہوں، نااہل وزیروں اور کم فہم سرکاری عہدیداروں کی وجہ سے، ہماری مقروض بن گئیں اور یہ قرضے اب ادا کرنا، ان کے بس میں نہیں رہا، لیکن یہ سب کچھ یونہی نہیں ہو گیا، اس مقصد کے لیے ہمیں آگ اور خون کے دریاؤں میں سے گزرنا پڑا ہے اور ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا کر یہ حالات پیدا کئے ہیں۔

جہاں تک ہمارا اپنا تعلق ہے ہم سرمائے کے انجماد کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس لیے ہماری حکومت میں کوئی سرکاری قرضے یا تمسکات نہیں ہوں گے سوائے ایک فیصد سیریز کے (یعنی ہم ایسے چھوٹے چھوٹے قرضوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے جن پر صرف ایک فیصد سالانہ سود دینا پڑے گا) اس سے ان جونکوں کو بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا جو ریاست کی ساری طاقت چوس لیتی ہیں۔ سودی تمسکات کے اجراء کا حق صرف صنعتی کمپنیوں کو دیا جائے گا جن کے لیے منافع کی رقم میں سے سود ادا کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ حکومت تو ان کمپنیوں کی مانند قرضوں پر منافع نہیں کماتی۔ وہ ملکی اخراجات

پورے کرنے کے لیے قرض اٹھاتی ہے، کاروباری منصوبوں میں لگانے کے لیے نہیں اٹھاتی۔ اس وقت حکومتوں کو مختلف قرضوں پر سود کی صورت میں خراج ادا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہماری حکومت خود صنعتی کمپنیوں کے جاری کردہ تمسکات خریدے گی۔ اس طرح اس کی حیثیت قرض دہندہ میں تبدیل ہوجائے گی۔ اس اقدام سے سرمائے کے انجماد، مفت کی نفع خوری اور سستی و کاہلی کا قلع قمع ہوجائے گا۔ ان عیوب کا وجود غیر یہودی ریاستوں کی آزادی کے دوران تو ہمارے لیے مفید ثابت ہوتا ہے لیکن ہمارے دور اقتدار میں یہ ناپسندیدہ قرار پائیں گے۔

غیر یہود کے خالص حیوانی ذہنوں اور غیر ترقی یافتہ فکر کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ہی قرضے اتارنے کے لیے ہم ہی سے سودی قرض لے رہے ہیں لیکن انہوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ ہمارا حساب کتاب چکانے کے لیے انہیں اپنے وسائل سے مطلوبہ روپیہ پیدا کرنا چاہیے۔ اس سے زیادہ سہل اور آسان امر کیا ہوسکتا ہے کہ انہیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہ رقم اپنے ہی عوام سے لینی چاہیے۔ لیکن یہ ہمارے عبقری اور ذہین رہنماؤں کا کمال ہے کہ انہوں نے قرضوں کے معاملے کو ان کے سامنے اس طرح پیش کیا ہے کہ انہیں اس میں اپنا ہی فائدہ نظر آتا ہے۔

وقت آنے پر ہم اپنا حساب کتاب ان تجربات کی روشنی میں کریں گے جو ہم نے صدیوں ان غیر یہود پر کئے ہیں۔ ہمارے اکاؤنٹس بالکل غیر مبہم اور واضح ہوں گے ہر شخص انہیں دیکھ کر ایک ہی نظر میں اس سلسلے میں ہماری اصلاحات اور ہمارے اختراعی ذہن کی برتری کا دلی طور پر قائل ہوجائے گا۔ یہ حساب کتاب ان خرابیوں کا بھی قلع قمع کردے گا جن کے باعث غیر یہود کو ہمارے زیر بار ہونا پڑا ہے۔ ہماری ریاست ایسی خرابیوں کو اپنے ہاں برداشت نہیں کرے گی۔

ہمارا حساب کتاب کا نظام ایسی بنیادوں پر استوار ہوگا کہ حکومت کے ایک ادنیٰ ترین ملازم سے لے کر حکمران اعلیٰ تک کوئی شخص چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی غبن نہ کرسکے گا اور نہ فنڈز کو طے شدہ مد سے ادھر اُدھر خرچ کرسکے گا، اگر ایسی حرکت کرے گا تو اس کی حرکت فوراً نوٹس میں آجائے گی۔

واضح مقاصد کو پیش نظر رکھے بغیر کوئی حکومت نہیں چلائی جاسکتی۔ غیر معینہ وسائل کے ساتھ غیر معینہ راستہ اختیار کرنے والے اگر دیوتاؤں کی سی قوت رکھتے ہوں تب بھی تباہ ہوجاتے ہیں۔ غیر یہود حکمراں جو ہمارے مشوروں کے محتاج ہوا کرتے تھے ہمارے مشوروں سے رنگ رلیوں میں مصروف ہوئے، امور سلطنت سے ان کی توجہ ہٹی اور رسمی تکلفات، آداب مجلس کے گورکھ دھندوں اور

تفریحی پروگراموں پر چل کھڑے ہوئے۔ انہیں ان کاموں میں منہمک پا کر وہاں درپردہ حکمرانی ہم ہی کرتے رہے ہیں۔ امور سلطنت میں ان کی نمائندگی کرنے والے منظور نظر درباریوں کے لیے اکاؤنٹس وغیرہ ہمارے ایجنٹ ہی تیار کرتے ہیں اور ان کوتاہ اندیش ذہنوں کو اس بات پر مطمئن کردیتے ہیں کہ مستقبل میں کافی بچتیں (Savings) ہونے والی ہیں، آخر یہ بچتیں کہاں سے ہوں گی؟ کیا نئے ٹیکس لگانے پڑیں گے۔ یہ سوالات تو پوچھے جاسکتے ہیں لیکن ہمارے تیار کردہ اکاؤنٹس اور منصوبوں کا ''مطالعہ'' کرنے والوں نے یہ پوچھنے کی کبھی ضرورہی محسوس نہیں کی اور آپ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی اپنی ناعاقبت اندیشیوں اور لاپروائیوں کی وجہ سے کیسی مالیاتی تباہیوں سے دوچار ہوئے اور اپنے عوام کی محبت اور بے پناہ صنعتی صلاحیت کو ضائع کر بیٹھے ہیں۔

❖

وثیقہ: ۲۱

قرضے اور سرمایہ

اہم نکات: ملکی قرضے، واجبات اور ٹیکس، مبادلہ، دیوالیہ، سیونگز بنکس اور سرکاری سود، زر کی منڈیوں کا خاتمہ اور مصنوعات کی قیمتوں کا تعین۔

گذشتہ اجلاس کے دوران، میں نے کچھ معروضات آپ کے سامنے پیش کی تھیں، اب میں اندرونی (ملکی) قرضوں کی تفصیلی طور پر وضاحت کروں گا۔ بیرونی قرضوں کے بارے میں مجھے زیادہ کچھ نہیں کہنا ہے۔ کیونکہ ہمیں غیر یہود کے روپیہ سے انہی قرضوں نے مالا مال کیا ہے لیکن ہماری ریاست کے لیے کوئی چیز غیر ملکی نہیں ہوگی بلکہ ہم ہر لحاظ سے خود کفیل ہوں گے۔

ہم نے غیر یہود حکومتوں کو قرضے دے کر (جن کی حقیقتاً انہیں ضرورت نہ تھی) کئی گنا نفع کمایا اور ان کی انتظامیہ کے افسروں کی رشوت خوری اور حکمرانوں کی ضمیر فروشی اور نااہلی سے فائدہ اٹھایا۔ کیا ہم کسی اور کو اپنے ساتھ ایسا کھیل کھیلنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟ لہٰذا میں صرف ملکی قرضوں کو ہی زیر بحث لاؤں گا۔

مختلف ریاستیں جب اپنے کسی قرضے کا اعلان کرتی ہیں تو اپنی ہنڈیاں (Bills of Exchange) یعنی سودی تمسکات کو فروخت کے لیے پیش کرتی ہیں۔ قیمتوں کے تعین کے لیے ان کو ۱۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ حصوں تک تقسیم کیا جاتا ہے اور اولین خریداروں کو کچھ ڈسکاؤنٹ دیا جاتا ہے۔ اس کے اگلے روز مصنوعی طریقوں سے ان کی قیمت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ظاہر کی جاتی ہے کہ ہر شخص انہیں خریدنے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ چند ہی روز میں خزانے کی تجوریاں بھر جاتی ہیں اور ان کے پاس ضرورت سے زیادہ رقم جمع ہو جاتی ہے۔ (آخر یہ رقم وصول کیوں کی جاتی ہے) مطلوبہ قرضہ کی کل رقم سے زائد روپے کی وصولی ہی میں اس سارے ناٹک کا راز مضمر ہے۔ کیونکہ اس طرح متعلقہ حکومتیں شیخی بگھار سکتی ہیں، دیکھئے! سرکاری تمسکات پر لوگوں کو کتنا اعتماد ہے۔

اس ڈرامے کا یہ مضحکہ خیز مرحلہ گزر جانے کے بعد یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ایک ایسا قرضہ لے لیا گیا ہے جس کی ادائیگی انتہائی تکلیف دہ ہے کیونکہ پھر اس کا صرف سود ادا کرنے کے لیے نئے قرضے لینا پڑتے ہیں جس سے اصل قرضے میں کمی کی بجائے اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ نیا قرضہ بھی ختم ہو جاتا ہے تو اس قرضے کی نہیں بلکہ اس کے سود کی ادائیگی کے لیے نئے نئے ٹیکس لگانا پڑ جاتے ہیں۔ یہ ٹیکس بذات خود ایک قرضے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بعد ازاں ان قرضوں کو دوسرے قرضوں میں تبدیل کرنے کی نوبت آ جاتی ہے لیکن اس طرح اصل زر کی وصولی تو نہیں ہوتی۔ البتہ سود کی شرح میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے تبادلے قرض خواہوں کی منظوری کے بغیر ہو بھی نہیں سکتے۔ اسی لیے تبادلے کے اعلان کے ساتھ ہی ان لوگوں کو روپیہ واپس کرنے کی پیش کش کی جاتی ہے جو نئے تمسکات (Bills of Exchange) خریدنے سے انکاری ہو جائیں اور اپنے روپے کی واپسی پر اصرار کر رہے ہوں۔ اس پر حکومت اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں پھنس سکتی ہے۔ خوش قسمتی سے غیر یہود حکومتوں کے عوام نے جو مالی امور سے واقفیت رکھتے ہیں ہمیشہ نئی سرمایہ کاری پر مبادلے کے نقصانات اور سود میں کمی قبول کرنے کو ترجیح دی ہے اور اس طرح حکومتوں کو بارہا اپنے کندھوں سے لاکھوں روپے کے قرضوں کا بوجھ اتارنے کے قابل بنا دیا ہے۔

آج کل غیر ملکی قرضوں کے ساتھ غیر یہود، ایسی چالیں نہیں چل سکتے کیونکہ انہیں خوب معلوم ہے کہ اس صورت میں ہم اپنے تمام روپے کی واپسی کا مطالبہ کر دیں گے۔ اسی طرح مسلمہ دیوالیہ پن سے مختلف ممالک پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ وہاں کے فرماں رواؤں اور عوامی مفادات کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں۔

خاص نکتہ

میں اب آپ سے اس نکتے پر غور کرنے کی درخواست کرتا ہوں اور ذیل کے حقائق پر خصوصی توجہ دینے کی استدعا کرتا ہوں۔

''آج کل تمام اندرونی قرضوں کو نام نہاد التوائی قرضوں (Flying Loans) میں مجتمع (Consolidate) کر لیا جاتا ہے۔ یعنی ایسے قرضے جن کی میعاد ادائیگی کم و بیش یکساں

ہوتی ہے، سیونگز بنکوں میں ادا شدہ رقموں اور محفوظ سرمائے سے بنتے ہیں۔ اگر یہ عرصے تک
حکومت کے پاس پڑے رہیں تو یہ غیر ملکی قرضوں کا سود ادا کرنے کے کام آتے ہیں اور انہیں
پورا کرنے کے لیے متوازی رقوم مہیا کرنی پڑتی ہے۔ اور یہی وہ آخری رقوم ہیں جو غیر یہود
کے سرکاری خزانوں کی درزوں کے لیے پیوند کاری کا کردار ادا کرتی ہیں"۔

ہم جب دنیا کی حکومت پر متمکن ہوں گے تو ہم اس قسم کے تمام مالیاتی وغیر مالیاتی جھگڑوں کو ختم کر دیں گے کیونکہ یہ ہمارے مفاد میں نہیں ہوں گے۔ ہم زر کی منڈیوں کا بھی خاتمہ کر دیں گے کیونکہ قیمتوں کا اتار چڑھاؤ حکومت کے وقار کو کم کر دیتا ہے۔ ہم اشیاء کی قیمتیں قانوناً مقرر کر دیں گے تاکہ ان میں آئے دن کمی بیشی نہ ہوتی رہے۔ (قیمتیں بڑھانے سے بھی انہیں گھٹانے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ یہی رویہ ہم نے غیر یہود کی قیمتوں کے بارے میں ابتداء میں اختیار کیا تھا)

ہم زر کی منڈیوں کی جگہ قرض کے لین دین کے لیے شاندار سرکاری ادارے قائم کریں گے جن کا مقصد حکومت کے نظریات کی روشنی میں صنعتی اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنا ہوگا۔ یہ ادارے ایک ہی دن کے اندر پانچ سو ملین کے صنعتی تمسکات کو ایک ہی دن خرید لینے یا فروخت کر سکنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ اس طرح تمام سرگرمیوں کا انحصار ہم پر ہوگا، آپ خود تصور کریں کہ اس طرح ہم کتنی عظیم طاقت کے مالک بن جائیں گے۔

❖

وثیقہ: ۲۲

قوت زر

اہم نکات: مستقبل کا راز، بہت سے ممالک کی موجودہ برائیاں آئندہ کی بہبود کی بنیاد ہیں، طاقت کا دائرہ اور اس کی متصوفانہ پرستش۔

اب تک ہم نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے، اس میں ماضی، حال اور مستقبل کے متعدد اسرار و رموز اور واقعات کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مستقبل قریب میں پیش آنے والے واقعات بھی بتائے گئے ہیں، نیز غیر یہود سے ہمارے تعلقات اور مالی معاملات سے بھی آپ کو آگاہ کردیا گیا ہے، اس موضوع پر مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔

آج ہمارے ہاتھ میں وقت کی اہم ترین قوت، سونا ہے۔ دو دن کے اندر ہم جتنا سونا چاہیں اپنے گوداموں سے باہر لا سکتے ہیں۔

اس بات کے لیے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے کہ خدا نے حکومت ہمارے لیے مقدر کردی ہے۔ اتنی عظیم دولت و ثروت کے ساتھ ہم یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ اب تک ہم جو لڑائیاں کرتے رہے ہیں ان کا آخری نتیجہ ایک حقیقی فلاح ہے یعنی یہ کہ ہر چیز کو ایک نظم و ضبط کے تحت لایا جائے۔ اگرچہ اس کے لیے ہمیں کچھ تشدد کرنا پڑے گا لیکن حکومت بہرحال قائم ہو کر رہے گی۔ ہم یہ بات ثابت کردکھائیں گے کہ ہم ہی انسانیت کے سچے خیر خواہ ہیں جنہوں نے انتشار و افتراق سے پارہ پارہ کرۂ ارض کو حقیقی فلاح سے آشنا کیا ہے۔ زخموں سے چور چور اور پسی ہوئی نوع انسانی کو شخصی آزادی کا تحفہ دیا ہے۔ ہم اس کا بھی اہتمام کریں گے کہ انسان اپنے اپنے مراتب و مناصب اور وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے شخصی آزادی کی نعمت سے لطف اندوز ہوسکیں۔ لیکن ان کے لیے ہمارے مرتب کردہ قوانین کی پابندی لازم ہوگی۔ کیونکہ آزادی کا مفہوم نہ تو انتشار و افتراق ہے اور نہ بے راہ روی اور بے لگامی ہے۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص لوگوں کے سامنے نفرت انگیز تقریریں کر کے

لوگوں کو مشتعل اور بے لگام کر دے۔ بے قابو ہجوم آمادۂ فساد و سرکشی ہو جائے۔ حقیقی آزادی سے مراد ہر شخص کی عزت و ناموس کا تحفظ، روز مرہ کے قوانین کی پابندی و احترام، دوسروں کے حقوق پورے کرنا اور اپنے فرائض ادا کرنا ہے۔

ہماری حکومت ہمہ مقتدر ہونے کے باعث انتہائی جاہ و جلال کی مالک ہو گی جو فرماں روائی بھی کرے گی اور رہنمائی بھی۔ ہم ان لیڈروں اور مقرروں کی طرح پراگندہ خیالی کا شکار نہیں ہوں گے جو چیخ چیخ کر بے معنی الفاظ دہراتے رہتے ہیں۔ ہمارا دور اقتدار نظم و ضبط کی معراج ہو گا کیونکہ اسی میں انسانوں کی تمام مسرتیں پوشیدہ ہیں۔ ہماری حکومت کا ہالہ نور لوگوں کے ضمیر کو منور کر دے گا جس سے ان کے باطن کے اندر جذبہ اطاعت پیدا ہو گا اور تمام قومیں احساس خوف کے ساتھ اس کی عزت و تکریم کریں گے۔ حقیقی قوت کسی قسم کے حقوق کے ساتھ مصالحت یا سمجھوتہ کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ خدا کے ساتھ بھی نہیں۔ کوئی بھی اس کے قریب آنے کی جرأت نہیں کرتا بلکہ خوف و احترام کی وجہ سے اس سے دور دور ہی رہتا ہے۔

وثیقہ: ۲۳

اطاعت پر آمادگی

اہم نکات: اشیائے تعیش کی پیداوار میں کمی، چھوٹے پیمانے کی کثیر المقدار پیداوار، بے روزگاری، شراب نوشی کی ممانعت، پرانے سماج کا خاتمہ اور تعمیر نو، خدا کا محبوب کون؟

اقوام عالم کو اطاعت اور فرماں برداری کی عادی بنانے کے لیے ان میں عاجزی اور فروتنی کا جذبہ پیدا کرنا بیحد ضروری ہے، اس کے لیے ہمیں اشیائے تعیش کی پیداوار کم کرنا پڑے گی۔ اس طرح ہم ایسے اخلاق کو ترویج و ترقی دیں گے جو تعیشات کے دائرے میں مقابلے اور مسابقت کی وجہ سے پست ہو چکے ہیں۔ ہم چھوٹے پیمانے کی خود کفیل پیداوار کی حوصلہ افزائی کریں گے جو بڑے بڑے صنعت کاروں کے نجی سرمائے تلے سرنگ بچھانے کے مترادف ہوگا۔ یہ اقدام اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ بڑے بڑے صنعت کار شعوری یا غیر شعوری طور پر عوام کی سوچ کے دھارے کو بالعموم حکومت کے خلاف موڑنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ خود کفیل گھریلو دست کاروں کو چونکہ بے روزگاری کا خطرہ نہیں ہوتا اس لیے وہ وقت کے معاشرتی نظام سے مطمئن رہتے ہیں، نتیجتاً حکومت کے ہاتھ مضبوط ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بے روزگاری حکومت کے لیے سب سے زیادہ تباہ کن چیز ہے۔ موجودہ حکومتیں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی وجہ سے کمزور ہو جائیں گی اور اقتدار ہمارے ہاتھ آنے تک بے روزگاری اپنا کام مکمل کر چکی ہوگی۔

ہم شراب نوشی کی سختی سے ممانعت کر دیں گے، کیونکہ اس کے زیر اثر انسان درندہ بن جاتا ہے اور ہر گھناؤنا جرم نشے کے باعث سرزد ہو جاتا ہے۔ میں ایک بار پھر کہوں گا کہ عوام صرف طاقتور حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ عوام کے سر ایسی حکومت کے سامنے ہی جھک سکتے ہیں جس کی قوت کا انحصار ان (عوام) پر نہ ہو اور جو مکمل طور پر آزاد خود مختار ہو۔ وہ ایسی ہی حکومت کو بیرونی حملہ آوروں سے دفاع سماجی شورشوں سے تحفظ کی ضمانت سمجھ سکتے ہیں۔ انہیں بادشاہ کی ملکوتی صفات

سے کیا غرض؟ وہ تو اسے طاقت وقوت کا مجسمہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

موجودہ خدا شناس اور شر پسند معاشروں کے حکمرانوں (جنہیں ہم پست ہمت بنا چکے ہوں گے) کی جگہ لینے کے لیے جو شخص ہمارا بادشاہ بنے گا اس کا سب سے پہلا قدم یہ ہوگا کہ وہ اس خدا ناشناسی کے ماحول اور شر پسندی کی آگ کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دے، اس لیے اسے موجودہ سوسائٹی کو مکمل طور پر تباہ کرنا ہوگا۔ خواہ اس کے لیے اسے کتنی ہی خونریزی کرنی پڑے۔ اس صورت میں اسے سوسائٹی کو از سرِ نو تعمیر کرنا ہوگا جس کے بعد وہ ہماری سوسائٹی کے خلاف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو کاٹ دے گا۔

خدا کا یہ محبوب (یعنی بادشاہ) اس لیے چنا گیا ہے کہ وہ تمام اندھی بہری اور بہیمانہ قوتوں کو ختم کر دے جن کا عقل و منطق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قوتیں اس وقت جبر و تشدد ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کی وارداتیں کر کے فخر محسوس کرتی ہیں۔ انہوں نے معاشرتی اور سماجی نظام کی تمام صورتوں کو زیر و زبر کر دیا ہے تاکہ ان کے کھنڈرات پر یہودیوں کے بادشاہ کا تخت سلطانی تعمیر ہو سکے۔ لیکن اس کے اقتدار سنبھالتے ہی ان کا کردار ختم ہو جائے گا۔ انہیں اس کے راستے سے ہٹانا لازمی ہو جائے گا۔ اس راہ میں کسی بھی قسم کی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہنی چاہیے۔

اس وقت ہم اقوام عالم کو یہ کہہ سکیں گے کہ خدا کا شکر ادا کرو اور اس کے سامنے جھک جاؤ جس کے قبضہ اقتدار میں انسانی تقدیر کی مہر ہے۔ جس کی طرف خود خدا نے ہمارے بادشاہ کی رہنمائی کی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان تمام باتوں اور برائیوں سے نجات دی جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

وثیقہ: ۲۴

حکمرانی کی اہلیت

اہم نکات: شاہ داؤد کی حکومت کا استحکام، بادشاہ کی تربیت، براہ راست ورثا کا تعین، بادشاہ اور اس کے تین نائب، بادشاہ بالکل آزاد ہوگا اور ہر قسم کی خارجی اور اخلاقی قدروں سے بے نیاز ہوگا۔

اب میں دنیا بھر میں شاہ داؤد کے خاندان کی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کا طریق کار بیان کروں گا:

سب سے پہلے ہمیں اس مقصد کی طرف رجوع کرنا ہوگا جسے دنیا میں قدامت پرستی (Conservatism) کی روایات کو قائم کرنے کے لیے ہمارے فاضل رہنماؤں نے اپنایا۔ وہ اصول یہ ہے کہ انسانی فکر کی راہیں متعین کی جائیں۔

داؤد کی نسل کے کچھ افراد مل کر بادشاہوں اور ان کے وارثوں کا انتخاب کریں گے۔ مگر اس انتخاب کا معیار آبائی وراثت کا حق نہیں ہوگا۔ ان بادشاہوں کو سیاست اور نظم مملکت کے تمام راز بتائے جائیں گے لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ کوئی اور شخص ان رازوں سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اس طرز عمل کا مقصد یہ ہے کہ سب لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ حکومت کا کاروبار ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا جنہیں اس فن کے خفیہ مقامات کی سیر نہیں کرائی گئی۔

مذکورہ منصوبوں پر عمل درآمد کے عملی طریقے خاص خاص لوگوں کو بتائے جائیں گے، یہ طریقے صدیوں کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ ان لوگوں کو سیاسی اور معاشی تحریکوں اور سماجی علوم کے تمام مشاہدات سے آگاہ کیا جائے گا۔ غرض فطرت کے ان تمام غیر مبدل قوانین کی پوری روح ان میں پھونک دی جائے گی جنہیں انسانی تعلقات متعین کرنے کے لیے خود فطرت نے مقرر کیا ہے۔

براہ راست ورثا نے اگر اپنی تربیت کے دوران کسی قسم کی غیر ذمہ داری، رحم دلی اور اس قبیل کی

دوسری خصوصیات کا ثبوت دیا تو انہیں حکمرانی کے حق سے محروم کردیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اخلاقی اقدار اقتدار کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی وجہ سے بادشاہ حکمرانی کے اہل نہیں رہتے بلکہ یہ چیزیں شاہی رعب و دبدبہ کے لیے بیحد خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

ہمارے فاضل رہنما صرف ایسے افراد کو حکومت کا کام سونپیں گے جو ظلم وتشدد کے احکامات براہ راست جاری کرنے کے اہل ہوں اور اس معاملے میں کسی قسم کی رو رعایت نہ کریں۔ اگر بادشاہ ارادے کی کمزوری کی وجہ سے بیمار ہوجائیں یا کسی اور وجہ سے حکمرانی کے اہل نہ رہیں تو انہیں حکومت نئے اور اہل افراد کو سونپ دینی ہوگی۔

حالیہ معاملات میں بادشاہ کا طرز عمل (Actions of Current Moment) اور مستقبل سے متعلق تجاویز سب لوگوں سے پوشیدہ رہیں گی یہاں تک کہ اس کے قریب ترین مشیروں کو بھی مکمل طور پر اندھیرے میں رکھا جائے گا۔ صرف بادشاہ اور اس کے تین نائبین کو معلوم ہوگا کہ کیا پیش آنے والا ہے۔

بادشاہ کی باا‌ثر شخصیت (جو اپنے مضبوط ارادوں کی بنا پر تمام انسانیت کا حاکم ہوگا) کے سامنے سب لوگوں کو سر تسلیم خم کرنا پڑے گا، جیسے یہ شخصیت مقدر اور اس کے پراسرار مظاہر کی نمائندہ ہو۔ جب کسی کو یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ بادشاہ اپنے منصوبوں سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو کوئی بھی اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

بادشاہ میں حکمرانی کرنے کے لیے مطلوبہ قابلیت اور ذہنی وسعت موجود ہونا لازم ہوگا اس مقصد کے لیے مذکورہ فاضل رہنما تخت نشینی سے پہلے اس کی ذہانت کا امتحان لیں گے۔

بادشاہ کے لیے لازم ہوگا کہ وہ رعایا کے دل میں اپنی محبت پیدا کرنے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے لوگوں میں گھل مل کر باتیں کرے، ان کی شکایات سنے اور ان کی مشکلات سے آگاہی پائے۔ اس طرح دو قوتیں (حکومت اور عوام) ایک دوسرے کے قریب تر آجائیں گی جنہیں ہم نے خوف اور دہشت کی بنا پر ایک دوسرے سے دور رکھا ہے۔ یہ خوف اور دہشت پیدا کرنا اس وقت تک ہمارے لیے ضروری تھا جب تک یہ دونوں قوتیں علیحدہ علیحدہ ہمارے قبضے میں نہ آجاتیں۔

یہودیوں کے بادشاہ کو اپنے جذبات کا غلام نہیں ہونا چاہیے، خصوصاً شہوانی جذبات کا۔ اسے کسی بھی حالت میں بہیمانہ جذبات کو اپنے ذہن و شعور پر غالب نہیں آنے دینا چاہیے کیونکہ جنسی تلذذ

کی خواہش اور شہوانیت پرستی، ذہنی صلاحیتوں اور قوت فیصلہ میں انتشار پیدا کردیتی ہے جس سے انسانی فکروعمل میں ایک زبردست حیوانیت اور بربریت جنم لے لیتی ہے۔

داؤد کی مقدس نسل کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے دنیا کے رہنما (یعنی یہودی بادشاہ) کو اپنے ذاتی رجحانات و جذبات کی قربانی دینا پڑے گی۔ ہمارے بادشاہ کا کردار مثالی اور بے داغ ہونا چاہیے۔

(۳۳ویں درجہ کے یہودی نمائندوں کے دستخط)

❖

پاکستان اور یہودیت

بالعموم عقل یہ باور کرنے کو تیار نہیں ہوتی کہ اسرئیل پاکستان کو نقصان پہنچا سکتا ہے مگر یہ بات ہے سچ اسے آپ اس آئینہ میں دیکھیے۔

پاکستان کے لئے عالمی یہودی تنظیم کی سوچ ملاحظہ فرمایئے:

''عالمی یہودی تحریک کو اپنے لئے پاکستان کے خطرے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور پاکستان اس کا پہلا ہدف ہونا چاہئے کیونکہ یہ نظریاتی ریاست یہودیوں کی بقاء کے لئے سخت خطرہ ہے اور یہ کہ سارا پاکستان عربوں سے محبت اور یہودیوں سے نفرت کرتا ہے اس طرح عربوں سے ان کی محبت ہمارے لئے عربوں کی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے۔لہذا عالمی یہودی تنظیم کو پاکستان کے خلاف فوری اقدام کرنا چاہئے۔''

''بھارت پاکستان کا ہمسایہ ہے جس کی ہندو آبادی پاکستان کے مسلمانوں کی ازلی دشمن ہے جس پر تاریخ گواہ ہے۔بھارت کے ہندو کی اس مسلم دشمنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں بھارت کو استعمال کر کے پاکستان کے خلاف کام کا آغاز کرنا چاہئے۔ہمیں اس دشمنی کی خلیج اور وسیع تر کرتے رہنا چاہئے۔یوں ہمیں پاکستان پر کاری ضرب لگا کر اپنے خفیہ منصوبوں کی تکمیل کرنا ہے تاکہ صیہونیت اور یہودیوں کے یہ دشمن ہمیشہ کے لئے نیست ونابود ہوں۔''

اقتباسات تقریر بن کوریان (اسرائیل کا پہلا وزیراعظم) بحوالہ (صیہونیت کا علمبردار برطانوی ہفت روزہ) ''جیوش کرانیکل'' اشاعت 19 اگست 1967ء (عرب اسرائیل جنگ کے بعد پیرس میں منعقدہ تجزیاتی کانفرس میں خطاب سے ماخوذ)

امریکی نژاد یہودی فوجی ماہر پروفیسر ہرٹ اپنی رپوٹ کے صفحہ 215 پر لکھتا ہے:

''پاکستان کی فوج اپنے پیغمبر کے لئے بے پناہ محبت رکھتی ہے اور یہی وہ رشتہ ہے جو عربوں کے ساتھ ان کے تعلق کو اٹوٹ بناتا ہے یہی محبت وسعت طلب عالمی صیہونی تحریک اور مضبوط اسرائیل کے لئے شدید ترین خطرہ ہے۔ لہذا یہودیوں کے لئے یہ انتہائی اہم مشن ہے کہ ہر صورت اور ہر حال میں پاکستانی فوج کے دلوں سے ان کے پیغمبر محمد ﷺ کی محبت کو کھرچ دے۔''

یہود اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ:

۱☆ اگر یہودیوں کو اس دنیا میں پھلنا پھولنا ہے تو انسان کے دل و دماغ سے انکے پیغمبروں کی محبت، ایمانیات اور ان کے رسوم و رواج کی اعلیٰ اقدار کو تہس نہس کرنا ہوگا۔

۲☆ عیسائی مبلغ ہوں یا مسلمان علماء ہر کسی کی کوئی نہ کوئی قیمت ضرور ہوتی ہے۔ سونے کی چمک کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ ایسے بکاؤ مال سے ربط قائم رہنا چاہئے۔

۳☆ اگر عیسائی اور مسلمان علماء کو تبلیغ دین کے نام پر مالی مدد فراہم کی جائے تو وہ اس مدد کی بنیاد پر اپنے کام کو پھیلائیں گے پھر اچانک ہاتھ روک کر انہیں پریشان کیا جاسکتا ہے کہ پھیلے کام کو کیسے ترک کیا جائے لہذا اس صورت میں وہ یہودی مقاصد کی تکمیل کی خاطر مشروط مالی امداد بھی قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

۴☆ یہودی مقاصد کی تکمیل اور فوری نتائج حاصل کرنے کی خاطر ایک سیاسی طالع آزما کی تلاش بے حد اہم کام ہے جس کی پشت پر مخصوص پروپیگنڈہ بھی ہو۔

۵☆ مذکورہ نمبر 9 کے مطابق سیاسی طالع آزما کو اگر اپنی طرف سے حصول اقتدار کے لئے امداد کا وعدہ، موثر تشہیر، جامع پروگرام اور منصوبہ کے ساتھ ساتھ یہ یقین بھی دلا دیا جائے کہ تمہارے اقتدار میں آنے سے قوم کی تقدیر بدل جائے گی اور تمہارے اقتدار کو اس سبب استحکام مل جائے گا تو وہ ہمارے مقاصد پورے کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے گا۔

۶☆ یہودی جہاں بلاواسطہ کامیاب ہونے میں دشواری محسوس کرتے ہیں وہاں وہ

بالواسطہ طور پر عوامی مقرر قسم کے لوگوں کو سامنے لاتے ہیں کیونکہ کچھ لوگ پیٹ کے بھوکے ہوتے ہیں تو کچھ شہرت کی بھوک میں بلکتے ہیں شہرت اور دولت کے ایسے بھوکے اگر کبھی بھٹکنے لگیں تو یہودی انہیں غیر موٴثر بنا کر فہرست سے اگلا مہرہ لے آتے ہیں۔ ایسا جو شخص بھی بعد از تلاشِ بسیار ہتھے چڑھ جاتا ہے یہودی تنظیم اپنے تمام ذرائع سے اسے عوام میں مقبولیت دلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور یوں اس شخص پر اس کی محسن صیہونیت کی گرفت مضبوط تر ہوتی جاتی ہے پھر ایسے شخص کو جب اقتدار سے الگ کرنے یا عوام کی نظروں سے گرائے جانے کی دھمکی دی جاتی ہے تو وہ اس بلیک میل میں یہودی مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے خواہ یہ کس قدر شرمناک ہو یا مذہب سے متصادم بھی۔

۷☆ اوپر بیان کردہ فارمولا شاعروں، ادیبوں، اداکاروں، صحافیوں اور دوسرے تعلیم یافتہ طبقوں مثلاً وکلا اور پروفیسر حضرات کے لئے بھی کارگر ہے۔

۸☆ یہود حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ دشمن ممالک میں ان کی تمام تر اخلاقی، سماجی، معاشرتی، روحانی اور مذہبی اقدار کو تلپٹ کر دیا جائے، سماجی اور معاشرتی برائیوں کو فروغ دیا جائے مثلاً منشیات، فحاشی، رشوت ستانی وغیرہ سے عوام میں حقیقی مسرت کو "بابر بہ عیش کوش" امن کو تخریب اور سازش، راحت کو لالچ اور ہوس سے متعارف کرایا جائے۔

۹☆ یہودی اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ سائنسی طریقوں سے بیماریاں پیدا کی جاسکتی ہیں اور اس مقصد کے لئے ان کے ڈاکٹر اور سائنس دان مصروف پیکار ہیں۔

۱۰☆ یہودیوں کا اس فلسفے پر ایمان ہے کہ تعمیر سے زیادہ تخریب کے ذریعے دولت حاصل کی جاسکتی ہے۔

۱۱☆ انسانی فطرت میں برائی کی رغبت کو استعمال کرتے ہوئے یہودی اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہودی عورتوں کے ذریعے موٴثر افراد کو فحاشی میں ملوث کر کے مقاصد حاصل کئے جائیں۔
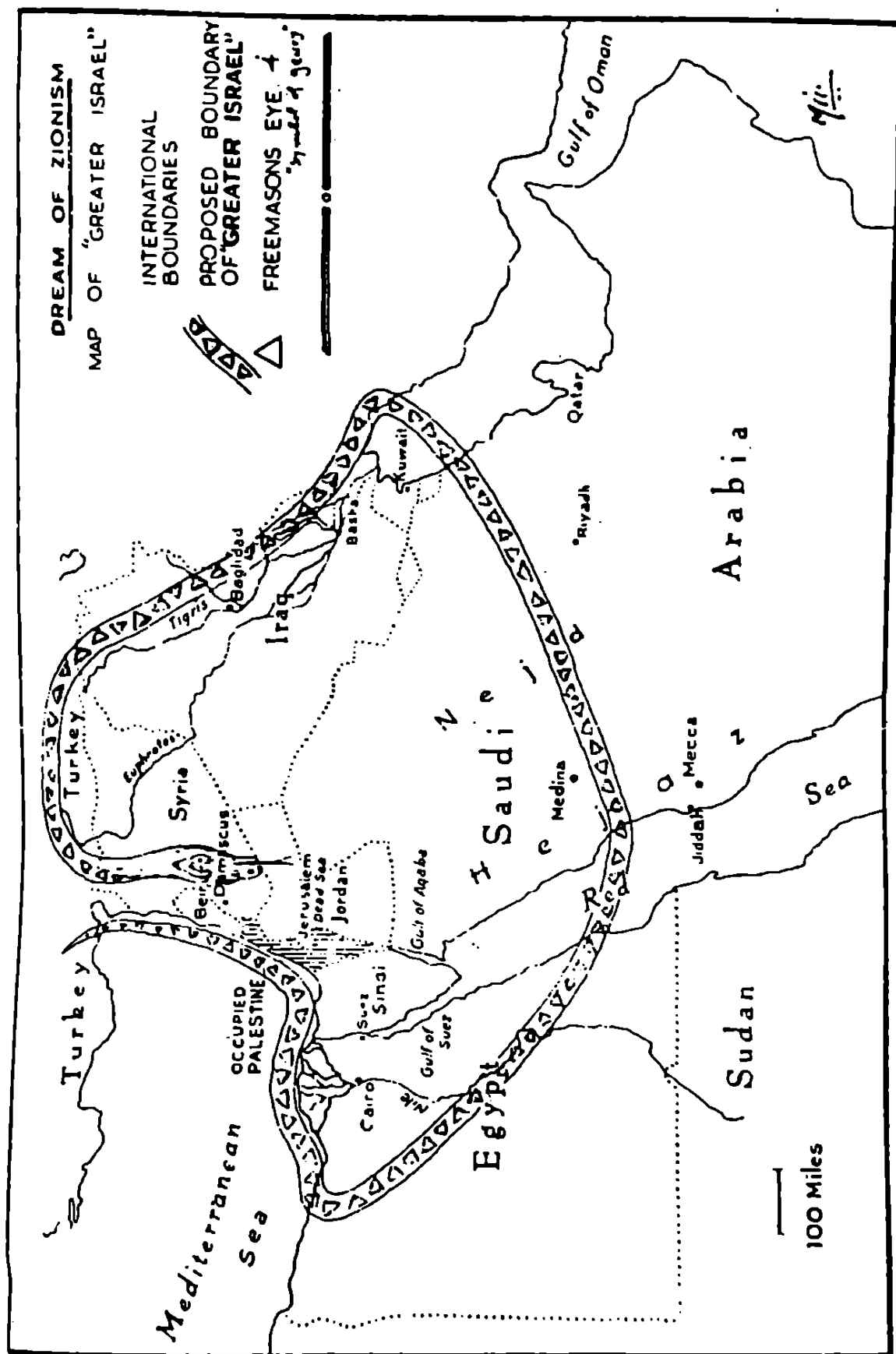
☆ ☆ ☆ ☆ ☆

DREAM OF ZIONISM
MAP OF "GREATER ISRAEL"
INTERNATIONAL BOUNDARIES
PROPOSED BOUNDARY OF "GREATER ISRAEL"
FREEMASONS EYE
Turkey
Turkey
Mediterranean Sea
OCCUPIED PALESTINE
Syria
Euphrates
Tigris
Beirut
Damascus
Baghdad
Iraq
Jerusalem
Dead Sea
Jordan
Basra
Kuwait
Cairo
Suez
Sinai
Nile
Gulf of Suez
Gulf of Aqaba
Egypt
Saudi
Medina
Riyadh
Qatar
Gulf of Oman
Jiddah
Mecca
Arabia
Sudan
Red Sea
100 Miles

زیر ''وثائق'' یہود کی ایسی ہی منصوبہ بندی کا ان کی زبانی تذکرہ ہیں۔ یہ ہر شخص کے کام کی کتاب نہیں ہے بلکہ صرف گنتی کے ان لوگوں کے کام کی چیز ہے جنہوں نے عقل وخرد اور شعور کو اب تک کسی کے پاس گروی نہیں رکھا اور جو ملت مسلمہ کے انحطاط پر کڑھتے ہیں، انحطاط کی وجوہات کی ٹوہ میں ہیں اور جن میں کچھ کرنے کا داعیہ بھی ہے۔

''وثائق یہودیت'' زیادہ عرصہ مارکیٹ میں رہنے والی کتاب نہیں کہ اس کے نسخے بہت جلد زیر زمین چلے جاتے ہیں، جس طرح یہود کی کوششوں سے انہیں مارکیٹ میں لانے والے زیر زمین چلے جاتے ہیں۔ جس کا ذکر انہوں نے خود انہی وثائق میں بڑی جرائت سے کیا بھی ہے۔

مکتبۃ الاتحاد دیوبند (الھند)
MAKTABATUL ITTIHAD
Deoband -247554 Distt. Saharanpur (U.P.) India
Cell: 91-9897296985
e-mail : maktabatul_ittihad@yahoo.com

Rs. 100.00